فقہائے ہند

جلد اوّل

پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک

محمد اسحاق بھٹی

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

فقہائے ہند

جلد اوّل

پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک

محمد اسحاق بھٹی

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ
لاہور

بار اول ۱۹۷۴

تعداد ۱۱۰۰

مطبع .. .. .. انجمن حمایت اسلام پریس ریلوے روڈ لاہور

ناشر .. .. .. محمد اشرف ڈار۔ معتمد انتظامیہ
ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
ابتدائیہ	۱
عہدِ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ	۲
عہدِ حضرت عمر فاروق رضؓ	۳
عہدِ حضرت عثمان رضؓ	۶
عہدِ حضرت علی رضؓ	۸
عہدِ حضرت امیر معاویہ رضؓ	۹
عہدِ یزید بن معاویہ	۱۰
پچیس صحابہ کرامؓ واردِ ہند ہوئے	۱۰
ہند میں اسلام دو راستوں سے آیا	۱۳
محمود غزنوی کا عہد	۱۴
غوری سلطنت	۱۴
قطب الدین ایبک	۱۷
ناصر الدین قباچہ	۲۲
سلطان شمس الدین التتمش	۲۴
سلطان ناصر الدین محمود	۲۸
غیاث الدین بلبن	۳۱
جلال الدین خلجی	۳۵
علاء الدین خلجی	۳۷

سلطان غیاث الدین تغلق ۳۸
سلطان محمد تغلق ۳۹
سلطان فیروز شاہ تغلق ۳۹
سلاطینِ بہمنی ۴۰
اظہارِ تشکر ۴۲

پہلی صدی ہجری

الف

۱ ابنِ اُسید بن اخنس ۴۳
۲ ابو شیبہ جوہری ۴۳
۳ اعشیٰ ہمدان ۴۴
۴ ابو ایوب بن یزید ہلالی ۴۴

ث

۵ ثاغر بن دعر ۴۵

ح

۶ حاتم بن قبیصہ بن مہلب مہلبی ازدی ۴۵
۷ حارثہ بیلمانی ۴۶
۸ حارث بن مُرّہ عبدی ۴۶
۹ حباب بن فضالہ ذہلی ۴۷
۱۰ حری بن حری باہلی ۴۸
۱۱ حکم بن منذر عبدی ۴۸

ر

۱۲ راشد بن عمرو جدیدی عبدی ازدی ۴۹

ز

۱۳ زائدہ بن عمیر طائی کوفی ۴۹

۱۴	زیاد بن حواری عمی	۴۹
۱۵	ابوقیس زیاد بن رباح قیسی بصری	۵۰
	س	
۱۶	سعد بن ہشام انصاری	۵۱
۱۷	سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی	۵۱
۱۸	سعید بن کسندیر	۵۲
	ش	
۱۹	شمر بن عطیہ اسدی	۵۲
	ع	
۲۰	عباد بن زیاد بن ابوسفیان	۵۳
۲۱	عبدالرحمن بن ابوزید بیلمانی	۵۳
۲۲	عبدالرحمن بن عباس ہاشمی قرشی	۵۴
۲۳	عبدالرحمن سندھی	۵۵
۲۴	عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کندی	۵۵
۲۵	عمر بن عبیداللہ بن معمر قرشی تیمی	۵۶
	ق	
۲۶	قطن بن مدرک کلابی	۵۶
۲۷	قیس بن ثعلبہ	۵۷
	ک	
۲۸	کرز بن ابی کرز عبدی حارثی کوفی	۵۷
۲۹	کہمس بن حسن قیسی بصری	۵۸
	م	
۳۰	مجاعہ بن سعر تیمی	۵۸

۳۱ ابو الیمان معلی بن راشد نبال ہذلی بصری ۵۹

۳۲ موسیٰ سیلانی ۶۱

۳۳ موسیٰ بن یعقوب ثقفی ۶۲

۳۴ مولائے اسلام دیبلی ۶۳

ی

۳۵ یزید بن ابو کبشہ سکسکی ۶۵

۳۶ یزید بن مفرغ حمیری ۶۶

دوسری صدی ہجری

الف

۱ ابو عیینہ بن مہلب ازدی ۶۸

۲ اسرائیل بن موسیٰ بصری ۶۸

۳ اسماعیل بن ابراہیم قیقانی ۷۰

ج

۴ جنید بن عمرو عدواتی مکی ۷۱

ح

۵ حکم بن عوانہ بن عیاض کلبی ۷۱

ر

۶ ربیع بن صبیح سعدی بصری ۷۲

ع

۷ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ۷۴

۸ عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیبلی ۷۵

۹ عبداللہ بن محمد علوی ۷۶

۱۰ عطیہ بن سعد عوفی ۷۹

۱۱	عمرو بن مسلم باہلی	۷۹
	ف	
۱۲	فتح بن عبداللہ سندھی	۸۰
	م	
۱۳	محمد بن زید عبدی	۸۱
۱۴	معاویہ بن قرہ مزنی بصری	۸۲
۱۵	مکحول بن عبداللہ سندھی شامی	۸۲
	ن	
۱۶	نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی	۸۳
	ی	
۱۷	یزید بن عبداللہ قرشی بیسری سندھی	۸۵

تیسری صدی ہجری

	الف	
۱	ابو علی سندھی	۸۷
	خ	
۲	خلف بن سالم	۸۸
	س	
۳	سندھ کا ایک گم نام عالم و مفسر	۸۹
	ش	
۴	شعیب بن محمد دیبلی	۹۱
	ع	
۵	عبداللہ بن جعفر منصوری	۹۱
	م	
۶	محمد بن ابو الشوارب	۹۲

ح

۷ محمد بن ابو معشر ۹۲

چوتھی صدی ہجری

الف

۱ ابراہیم بن محمد دَیبُلی ۹۴

۲ احمد بن عبداللہ دَیبُلی ۹۴

۳ احمد بن محمد منصوری ۹۶

خ

۴ خلف بن محمد دیبلی ۹۹

ع

۵ علی بن موسیٰ دَیبُلی ۹۹

م

۶ محمد بن ابراہیم دیبلی ۹۹

۷ محمد بن محمد دیبلی ۱۰۰

پانچویں صدی ہجری

ح

۱ حسین زنجانی ۱۰۱

ع

۲ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن اشعثی لاہوری ۱۰۲

۳ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۲

م

۴ سلطان محمود غزنوی ۱۰۴

چھٹی صدی ہجری

الف

۱ قاضی اسماعیل بن علی سندھی ۱۱۴

ب

۲ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ صوفی ہندی ۱۱۵

۳ بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد ۱۱۶

ع

۴ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری ۱۱۷

۵ عمرو بن سعید لاہوری ۱۱۸

م

۶ شیخ محمد بن عبدالملک جرجانی ۱۱۸

۷ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری ۱۱۹

۸ مخلص بن عبداللہ ہندی ۱۲۰

ی

۹ یوسف بن ابوبکر گردیزی ۱۲۰

ساتویں صدی ہجری

الف

۱ شیخ احمد بن محمد ہانسوی ۱۲۲

۲ شیخ اسحاق بن علی بخاری ۱۲۳

ب

۳ شیخ بدرالدین دلموی ۱۲۴

۴ شیخ بدرالدین سمرقندی ۱۲۴

۵ شیخ بدرالدین غزنوی ۱۲۵

۶ مولانا برہان الدین بزاز ۱۲۶

۷ شیخ برہان الدین بلخی ۱۲۶

۸	مولانا برہان الدین نسفی	۱۲۸

ج

۹	قاضی جلال الدین کاشانی	۱۲۹

ح

۱۰	شیخ حسام الدین ملتانی	۱۳۰
۱۱	خواجہ حسن معین الدین اجمیری	۱۳۰
۱۲	شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری	۱۳۳
۱۳	شیخ حسین بن علی بخاری	۱۳۶
۱۴	شیخ حسین بدایونی	۱۳۷

د

۱۵	داؤد بن محمد اودھی	۱۳۸

ر

۱۶	قاضی رفیع الدین گاذرونی	۱۳۸
۱۷	شیخ رکن الدین دہلوی	۱۳۹
۱۸	قاضی رکن الدین سامانوی	۱۳۹

ز

۱۹	شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی	۱۴۰
۲۰	شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری	۱۴۴
۲۱	مولانا زین الدین بدایونی	۱۴۵

س

۲۲	مولانا سدید الدین دہلوی	۱۴۶

ش

۲۳	مولانا شرف الدین ولوالجی	۱۴۶

۲۴	قاضی شرف الدین اصفہانی	۱۴۶
۲۵	مولانا شمس الدین خوارزمی	۱۴۸
۲۶	قاضی شمس الدین مراجی	۱۵۰
۲۷	قاضی شمس الدین مارہروی	۱۵۰
۲۸	قاضی شمس الدین بہرائچی	۱۵۱
۲۹	مولانا شہاب الدین اجودھنی	۱۵۲

ص

۳۰	قاضی صمصام الدین فرغانی	۱۵۳

ظ

۳۱	قاضی ظہیر الدین دہلوی	۱۵۳

ع

۳۲	قاضی عثمان بن محمد جوزجانی	۱۵۴
۳۳	شیخ عزیز الدین لاہوری	۱۵۷
۳۴	خواجہ عزیز کرکی	۱۵۷
۳۵	شیخ علاء الدین اصولی بدایونی	۱۵۸
۳۶	شیخ علی بن اسحاق بخاری	۱۵۸
۳۷	شیخ علی بن حامد کوفی	۱۵۸
۳۸	قاضی علی بن عمر محمودی	۱۵۹

ق

۳۹	قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی	۱۶۰

ک

۴۰	قاضی کمال الدین جعفری	۱۶۰

م

۴۱	شیخ محمد بن احمد ماریکلی دہلوی	۱۶۱

۴۲	شیخ محمد بن احمد مدنی	۱۶۲
۴۳	شیخ محمد بن ماموں لاہوری	۱۶۴
۴۴	شیخ محمد بن محمد بھکری سندھی	۱۶۴
۴۵	شیخ محمد قنطور قانی	۱۶۵
۴۶	شیخ محمد ترکمانی	۱۶۵
۴۷	شیخ مسعود فریدالدین رح	۱۶۶
۴۸	مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی	۱۷۰
	ن	
۴۹	شیخ نجم الدین صغریٰ	۱۷۰
۵۰	نجیب الدین متوکل	۱۷۴
۵۱	شیخ نصیرالدین دہلوی	۱۷۵
۵۲	شیخ نظام الدین فرغانی	۱۷۵
	و	
۵۳	قاضی وجیہہ الدین کاشانی	۱۷۵
	ی	
۵۴	شیخ یعقوب بن احمد نہروالی	۱۷۶
۵۵	شیخ ابوبکر یوسف بن حسین سقرانی	۱۷۶
	آٹھویں صدی ہجری	
	الف	
۱	قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی	۱۷۸
۲	شیخ ابوعلی قلندر پانی پتی	۱۷۹
۳	شیخ احمد بن یحییٰ منیری	۱۸۳
۴	سید احمد غزنوی	۱۸۶

۵	شیخ اسحاق مغربی	۱۸۶
۶	شیخ اسمٰعیل فتفنیہ	۱۸۷
۷	شیخ اسمٰعیل بن محمد ملتانی	۱۸۸
۸	مولانا افتخار الدین رازی	۱۸۸
۹	مولانا افتخار الدین برنی	۱۸۸
۱۰	مولانا افتخار الدین گیلانی	۱۸۹
۱۱	شیخ امام الدین دہلوی	۱۸۹
	ب	
۱۲	مولانا بدر الدین معبری	۱۸۹
۱۳	مولانا بدر الدین اودھی	۱۹۰
۱۴	مولانا برہان الدین بھکری	۱۹۰
۱۵	قاضی بہاء الدین اُوچی	۱۹۱
	ت	
۱۶	امیر تاتارخاں دہلوی	۱۹۱
۱۷	قاضی تاج الدین کرڑوی	۱۹۶
۱۸	مولانا تاج الدین کلاہی	۱۹۷
۱۹	مولانا تاج الدین مقدم دہلوی	۱۹۷
	ج	
۲۰	مولانا جلال الدین رومی	۱۹۸
۲۱	قاضی جلال الدین ولوالجی	۲۰۰
۲۲	شیخ جلال الدین دہلوی	۲۰۱
۲۳	شیخ جلال الدین اودھی	۲۰۱
۲۴	قاضی جلال الدین کاشانی	۲۰۲

۲۵	قاضی جلال الدین کرمانی	۲۰۲
۲۶	شیخ جمال الدین مغربی	۲۰۳
۲۷	شیخ جمال الدین کوتلی	۲۰۴
۲۸	شیخ جمال الدین اوچی	۲۰۵
۲۹	شیخ جمال الدین اودھی	۲۰۶
	ح	
۳۰	شیخ حسین بن احمد بخاری اوچی مخدوم جہانیاں جہاں گشت	۲۰۷
۳۱	شیخ حسین بن محمد کرمانی	۲۰۸
۳۲	شیخ حسین بن عمر غیاث پوری	۲۰۹
۳۳	مولانا حجت الدین ملتانی قدیم	۲۰۹
۳۴	مولانا حسام الدین ابن شادی	۲۱۰
۳۵	مولانا حسام الدین سرخ	۲۱۰
۳۶	مولانا حماد الدین کاشانی	۲۱۰
۳۷	شیخ حمید الدین دہلوی	۲۱۰
۳۸	مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی	۲۱۱
	د	
۳۹	شیخ دانیال بن حسن ستر کھی	۲۱۱
۴۰	شیخ داؤد بن حسین شیرازی	۲۱۲
	ر	
۴۱	قاضی رکن الدین کرڑوی	۲۱۳
۴۲	قاضی رکن الدین کاشانی ملتانی	۲۱۴
۴۳	مولانا رکن الدین سنامی	۲۱۵
۴۴	مولانا رکن الدین اندرپتی	۲۱۵

۴۵	شیخ رکن الدین ملتانی ظفرآبادی	۲۱۵
۴۶	مولانا رکن الدین بدایونی	۲۱۶
	ز	
۴۷	مولانا زین الدین دیوی	۲۱۶
۴۸	شیخ زین الدین اودھی	۲۱۷
۴۹	قاضی زین الدین ناقلہ دہلوی	۲۱۷
۵۰	قاضی زین الدین مبارک گوالیاری	۲۱۷
	س	
۵۱	قاضی سماء الدین دہلوی	۲۱۷
۵۲	مولانا سراج الدین تقفی دہلوی	۲۱۸
۵۳	شیخ سعید الدین قندھاری	۲۱۸
۵۴	شیخ سلیمان بن زکریا ملتانی	۲۱۸
۵۵	قاضی سماء الدین بجنوری	۲۱۹
	ش	
۵۶	قاضی شرف الدین دہلوی	۲۲۰
۵۷	مولانا شمس الدین باخرزی	۲۲۰
۵۸	مولانا شمس الدین ترک	۲۲۰
۵۹	مولانا شمس الدین گازرونی	۲۲۴
۶۰	مولانا شمس الدین دمشقی	۲۲۴
۶۱	مولانا شمس الدین تمر دہلوی	۲۲۵
۶۲	مولانا شمس الدین دھارا سیونی	۲۲۵
۶۳	مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی	۲۲۶
۶۴	شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی	۲۲۶

۶۵	مولانا شہاب الدین ملتانی	۲۲۷
۶۶	شیخ شہاب الدین زاہدی میرٹھی	۲۲۷
	ص	
۶۷	شیخ صدرالدین کہرانی دہلوی	۲۲۸
۶۸	شیخ صدرالدین بھکری	۲۲۹
۶۹	مولانا صدرالدین تاری	۲۲۹
۷۰	مولانا صدرالدین گندھک	۲۳۰
	ض	
۷۱	قاضی ضیاءالدین برنی	۲۳۰
۷۲	قاضی ضیاءالدین بیانوی	۲۳۱
۷۳	قاضی ضیاءالدین سمنانی	۲۳۲
	ظ	
۷۴	مولانا ظہیرالدین بھکری	۲۳۵
۷۵	مولانا ظہیرالدین لنگ دہلوی	۲۳۶
	ع	
۷۶	مولانا عالم بن علا اندرپتی	۲۳۶
۷۷	شیخ عبدالعزیز اردبیلی	۲۳۷
۷۸	مولانا عبدالکریم شروانی	۲۳۸
۷۹	قاضی عبداللہ بیانوی	۲۳۸
۸۰	شیخ عثمان بن داؤد ملتانی	۲۳۹
۸۱	شیخ عثمان اودھی	۲۴۰
۸۲	قاضی عثمان مالاباری	۲۴۰
۸۳	شیخ عزالدین زبیری	۲۴۲

۸۴	مولانا عفیف الدین کاشانی	۲۴۱
۸۵	شیخ علاء الدین الکغدری	۲۴۲
۸۶	شیخ علاء الدین اودھی	۲۴۳
۸۷	شیخ علاء الدین سندیلوی	۲۴۵
۸۸	مولانا علاء الدین دہلوی	۲۴۵
۸۹	مولانا علاء الدین تاجر	۲۴۵
۹۰	مولانا علاء الدین کرک	۲۴۶
۹۱	مولانا علاء الدین لاہوری	۲۴۶
۹۲	مولانا علاء الدین اندرپتی	۲۴۶
۹۳	شیخ علی بن حمید ناگوری	۲۴۶
۹۴	شیخ علی بن شہاب الدین ہمدانی	۲۴۷
۹۵	مولانا عماد الدین حسام دہلوی	۲۴۹
۹۶	مولانا عماد الدین غوری	۲۵۰
۹۷	شیخ عمر بن محمد ہندی	۲۵۱
۹۸	شیخ عمر بن اسعد لاہوری بنڈوی	۲۵۲
۹۹	شیخ عمر بن اسحاق غزنوی	۲۵۲
۱۰۰	شیخ عمر بن محمد سنامی	۲۵۴
۱۰۱	شیخ عین الدین بیجاپوری	۲۵۶

ف

۱۰۲	مولانا فخر الدین زرادی	۲۵۷
۱۰۳	شیخ فخر الدین مروزی	۲۶۳
۱۰۴	مولانا فخر الدین ناقلی	۲۶۳
۱۰۵	مولانا فخر الدین ہانسوی	۲۶۴

۱۰۶	مولانا فخر الدین شتاقل	۲۶۴
۱۰۷	قاضی فخر الدین بجنوری	۲۶۴
۱۰۸	شیخ الاسلام فرید الدین اودھی	۲۶۵
۱۰۹	شیخ فرید الدین ناگوری	۲۶۵
۱۱۰	شیخ فرید الدین دولت آبادی	۲۶۶
۱۱۱	شیخ فضل بن محمد ملتانی	۲۶۶
۱۱۲	مولانا فصیح الدین دہلوی	۲۶۷
۱۱۳	قاضی فصیح الدین ہروی	۲۶۷
۱۱۴	شیخ فیروز دہلوی	۲۷۰

ق

۱۱۵	شیخ قاسم بن عمر دہلوی	۲۷۰

ک

۱۱۶	شیخ کریم الدین جوہری	۲۷۱
۱۱۷	مولانا کمال الدین سامانوی	۲۷۱
۱۱۸	مولانا کمال الدین دہلوی	۲۷۲
۱۱۹	مولانا کمال الدین سنتوسی	۲۷۲
۱۲۰	شیخ کمال الدین مالوی	۲۷۳

م

۱۲۱	شیخ محمد بن احمد بدایونی، نظام الدین اولیاؒ	۲۷۳
۱۲۲	شیخ محمد بن احمد مَعْبَرِی	۲۸۱
۱۲۳	قاضی محمد بن برہان ہانسوی	۲۸۲
۱۲۴	شیخ محمد بن عبد الرحیم ارسوی دہلوی	۲۸۲
۱۲۵	شیخ محمد بن محمد صغانی	۲۸۵

۱۲۶	شیخ محمد بن محمود ہانسوی	۲۸۶
۱۲۷	شیخ محمد بن محمد کابلی	۲۸۷
۱۲۸	شیخ محمد بن محمد ہندی	۲۸۷
۱۲۹	شیخ محمد بن محمد بلخی	۲۸۸
۱۳۰	شیخ محمد بن یحییٰ اودھی	۲۸۸
۱۳۱	شیخ محمد بن محمد دھراجی ہندی	۲۹۰
۱۳۲	شیخ محمد شیرازی	۲۹۱
۱۳۳	مولانا محمد دامغانی	۲۹۲
۱۳۴	شیخ محمد بن محمود کرانی	۲۹۲
۱۳۵	شیخ محمد بن شمس عثمانی	۲۹۲
۱۳۶	شیخ محمود بن محمد دہلوی	۲۹۳
۱۳۷	شیخ محمود بن یحییٰ اودھی نصیرالدین چراغ دہلی	۲۹۴
۱۳۸	شیخ محمود بن محمد دہلوی	۲۹۹
۱۳۹	شیخ محمود بن حسین حسینی بخاری اوچی	۲۹۹
۱۴۰	شیخ محمود بن یوسف کرانی	۳۰۰
۱۴۱	شیخ مخلص بن عبداللہ دہلوی	۳۰۰
۱۴۲	شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی	۳۰۱
۱۴۳	قاضی محی الدین کاشانی	۳۰۲
۱۴۴	مولانا معین الدین عمرانی دہلوی	۳۰۴
۱۴۵	قاضی مغیث الدین بیانوی	۳۰۵
۱۴۶	شیخ منتخب الدین ہانسوی	۳۱۸
	ن	
۱۴۷	مولانا ناصرالدین خوارزمی	۳۱۸

۱۴۸	مولانا نجم الدین انتشار دہلوی	۳۱۹
۱۴۹	مولانا نجم الدین سمرقندی	۳۱۹
۱۵۰	مولانا نصیر الدین صابونی	۳۲۰
۱۵۱	مولانا نصیر الدین کرڈوی	۳۲۰
۱۵۲	مولانا نظام الدین کلاہی	۳۲۰
۱۵۳	شیخ نور الدین ہانسوی	۳۲۱
	و	
۱۵۴	مولانا وجیہ الدین رازی	۳۲۲
۱۵۵	مولانا وجیہ الدین پائلی	۳۲۲
۱۵۶	مولانا وجیہ الدین بیانوی	۳۲۳
	ی	
۱۵۷	مولانا یعقوب بن مولانا خواجگی	۳۲۳
۱۵۸	شیخ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی	۳۲۴
۱۵۹	شیخ یوسف چندیروی	۳۲۵
۱۶۰	شیخ یوسف چشتی دہلوی	۳۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

یہ خطۂ ارض جو تاریخ میں "ہند" کے نام سے موسوم ہے اور جس کو قیام پاکستان کے بعد برصغیر پاک وہند سے تعبیر کیا جاتا ہے، ابتدائی صدی ہجری ہی میں اسلام کے روح پرور پیغام سے آشنا ہوگیا تھا۔ بلکہ کچھ ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ہند" کا ذکر فرمایا اور اس کے بعض امور سے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد خلافتِ راشدہ قائم ہوئی اور اسلامی تعلیمات نے بلادِ عرب سے نکل کر بیرونی ممالک کا رُخ کیا اور ان میں اپنے اثر ورسوخ کے جھنڈے گاڑنا شروع کیے تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے دیارِ ہند کی طرف بھی عنانِ توجہ مبذول کی اور وہ اس کو دینِ فطرت کے تہذیبی وثقافتی دائرے میں شامل کرنے کے لیے کوشاں ہوئے۔ جس کے نتیجے میں بہت جلد برصغیر پاک و ہند کے کئی حصوں پر برکاتِ اسلامی کا شامیانہ سایہ فگن ہوگیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ سارا علاقہ اسلام کی روشنی سے چمک اٹھا۔ درج ذیل سطور میں اسی حقیقت کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے اور اسی سلسلے کے چند واقعات اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ کتاب جو کہ "فقہائے ہند" کے نام سے موسوم ہے اور آپ کے زیرِ مطالعہ ہے، ابتدائی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے طویل زمانے میں پھیلے ہوئے فقہائے ہند کے حالات کی اولین کڑی اور پہلی جلد ہے۔ اس میں آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہائے ہند کے حالات درج ہیں۔ اس کے "ابتدائیہ" میں موضوع کی مناسبت

کے پیش نظر دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے:

ایک یہ کہ دورِ خلافتِ راشدہ ہی میں، اسلام کا عالمگیر پیغام، باشندگانِ ہند کے کانوں تک پہنچ گیا تھا اور بعض صحابہ کرام اور ائمہ دین بھی، اسلامی اقتدار کی تنفید کے لیے اس ملک میں تشریف لائے تھے۔

دوسرے یہ کہ مختلف فقہائے کرام اور علمائے عظام ہندوستان کے جن جن ملوک و سلاطین کے عہد میں پیدا ہوئے، تفصیل میں جائے بغیر ان ملوک و سلاطین میں کی اہم شخصیتوں کا عہد بعہد تعارف کرایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ بادشاہ علمی اور مذہبی اعتبار سے کس مرتبے کے حامل تھے، فقہا سے ان کے مراسم کا کیا انداز تھا، ان کے نزدیک وہ کس درجہ احترام و اکرام کے مستحق تھے اور علمی و دینی معاملات میں ان کی رائے کو وہ کتنی اہمیت دیتے تھے۔

عہد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

ہند میں ورودِ اسلام کے ضمن میں، ہم کو سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کے دورِ خلافت کی کسی ایسی مہم کا ذکر تو کتب رجال میں، ہماری نظر سے نہیں گزرا، جس کا تعلق براہِ راست سرزمینِ پاک و ہند سے ہو۔ البتہ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کے عہدِ خلافت (ذی الحجہ ۱۱ھ) میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زیر کمان یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف، جو جنگ لڑی گئی، اس میں ہند اور سندھ کے ان ہندوؤں اور جاٹوں نے بھی حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلادِ سواحل میں متوطن تھے۔ یہ لوگ یمامہ گئے، وہاں مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہوئے اور شکست کھائی۔ پھر ان میں سے جو لوگ زندہ بچ گئے اور شکست کھا کر واپس آئے، انھوں نے اپنی قوم کو ان حالات سے آگاہ کیا، جن سے وہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے دوچار

ہوئے تھے۔ یہ گویا مسلمانوں کے خلاف، اہلِ ہند کی پہلی فوجی چڑھائی یا پہلی دعوتِ جنگ تھی — حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا دورِ خلافت نہایت مختصر تھا۔ ان کے بعد مسلمان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں سمجھیے کہ پھر باقاعدہ — کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے پیمانے پر — جنگی معرکوں کا آغاز ہوگیا۔[1]

عہدِ حضرت عمر فاروق رضؓ

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ ان کے دور میں باشندگانِ ہند کو اسلام اور مسلمانوں سے باخبر ہونے کے متعدد مواقع پیش آئے اور ان بلاد میں توحید کی آواز گونجنا شروع ہوئی۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ فاروقی کے ابتدائی دور میں جزائرِ سراندیپ کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا اور ارکانِ وفد نے احکامِ اسلام اور خلیفۃ المسلمین کی سیرت و کردار سے متعلق معلومات حاصل کیے۔ اس موقع پر اہلِ عرب نے ان کا اس طریق سے خیر مقدم کیا اور اس درجہ احترام سے پیش آئے کہ عرب مسلمانوں کی محبت ان کے دلوں میں جاگزین ہوگئی۔ یہ درحقیقت وہ آدمی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کا واقعہ سن کر عازمِ عرب ہوئے تھے، لیکن جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو آنحضرت بھی اس دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے اور حضرت ابوبکر بھی سفرِ آخرت پر روانہ ہو چکے تھے۔ وفد کے ارکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور

---

[1] قاضی اطہر مبارک پوری۔ العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین۔ ص ۳۲، ۳۳ بحوالہ تاریخ طبری جلد ۲، ص ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۹۔ تاریخ الکامل ابن اثیر۔ ج ۳، ص ۱۳۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۹۸۔

ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے[2]

اس کے بعد ۱۶ھ میں جنگ فارس کے دوران میں اہلِ ہند کی اچھی خاصی تعداد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوئی۔ یہ وہ ہندی تھے، جو فارس میں مقیم تھے اور جنگ میں اہلِ فارس کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ پھر ان میں کچھ لوگوں کو قیدی کی حیثیت سے بصرہ لے جایا گیا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے بصرہ میں ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا۔ کہ اس سے اثر پذیر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے[3]

ہند پر عرب مسلمانوں کی طرف سے فوج کشی کا آغاز ۱۵ھ سے ہوا، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ عثمان بن ابو العاصیؓ نے اپنے بھائی حکم بن ابو العاصی کو ایک لشکر دے کر ہندوستان کی ایک بندرگاہ تھانہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بندرگاہ بمبئی کے قریب واقع تھی۔ لشکر واپس آیا تو عثمان نے اس حملے کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا:

یا اخا ثقیف! حملت دودا علیٰ عود، و انی احلف باللہ ان لو اصیبوا، لاخذت من قومک مثلہم[4]

اے ثقفی! تو نے چیونٹی کو لکڑی پر چڑھا دیا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اگر یہ فوجی مارے جاتے تو تجھ سے، تیری قوم میں سے اتنے ہی آدمی لے لیتا۔

ایک روایت کے مطابق عثمان بن ابو العاصی نے اپنے ایک بھائی حکم بن ابو العاصی کو تھانہ اور بھڑوچ کی طرف بھیجا اور دوسرے بھائی مغیرہ بن ابو العاصی کو

---

[2] بزرگ بن شہریار، عجائب الہند، ص ۱۵۷۔

[3] العقد الثمین صفحہ ۳۵، ۳۶۔ بحوالہ فتوح البلدان ص ۳۶۶، ۳۶۸

[4] فتوح البلدان ص ۴۲۰۔

فوج دے کر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ تینوں بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور عثمان خیار صحابہ میں سے تھے۔ یہ وہی عثمان بن ابوالعاصی ہیں، جن کو آنحضرتؐ نے طائف کا والی مقرر کیا تھا۔ فارس میں بھی انھوں نے جہاد کیا۔ علاوہ ازیں ان کی کوشش سے عساکر اسلامی نے ہندوستان کی طرف بھی رُخ کیا اور تھانہ، بھراتج اور دیبل پر حملے کیے جو اس زمانے میں بلادِ ہند کے تین اہم مقام تھے۔[۵]

چچ نامہ کی روایت کی رُو سے اس زمانے میں ہند کے ان علاقوں کا بادشاہ چچ بن سیلائج تھا، جو پینتیس سال سے حکومت کر رہا تھا اور اس کی طرف سے دیبل کا حکمران سامہ بن دیوائج تھا۔ دیبل ایک مشہور تجارتی شہر تھا جو سندھ کے موجودہ شہر ٹھٹھہ کے مقام پر واقع تھا۔ جب مسلمان اور غیر مسلم فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر میدانِ جنگ میں اتریں تو مغیرہ بن ابوالعاصی نے تلوار میان سے نکالی اور بسم اللہ فی سبیل اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

ربیع بن زیاد حارثی مذحجی رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ انھوں نے عہدِ فاروقی میں کرمان اور مکران کے علاقے میں جنگ لڑی۔ یہ علاقے اس زمانے میں حدودِ سندھ میں شامل تھے۔

عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ انھوں نے نواحی سندھ اور سجستان کے گرد و نواح کے علاقے فتح کیے۔

عبداللہ بن عمیر اشجعی رضؓ صحابی نے علاقہ سندھ کے بعض شہر زیر نگیں کیے اور شہادت پائی۔

بلوچستان پر بھی رسول اکرمؐ کے ایک صحابی نے پرچم اسلام لہرایا جن کا اسم گرامی سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری تھا۔[۶] ان کے علاوہ نسیر بن دسیم بن ثور

---

[۵] جمہرۃ انساب العرب۔ ابن حزم۔ طبع مصر، ص ۲۶۶۔

[۶] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج۴، ص ۱۸۰۔ الکامل ابن اثیر ج۳، ص ۱۵۔ العقد الثمین ص ۵۲۔

عجلی بھی جو مُخضرَم تھے، بلوچستان کی فتح میں شریک تھے۔ اس طرح عہدِ فاروقی میں بارہ صحابی جن کے نام آگے آئیں گے، ہندوستان تشریف لائے۔

عہدِ حضرت عثمان رضؓ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین مقرر کیا گیا۔ یہ ذی الحجہ ۳۵ تک بارہ دن کم بارہ سال منصبِ خلافت پر فائز رہے۔ ان کے دورِ خلافت میں فارس، خراسان، سجستان، افریقہ، سواحلِ شام، بحرِ روم اور بلادِ ہند میں سے مکران اور بلوچستان فتح ہوئے۔ انھوں نے امیر المومنین مقرر ہونے کے بعد احوالِ ہند سے متعلق واقفیت حاصل کی۔ پھر سندھ، مکران اور بلوچستان کی طرف عساکر اسلام روانہ کیے۔

اس ضمن میں بلاذری نے یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضؓ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو عبداللہ بن عامر بن کریز کو عراق کا والی مقرر کیا اور ان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا کہ کسی واقفِ حال شخص کو ہندوستان بھیجا جائے، اور وہ جو معلومات وہاں سے حاصل کر لائے۔ ان سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان بھیجا۔ وہ واپس آئے تو حضرت عثمان رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان رضؓ نے پوچھا کچھ معلومات لائے؟ عرض کیا۔ امیر المومنین! میں دیارِ ہند میں گھوم پھر کر مکمل معلومات لایا ہوں۔ فرمایا: کچھ بیان کرو۔ کہا:

ماءھا وشل، وثمرھا دقل، ولصھا بطل، ان قل الجیش فیھا ضاعوا وان کثروا جاعوا[۱]

(ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ پانی کم، پھل ردی، چور بے باک، لشکر کم ہو تو ضائع ہو

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھیے فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۲۱۔

جانے کا اندیشہ، زیادہ ہو تو بھوک سے مرجانے کا خطرہ۔

فرمایا۔ واقعہ بیان کر رہے ہو یا شاعری کر رہے ہو۔ کہا، واقعہ بیان کر رہا ہوں۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ سندھ کا کچھ علاقہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ امام ابو یوسف امام زہری کی روایت سے کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

ان افریقیة وخراسان وبعض السند افتتحت فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ[۵۸]

یعنی افریقہ، خراسان اور سندھ کے بعض حصے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوئے۔

۳۱ھ میں مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی نے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، خراسان و سجستان کی مہم کے دوران میں بلادِ قفص یعنی بلوچستان کے علاقوں پر حملہ کیا۔ پھر وہ مکران گئے اور دشمن کی بہت بڑی فوج سے معرکہ آرا ہوئے۔ اس اثنا میں اسلامی فوجیں خاصی مدت تک علاقہ بلوچستان میں مقیم رہیں جس سے اس علاقے کے غیر مسلم اور اہلِ عجم کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا[۵۹] کہتے ہیں، یہ پہلا موقع تھا کہ عرب فوجیں طویل مدت تک دیارِ ہند کے کسی علاقے میں قیام پذیر رہیں[۶۰]

۳۳ھ میں ایک اور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ نے ہند کے نواحی علاقوں پر حملے کیے اور کچھ کا علاقہ جو آج کل

---

۵۸ امام ابو یوسف۔ کتاب الخراج، ص ۲۱۶ (طبع ثانی۔ قاہرہ ۱۳۵۲ھ)

۵۹ فتوح البلدان بلاذری ص ۳۸۴۔

۶۰ العقد الثمین، ص ۸۴۔

بلوچستان میں شامل ہے، فتح کیا اسی اثنا میں وہ زرنج پہنچے اور زرنج اور کچھ کے نواح پر بزورِ شمشیر قبضہ کیا[11] انھوں نے سجستان، کابل اور ہند کے بعض علاقوں پر بھی فتح حاصل کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پانچ صحابی (رضی اللہ عنہم) واردِ ہند ہوئے۔

عہدِ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی اور ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو شہید ہوئے۔ ان کی مدتِ خلافت چار سال نو مہینے بنتی ہے۔ ان کے زمانے میں جیوشِ اسلامی بالائے مکران سے ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور قیقان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ فتح کیا۔ قیقان، گیگان کا معرب ہے، جس کو اب قلات کہا جاتا ہے اور پاکستان کا حصہ ہے۔ وہاں سے لشکرِ اسلامی نے ہند کی طرف حرکت کی اور فتوحات حاصل کیں۔ یہ ۳۸ھ کے آخر اور ۳۹ھ کے ابتدا کا واقعہ ہے۔

اس علاقے میں یہ جنگیں حارث بن مرہ عبدی کی کمان میں لڑی گئی تھیں۔ اہلِ قلات نے بیس ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن ناکام رہے اور مسلمانوں کے زبردست حملے کی تاب نہ لاکر پہاڑوں کی گھاٹیوں اور غاروں میں جا چھپے۔ بعد ازاں قلات کی منتشر فوج پھر جمع ہوئی اور مسلمانوں پر آمد و رفت کے راستے بند کر کے ان کو چاروں طرف سے پہاڑی علاقے میں محصور کرنے کی کوشش کی لیکن جب اسلامی فوج کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس زور سے ان پر حملہ کیا کہ اہلِ قلات خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

---

[11] فتوح البلدان ص ۳۸۶

وقطعوا الطریق علی المسلمین فلما رأتھم المسلمون کبروا اللہ حتیٰ سمع صوتھم جنوبا وشمالا فخاف منہ اھل القیقان وھربوا واسلم بعضھم۔[۲]

یعنی جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قلات کی فوجیں، ان کے راستے تنگ کر رہی ہیں تو انھوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ ان کی آواز جنوب اور شمال میں گونج اٹھی، جس سے ڈر کر اہلِ قلات بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ پہلا نعرۂ تکبیر تھا جو اس نواح میں بلند ہوا اور جس سے دشمن کے دل دہل گئے اور وادیٔ قلات کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ ان ہی ایام میں مسلمانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی اور وہ واپس مکران چلے گئے۔ عہدِ علی رضؓ میں تین صحابی داخلِ ہند ہوئے۔

عہدِ حضرت امیر معاویہ رضؓ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں بھی عرب مسلمانوں نے ہند کے کئی علاقوں پر حملے کیے اور ان کو زیرِ نگین کیا۔ مثلاً عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمی نے سندھ کے ایک شہر آرمائیل (یا ارمن بیلہ) پر فتح حاصل کی۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور سرزمین سندھ میں مکران اور دیبل کے درمیان واقع تھا۔ آج کل یہ شہر علاقہ قلات میں واقع ہے اور لس بیلہ کے قریب ہے۔ کہتے ہیں عمر بن عبید اللہ نے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اسی زمانے میں قلات کے ایک علاقے میں بھی جہاد کیا گیا اور اس طرف سے ہند کی سرحدوں پر بھی جھڑپیں ہوتیں۔

حضرت معاویہؓ ہی کے زمانے (۴۴ھ) میں مہلب بن ابو صفرہ نے ارضِ ہند میں بہت دور تک آگے بڑھ کر جنگ کی اور وہ لاہور اور بنوں کوہاٹ تک جا پہنچے۔ انھوں نے سندھ کے ایک شہر قندابیل میں بھی دشمن کو ہزیمت دی۔

---

[۲] العقد الثمین ص ۱۰۱

مہلب بن ابوصفرہ کی تگ و تاز کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے کابل اور ملتان کا تمام درمیانی علاقہ روند ڈالا۔ یہ مدرک تھے۔ یعنی وہ صحابی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا مگر آپؐ سے لقاء، یا آپ کی رویت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔

۵۳ھ میں عباد بن زیاد بن ابوسفیان سجستان کے والی تھے۔ انھوں نے اپنے زمانۂ ولایت میں قندھار اور کچھ کے علاقوں میں دُور تک اندر گھس کر دشمن کو شکست دی۔[۱۳]

عہدِ معاویہؓ میں سرزمینِ ہند کو چار صحابۂ رسولؐ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

عہدِ یزید بن معاویہ

یزید بن معاویہ کا زمانۂ حکومت ۶۰ھ سے لے کر ۶۴ھ تک یعنی تین سال کچھ مہینے ہے۔ اوراق تاریخ ناطق ہیں کہ اس زمانے میں بھی سرحداتِ سندھ و ہند پر مسلمانوں کی تگ و تازِ جہاد بدستور جاری رہی۔[۱۴]

یزید کے دورِ حکومت میں ایک صحابی ہندوستان تشریف لائے۔

تفصیل کا یہ محل نہیں۔ نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ برصغیر پاک و ہند وہ خطۂ ارض ہے جو پہلی صدی ہجری یعنی خیر القرون ہی میں مسلمانوں کے وجود اور ان کی طاقت سے آشنا ہو گیا تھا اور اسلام نے اپنی ردائے ضیا اس پر پھیلا دی تھی۔ اس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعت کے قدومِ میمنت لزوم سے بہرہ یاب ہوئی۔

پچیس صحابہ کرام واردِ ہند ہوئے

کتبِ تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱۳] العقد الثمین، ص ۱۲۰، ۱۲۱ [۱۴] ایضاً ص ۱۲۸ تا ۱۲۳۔

کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے۔ بارہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہد میں، پانچ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں، تین حضرت علیؓ کے دورِ امارت میں، چار حضرت معاویہؓ کے ایامِ حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہ کے زمانے میں۔ ان میں مخضرمین اور مدرکین بھی شامل ہیں۔

یہاں صحابی مخضرم اور مدرک کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیے۔ محدثین اور اصولیین کے نزدیک صحابی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا، آپؐ کی صحبت و رؤیت سے بہرہ ور ہوا اور بحالتِ اسلام وفات پائی۔

مُخَضرَم، وہ صاحبِ اسلام ہے، جس نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا اور دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی، لیکن کسی وجہ سے آنحضرتؐ کے فیضِ صحبت سے مستفیض نہ ہو سکا۔

مدرک، اس کو کہا جاتا ہے، جس نے حضورؐ کا زمانہ پایا ہو۔ اسلام اگرچہ آپؐ کی زندگی میں قبول کیا ہو یا بعد میں!

ذیل میں ان پچیس صحابہ کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جو ارضِ ہند میں تشریف لائے۔

عہدِ عمر فاروق رضؓ میں:

۱۔ حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفیؓ۔ خیار صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے بلادِ ہند میں تین جنگیں لڑیں۔

۲۔ حکم بن ابو العاصی ثقفیؓ۔ بندرگاہ تھانہ اور بہرائچ فتح کیے۔

۳۔ مغیرہ بن ابو العاصی ثقفیؓ۔ انھوں نے دیبل فتح کیا۔

۴۔ ربیع بن زیاد حارثی مدحجیؓ۔ کرمان اور مکران کے علاقوں میں جہاد کیا۔

۵۔ حکم بن عمرو بن مجدع ثعلبی غفاریؓ۔ فاتح مکران۔

۶۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاریؓ۔ فتح مکران میں شامل ہوئے۔

۷۔ سہل بن عدی بن مالک، خزرجی انصاریؓ۔ جنگِ مکران میں شرکت کی۔

۸۔ شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی بابازنیؓ۔ یہ مدرک ہیں، فتح مکران میں شامل ہوئے۔

۹۔ صحار بن عباس عبدیؓ۔ جنگِ مکران میں شمولیت کی۔

۱۰۔ عاصم بن عمرو تمیمیؓ۔ نواحی سندھ اور سجستان کے ارد گرد کے علاقے فتح کیے۔

۱۱۔ عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ۔ بعض بلادِ سندھ فتح کیے۔

۱۲۔ نسیر بن دیسم بن ثور عجلیؓ۔ مخضرم تھے۔ بلوچستان کا کچھ حصہ فتح کیا۔

عہدِ عثمان رضی اللہ عنہ میں:

۱۳۔ حکیم بن جبلہ عبدیؓ۔ یہ مدرک ہیں اور بلادِ ہند کے پہلے مسلم سیاح اور یہاں کے حالات کے عالم۔

۱۴۔ عبیداللہ بن معمر بن عثمان قرشی تمیمیؓ۔ فاتح مکران اور اس کے امیر۔

۱۵۔ عمیر بن عثمان بن سعدؓ۔ امیر مکران۔

۱۶۔ مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمیؓ۔ فاتح بلوچستان۔

۱۷۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب قرشی عبشمیؓ۔ سجستان اور کابل فتح کیے اور نواحی ہند کے کچھ علاقوں پر قبضہ کیا۔

عہدِ علی رضی اللہ عنہ میں:

۱۸۔ خریت بن راشد ناجی سامیؓ۔ واردِ مکران ہوئے۔

۱۹۔ عبداللہ بن سوید تمیمی شقریؓ۔ مخضرم تھے، غزوۂ سندھ میں شامل ہوئے۔

۲۰۔ کلیب بن ابو وائلؓ۔ صحابی یا تابعی تھے، ہندوستان آئے کہتے ہیں، انھوں نے وہاں ایک درخت دیکھا جس کے ایک سرخ رنگ کے پھول پر سفید حروف میں محمد رسول اللہ کے الفاظ مرقوم تھے۔

عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں :

۲۱ - مہلب بن ابو صفرہ ازدی عتکی رضؒ - یہ مدرک تھے ۔ انھوں نے بنوں، لاہور اور سندھ کے ایک شہر بدھہ تک تگ و تاز کی ۔

۲۲ - عبداللہ بن سوار بن ہمام عبدیؒ - مدرک تھے ، بعض غزواتِ ہند میں شریک ہوئے اور شہادت پائی ۔

۲۳ - یاسر بن سوار عبدیؒ - مدرک یہاں کے ایک پہاڑی مقام قلات کی جنگ میں شامل ہوئے ۔

۲۴ - سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی رضؓ - صحابی تھے ۔ ایک مرتبہ ہند کے مفتوحہ علاقوں کے والی مقرر ہوئے ۔

عہدِ یزید بن معاویہ میں :

۲۵ - منذر بن جارود عبدیؒ - بوقان ، اور قلات وغیرہ علاقوں کی جنگوں میں شریک ہوئے اور وہیں وفات پائی ۔

ہند میں اسلام دو راستوں سے آیا

بہرحال تاریخ و رجال کی کتابوں سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ ہندوستان اگرچہ بعض ملکوں کی نسبت ملکِ عرب سے بہت دُور تھا ، تاہم اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی تشریف لائے ، تابعی بھی آئے ، تبع تابعین نے بھی یہاں قدم رنجہ فرمایا اور محدثین و فقہا نے بھی اپنے وجودِ مسعود سے اس کو رونق بخشی ۔ ان دیار میں اسلام ، دو راستوں سے داخل ہوا ۔ ایک سندھ کی طرف سے ، دوسرے شمال مغربی سرحد کی جانب سے ۔ جیسا کہ مختصر طور سے گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے ۔ ان دونوں راستوں سے ابتدائی دور ہی میں اسلام یہاں آگیا تھا اور قرنِ اول کے مسلمانوں نے جنگ و جہاد کی طرح ڈال دی تھی تاکہ اہلِ ہند ان پاکیزہ اخلاق و کردار ، اعلیٰ تہذیب و ثقافت اور تعلیم و شائستگی کی ان بلند ترین اقدار سے بہرہ یاب ہو سکیں ، جن کو اسلام میں بنیاد

اور اساس کی حیثیت حاصل ہے لیکن پوری قوت کے ساتھ اور عظیم فاتح کی حیثیت سے سندھ کی طرف سے تو مسلمان اموی حکمران ولید بن عبدالملک کے عہد میں ۹۳ھ میں داخلِ ہند ہوئے، جبکہ محمد بن قاسم نے سندھ کا سارا علاقہ اپنے قبضے میں کرلیا اور ملتان تک آگے بڑھ گئے اور شمال مغربی سرحد کی جانب سے سلطان محمود غزنوی نے داخلِ ہند ہو کر غیر اسلامی طاقتوں کو زیر اور پرچمِ کفر کو سرنگوں کیا اور اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ ہموار کی۔

محمود غزنوی کا عہد

سلطان محمود غزنوی کے عہدِ حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور اس کے گرد و نواح میں مستحکم ہوگئیں اور غزنی سے سیاسی روابط کے ساتھ ساتھ علمی روابط بھی استوار ہوئے۔ علم چونکہ جغرافیائی سرحدوں کا قائل نہیں ہوتا، اس لیے غزنی اور اس کے نواح سے علما و فقہا کو بھی ہند میں آنے کا موقع ملا۔ محمود غزنوی جہاں بہت بڑا فاتح اور کشور کشا تھا وہاں وہ نامور فقیہ اور عالم بھی تھا، اس لیے علم و علما سے اس کو بہت تعلقِ خاطر تھا۔ اس کے بارے ضروری تفصیلات کتاب کے آئندہ اوراق میں ملاحظہ کیجیے۔

غوری سلطنت

غزنویوں کی یمینی سلطنت کے خاتمے کے بعد، غوری برسرِ اقتدار آئے جنھوں نے ہندوستان پر باقاعدہ حکومت کی۔ غوری خاندان میں سلطان غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری بڑے بہادر اور مدبّر حکمران گزرے ہیں اور ان کو برِ صغیر پاک و ہند کے عظیم مسلمان فاتحین میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ غیاث الدین غوری بڑا تھا اور شہاب الدین چھوٹا! اس زمانے میں غور کے مسلمانوں کی اکثریت فرقہ کرامیہ[۵] سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ دونوں بھائی بھی

---

۵ فرقہ کرامیہ کے بانی کا نام ابو عبداللہ محمد بن کرام تھا۔ یہ شخص ۲۵۵ھ کو فوت ہوا۔

اسی فرقے سے منسلک تھے لیکن سلطان شہاب الدین غوری تختِ غزنی پہ متمکن ہوا تو اس نے حنفی مذہب اختیار کر لیا کیوں کہ شہر غزنی اور اس نواح کے باشندے حنفی المسلک تھے۔ قاضی منہاج سراج لکھتے ہیں :

وما قل حال (آں ہر دو برادر) نور اللہ مرقدہما، بر طریقِ مذہب کرامیاں بودند بحکم اسلاف و بلادِ خود۔ اما چوں سلطان معز الدین بر تختِ غزنین نشست و اہلِ آں شہر و مملکت بر مذہبِ امام ابو حنیفہ کوفی بودند، رضی اللہ عنہ۔ سلطان معز الدین بر موافقتِ ایشاں مذہبِ امام ابو حنیفہ قبول کرد۔[۱۶]

یعنی ابتدا میں دونوں بھائی (اللہ ان کی قبروں کو منور کرے) اپنے اسلاف اور اس علاقے کے رہنے والوں کی طرح مذہب کرامیہ کے حامل تھے لیکن جب سلطان شہاب الدین معز الدین غزنی کے تخت پر بیٹھا اور دیکھا کہ باشندگانِ غزنی اور ملک کے دوسرے حصوں میں بسنے والے لوگ امام ابو حنیفہ رح کے مذہب کے پابند ہیں تو اس نے بھی ان کی موافقت میں مذہب امام ابو حنیفہ اختیار کر لیا۔

رہا سلطان غیاث الدین غوری کا معاملہ، تو اس کے بارے میں قاضی منہاج سراج رقم طراز ہیں کہ اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے مسلکِ شافعیت قبول کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اور قاضی (سعید) وحید الدین محمد مروزی، امام شافعی کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسرے دن قاضی موصوف کو وعظ و تذکیر کے لیے بلایا تو اس نے وہی خواب بیان کیا جو گزشتہ شب سلطان

اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے۔ اس میں عمل بالجوارح اور یقین بالقلب کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ بھی انسانوں کی طرح اپنا جسم رکھتا ہے اور عرش کے اوپر اس کی ایک مخصوص جگہ ہے۔ کہتے ہیں فرقہ کرامیہ قول و عمل میں بدعت اور اسلام کی ایک درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتا تھا۔ منقول ہے کہ ہزاروں غیر مسلم محمد بن کرام کے اس فرقے میں شامل ہو گئے تھے۔

۱۶ طبقاتِ ناصری ج ۱، طبقہ ۱۷، ص ۳۶۲

سلطان نے دیکھا تھا۔ سلطان بہت متأثر اور متعجب ہوا۔ اور اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ قاضی منہاج لکھتے ہیں :۔

اما سلطان غیاث الدین طاب ثراہ، شبے در خواب دید کہ او با قاضی (سعید) وحید الدین مروزی[۱۷] رحمہ اللہ کہ بر مذہبِ اصحابِ حدیث بود و مقتدائے شفعویان، در یک مسجد بودندے۔ ناگاہ امام شافعی رحمہ اللہ در آمدے، در محراب رفتے و تحریمۂ نماز پیوستے۔ و سلطان غیاث الدین و قاضی وحید الدین ہر دو با امام شافعی اقتدا کردندے۔ چوں از خواب در آمد، سلطان فرمان داد، تا بامداد قاضی وحید الدین در بارگاہ، تذکیر فرمودند، چوں بر بالائے کرسی رفت، در اثنائے سخن گفت کہ اے پادشاہِ اسلام! ایں داعی دوش خوابے دیدہ است، و عین خوابیکہ سلطان دیدہ بود، باز گفت، او ہم مثل آں دیدہ بود کہ سلطان چنانچہ از کرسی فرود آمد، بہ بالا رفت و بخدمت سلطان، در حال سلطان دست مبارک قاضی وحید الدین بگرفت و مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ قبول کرد۔ چوں نقل سلطان بمذہب اصحابِ حدیث شافعی شد بر دل علمائے مذہبِ محمد بن کرام حمل آمد[۱۸]

یعنی سلطان غیاث الدین غوری نے (اللہ اس کا بہتر ٹھکانہ کرے) ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ قاضی سعید وحید الدین مروزی رحمہ اللہ کے ساتھ جو کہ اصحاب الحدیث میں سے تھے اور شافعیوں کے مقتدیٰ تھے، ایک مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اچانک امام شافعی رحمہ اللہ تشریف لائے، محراب میں گئے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں کھڑے ہو گئے۔ سلطان غیاث الدین اور قاضی وحید الدین دونوں نے امام شافعی کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ جب سلطان نیند سے بیدار ہوا تو اس نے دربار میں وعظ و نصیحت کے لیے قاضی وحید الدین کو طلب کیا۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھے تو اثنائے گفتگو میں فرمایا، اے پادشاہِ اسلام! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ بعد ازاں بعینہٖ وہی

---

[۱۷] یہ شافعی فقیہ تھے۔ ماہ رجب ۵۹۹ھ میں ہرات میں فوت ہوئے۔

[۱۸] طبقاتِ ناصری ج ۱، طبقہ ۱۷۔ ص ۳۶۲

خواب بیان کر دیا جو سلطان نے دیکھا تھا۔ سلطان نے کہا۔ اس نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے۔ پھر سلطان نے قاضی وحیدالدین علیہ الرحمہ کا دست مبارک پکڑا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مسلک قبول کر لیا۔ جب سلطان مذہب اصحاب الحدیث اختیار کر کے مسلک امام شافعی سے وابستہ ہو گیا تو محمد بن کرام کے مذہب کے حامی علما کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔

یہ واقعہ ابن اثیر نے بھی اپنی تاریخ الکامل میں ۵۹۵ھ کے حوادث کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ابن اثیر کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔ اسی سال (یعنی ۵۹۵ھ میں) غیاث الدین غوری حاکم غزنہ اور بعض باشندگانِ خراسان نے مذہب کرامیہ ترک کر کے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ غیاث الدین غوری کے مصاحبوں میں ایک شخص فخر مبارک شاہ بھی تھا۔ وہ شخص شیخ وحیدالدین ابوالفتح محمد بن محمود مروزی کو، جو ایک شافعی فقیہ تھے، سلطان غیاث الدین غوری کے پاس لے گیا۔ انھوں نے سلطان کے سامنے مذہب شافعی کی خوبیاں بیان کیں اور مذہب کرامیہ کے نقائص کی نشان دہی کی۔ اس سے متاثر ہو کر سلطان نے مذہبِ شافعی اختیار کر لیا اور پھر شوافع کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ کے لیے کئی مدرسے قائم کیے۔

۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں غوری سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ تاریخ میں ان سلاطین کو معزّی سلاطین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، سلاطینِ شنسبانیہ بھی کہا جاتا ہے اور ملوکِ غور سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

قطب الدین ایبک

اب ہندوستان کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔ اس سرزمین پر غلاموں کی حکومت کا آغاز ہوتا ہے اور دہلی کے اورنگ سلطنت پر ایک ترک غلام متمکن ہوتا ہے جس کو سلطان قطب الدین ایبک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ نسلی اعتبار سے ترکستان کا باشندہ تھا۔ ابھی عالم طفولیت ہی میں تھا کہ ایک سوداگر نے اس کو ترکستان سے خریدا اور نیشاپور لے گیا۔ یہاں اس نے

اس کو قاضی فخرالدین عبدالعزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا جو کئی خوبیوں کے مالک تھے۔ ایک تو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ دوسرے نیشاپور اور اس کے مضافات کے حاکم تھے۔ تیسری بڑی خوبی ان میں یہ تھی کہ نہایت نیک اور متقی تھے۔ چوتھی بات یہ کہ عالم و فاضل اور پیکرِ اخلاص تھے۔ ان خوبیوں کی بنا پر اپنے عہد کے امام ابوحنیفہ سمجھے جاتے تھے۔ قطب الدین کی انھوں نے اپنے بچوں کی طرح پرورش کی، قرآن مجید کی تعلیم دی اور دیگر شرعی علوم سے آراستہ کیا۔ ان کے فیضِ صحبت اور اندازِ تعلیم سے قرآن مجید کی محبت اس کے اندر اس درجہ جاگزین ہوگئی کہ وہ اپنا زیادہ وقت قرآن کی تلاوت میں صرف کرتا جس کی وجہ سے لوگوں میں "قرآن خوان" کے نام سے مشہور ہوگیا۔ پھر اس کی برکت سے اللہ نے اس کو دولت و اقبال کی نعمتِ بے بہا عطا فرمائی۔

قرآن در خانۂ آں امام آموخت و از برکتِ نظر او قرآن خوان شد و بدیں نام معروف گشت ..... و بسبب برکت قرآن خواندن، اقبال و دولت دوستکامی روے بدو آورد۔[1]

قاضی فخرالدین کی وفات کے بعد ان کے لڑکے نے قطب الدین کو ایک تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا، جس نے اس کو سلطان معزالدین سام المعروف شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے اس کو خرید لیا۔ اس کی شکل و صورت زیادہ اچھی نہ تھی اور چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے لوگ اس کو "ایبک شل" کہتے تھے۔ یعنی ٹوٹی انگلی۔ آگے چل کر یہ ایبک شل کے بجائے ایبک کے نام سے مشہور ہوگیا اور یہ لفظ مستقل طور پر اس کے نام کا جزء بن گیا۔

اب اس کی زندگی ایک نئے موڑ میں داخل ہوئی اور اس کے محاسن و اوصاف

---

[1] تاریخ فخرالدین مبارک شاہ، ص ۲۱

نمایاں ہونے لگے۔ شہاب الدین غوری اور اس کے ندیم و مصاحب بھی اس کی خوبیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ سلطان کے ذہن و فکر پر اس کی جس خوبی نے سب سے پہلے اثر ڈالا، وہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس نے دربار میں بزمِ نشاط کا اہتمام کیا اور عالمِ مسرت میں، تمام غلاموں کو سونے اور چاندی کے سکّوں کی صورت میں انعامات عطا کیے۔ قطب الدین کو سب غلاموں سے زیادہ مستحقِ انعام گردانا۔ لیکن جب یہ محفل ختم ہوئی اور قطب الدین باہر آیا تو اس نے اپنا یہ سارا انعام، ان غلاموں میں تقسیم کر دیا، جو اس سے زیادہ ادنیٰ درجے کے تھے۔ دوسرے روز سلطان کو اس سخاوت کا علم ہوا تو وہ اس کی فیاضی اور ذہنی بلندی سے بہت خوش ہوا اور اس کو اپنے خاص امرا کے زمرہ میں داخل کر لیا، اور اپنے تخت کے عین سامنے اس کے لیے جگہ مخصوص کی

وہ یگر روز این معنیٰ بسمع اعلیٰ رسانیدند او را بنظر عنایت و قربتِ خود مخصوص گردانیدند و بہ اشغال خطیر، پیشِ تخت و بارگاہ او را نصب فرمود[۱۰]

ایک مرتبہ قطب الدین اپنے لشکر کے گھوڑوں اور مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کر رہا تھا کہ غنیم کی فوج نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ قطب الدین نے دشمن کا بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن اس کے فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ انھوں نے اس کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے قید کر دیا۔ جب اسی حالت میں قطب الدین کا آہنی پنجرہ ایک اونٹ پر لدا ہوا سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے اس کا پنجرہ کھولا اور اس کو باہر نکالا۔ پھر طوق آہنی کے بجائے، موتیوں کے ہار اس کے گلے میں پہنائے[۱۱]

۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں سلطان شہاب الدین غوری، اجمیر فتح کر کے اور دہلی کے

---

[۱۰] طبقاتِ ناصری ۱ ، ص ۴۱۶ ، طبقہ ۲۰

[۱۱] طبقاتِ ناصری ج ۱ ، ۴۱۶ ، ۴۱۷ ۔ نیز دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱ ، ص ۶۱

راجہ کو اپنا باج گزار بنا کر غزنی واپس جانے لگا تو قطب الدین کو کہرام اور سامانہ کا حاکم اور ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔

غرض قطب الدین کا ستارۂ اقبال روز بروز تیزی کے ساتھ عروج کو پہنچتا گیا اور اس نے بہت تھوڑے عرصے میں گجرات، راجپوتانہ، گنگا وجمنا کے دوآب، بہار اور بنگال پر اپنی فتح ونصرت کے پرچم لہرا دیے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو غلاموں ہی میں شمار کرتا رہا۔

اس کے بعد تاریخ نے ایک اور کروٹ بدلی۔ سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد، جب اس کا بھتیجا سلطان محمود بن غیاث الدین غوری اس کی جگہ تختِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے قطب الدین کی اپنے چچا سے بھی زیادہ عزت افزائی کی۔ اس نے سوموار کے دن، ۱۸ ذی القعدہ ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) کو اسے سلطان کا خطاب دیا، چتر اور بادشاہی عطا کی اور ساتھ ہی اس کی آزادی کا فرمان جاری کیا۔ سلطان قطب الدین اس وقت دہلی میں تھا۔ وہ خلعت اور فرمانِ آزادی و حکمِ سلطانی وصول کرنے کے لیے دہلی سے لاہور آیا اور پھر لاہور ہی میں یہ ترک غلام ہندوستان کے تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔ لاہور اس زمانے میں مستقرِ اربابِ حکومت، مامنِ اصحابِ فضل وکمال، مسکن عباد و زہاد، منشائے صوفیا و اتقیا، منبع اقطاب و اوتاد تھا۔ اس سلسلے میں تاج المآثر کے الفاظ قابلِ مطالعہ ہیں:

وخطۂ لوہور کہ مستقر سریر سلاطین ومطلع خورشید ارباب یقین، ومنشأ اصحابِ فضل وتقویٰ ومامنِ زہاد وعباد ومسکنِ اقطاب و اوتاد گشتہ است، دارالملک دولت شد۔[۲۲]

قطب الدین ایک خود بھی عالم تھا اور علم وعلما کا بھی انتہائی قدردان تھا اور ان کا بڑا احترام واکرام کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو قول وعمل کے ذریعے خاص

---

[۲۲] تاج المآثر۔

اسلامی اور شرعی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ غیر شرعی خراج ختم کیے اور شریعت کے مطابق عشر کی وصولی کا حکم جاری کیا۔ بدعات و رسوم کی شدید مخالفت کی اور پیروی سنت کے احکام نافذ کیے اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ تمام غیر شرعی چیزیں ترک کر دیں۔

شعار شرائع اسلام بہ غایت ظہور انجامید و مناہج و شعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست و آفتاب سعادت از افق تائید بر دیار ممالک نور انداخت و ماہ جلالت از سپہر کامگاری بر عرصہ ممالک سایہ افگند و روضۂ دین بہ عقل زرین نضارت از سر گرفت و بیضۂ اسلام برائے متین آرائش بے نہایت یافت۔[۲۳]

تاج المآثر میں مزید لکھا گیا ہے:

"توقیر و احترام علمائے دین کہ ورثۂ انبیا و خزنۂ علوم شریعت و حقیقت اند و بہ شرف قربت و مزیت درجۂ اختصاص یافتہ، واجب و متعین دانست و اعزاز و اکرام ایشاں بہ وفق کتاب و سنت مقدمۂ بختیاری و عمدۂ جہاں داری شناخت۔"[۲۴]

قطب الدین ایبک باقاعدہ علما و فقہا اور قرا و مشائخ کو مشاہرے اور روزینے عطا کرتا، اور ان کی خدمت کے لیے کوشاں رہتا۔ فقہا و علما کے جو وظائف و مشاہرات پہلے سے مقرر تھے ان کو برقرار رکھنے کا حکم جاری کیا۔

ادرارات و مشاہرات کہ مستحقان از اہل علم و فقہ و قرأت و زہد و مصلحان داشتند آں ہم برحال داشتن فرمود و مبلغ خطیر از زر و غلہ از خاص خویش بفرمود بنام مستحقان تا ادرار کنند و مبلغے دیگر از زر مستحقان و درویشان و بیوگان و یتیمان صدقہ فرمود۔[۲۵]

۲۳ـ تاج المآثر۔ ۲۴ـ ایضاً۔

۲۵ـ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، ص ۳۵۔

یعنی مشاہرہ و روزینہ کے طور پر علما و فقہا و قراء و زہاد و مصلحین میں سے جن حضرات کو جو کچھ پیش کیا جاتا تھا، اس کو بدستور جاری رکھنے کا حکم صادر کیا، اور سونے اور غلے میں سے بہت بڑی مقدار میں خود اپنے پاس سے عطا کیا، تاکہ مستحقین میں اس کو بانٹ دیا جائے۔ علاوہ ازیں سونے اور نقدی سکے کی صورت میں خود بھی درویشوں، حق داروں، بیواؤں اور یتیموں میں بطور صدقہ کے تقسیم کیا۔

اس کے عہد میں علما و فقہا کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور وہ اس کے نزدیک بہت قدر و منزلت رکھتے تھے۔ اس کے دور کے فقہائے کرام کے جو حالات ہمیں مل سکے ہیں، وہ اس کتاب میں معزز قارئین کے مطالعہ میں آئیں گے۔ قطب الدین ایبک نے ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) کو لاہور میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ فتح دہلی سے تادم مرگ اس نے بلادِ ہند پر بیس برس سے کچھ مہینے زائد حکومت کی[۲۶]

ناصرالدین قباچہ

سلطان قطب الدین ایبک کی ایک لڑکی کی شادی ناصرالدین قباچہ سے ہوئی تھی اور ایک کی شمس الدین التمش سے۔ قطب الدین ایبک نے اپنے ان دو دامادوں کو ہندوستان کی دو علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کا حکمران بنا دیا تھا۔ قباچہ کا دار السلطنت اوچ تھا اور التمش کا دہلی۔ قباچہ کی سلطنت ملتان سے دیبل تک کے علاقے پر محیط تھی۔ اس کے علاوہ سیوستان، بٹھنڈہ (جو اس زمانے میں تبر ہندہ کے نام سے معروف تھا) کہرام اور سرستی وغیرہ بھی اس میں شامل تھے۔ وہ یوں تو ۶۰۳ھ (۱۲۰۶ء) سے ان علاقوں کا والی چلا آ رہا تھا لیکن قطب الدین کی وفات کے بعد ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) سے تو وہ اس کا مستقل حاکم بن گیا تھا۔ اس نے بائیس سال تک اس وسیع و عریض علاقے پر اپنا پرچم اقتدار لہرائے رکھا۔ ملتان اس دور میں ایک عظیم علمی اور مذہبی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ صوفیا و مشائخ اور علماء و

---

[۲۶] تاریخ فرشتہ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴

فقہا کی کثیر تعداد ملتان اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھی۔ اس دور کے ملتان کو کتبِ تاریخ میں "قبۃ الاسلام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس وقت برصغیر پاک و ہند کا یہ شہر عظیم و فحول علما کا گہوارہ تھا۔

دریں ایام ملتان، قبۃ الاسلام بود، فحول علما آں حاضر بودند[۲۷]

ناصر الدین قباچہ کا دورِ حکومت خاصا طویل ہے۔ وہ غزنی، غور اور دہلی کے علمی مراکز اور وہاں کی ثقافتی روایات کو دیکھ چکا تھا۔ پھر شمس الدین ایلتتمش کا حریف بھی تھا، اس لیے علمی و مذہبی اور ثقافتی و تہذیبی اعتبار سے وہ ملتان کو دہلی سے آگے لے جانے کا خواہاں تھا، اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ وہ اگرچہ دینداری اور رنگی میں اپنے حریف سلطان شمس الدین ایلتتمش سے بہت پیچھے تھا، تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس کے عہدِ حکومت میں ٹھٹھ، ملتان اوچ اور دوسرے علاقوں میں علما و فقہا کی بڑی تعداد فروکش تھی اور ان کا تذکرہ ہماری اس کتاب میں موجود ہے۔ ان تینوں شہروں میں متعدد دینی مدارس بھی قائم تھے۔ چنانچہ اوچ کے مدرسہ کا نام مدرسہ معزّی تھا، جس کا اہتمام و انصرام قباچہ کی طرف سے مولانا منہاج الدین جوزجانی کے سپرد تھا۔ قباچہ کی خدمتِ علم کی ایک مثال یہ ہے کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ناصر الدین قباچہ نے ان کے افاداتِ علمیہ کو عام کرنے کی غرض سے، خاص طور پر ان کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں وہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

چوں مولانا قطب الدین کاشانی، از ماوراء النہر بہ ملتان رسیدہ، شاہ ناصر الدین قباچہ والیٔ ملتان، سرائے یا مدرسہ برائے او بنا نمود و مولانا کہ علامۂ روزگار بودند با مدادِ دراں مدرسہ نماز گزارد و تدریس گفتن بہ پرداخت[۲۸]

---

[۲۷] سیر الاولیا، ص ۶۰۔ [۲۸] تاریخ فرشتہ ج ۱۔ حالات قباچہ۔

ناصرالدین قباچہ نے بلادِ سندھ و ملتان پر بائیس برس تک حکومت کی اور ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) میں دریا میں غرق ہو کر راہیِ ملکِ عدم ہوا۔

سلطان شمس الدین ایلتتمش

سلاطینِ ہند میں، سلطان شمس الدین ایلتتمش[۲۹] متعدد امور میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ وہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں تختِ دہلی پر متمکن ہوا اور ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) تک پورے پچیس سال شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ پورا ملک اس کی شجاعت اور تہور سے مرعوب تھا۔ سرحدِ مالوہ سے لے کر سندھ کے وسیع میدانوں تک اس کی فرماں روائی کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ امیر خسرو نے صحیح کہا ہے:

زحدِ مالوہ تا عرصۂ سند   نمودار غزائی اوست در ہند

بہادری، سیاسی شعور، بیدار مغزی، ملکی نظم و نسق کے استحکام، فوجی مہارت ذاتی کردار، غریب پروری، بلندیِ فکر، محبتِ الٰہی، ذوقِ عبادت، اتباعِ سنت، علما سے تعلق، فقہا سے روابط و علائق اور صوفیا و مشائخ سے گرویدگی میں عدیم المثال تھا۔ اس وقت ہمارا دائرہ گفتگو، چونکہ محدود ہے، اس لیے یہاں ہم مختصر الفاظ میں اس کی زندگی کے صرف ان ہی پہلوؤں سے تعرض کریں گے، جن کا تعلق، اس کی ذاتی نیکی اور علم و علما کے ساتھ گہرے مراسم و انسلاک سے ہے۔

شمس الدین دنیوی اعتبار سے ترکستان کے البری قبیلے کے ایک اونچے خاندان کا فرزند تھا۔ اس کے باپ کا نام ایلم خاں تھا، جو خاندانی وجاہت اور مال و دولت میں بہت مشہور تھا۔ بقول فرشتہ:

۲۹۔ "ایلتتمش" ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "حکومت کرنے والا" یا "عالم گیر" کے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایلتتمش اس کا خاندانی نام تھا یا اس کے نام کا جز تھا، یا تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے یہ لقب اختیار کیا۔

سلطان شمس الدین ایلتتمش از بزرگ زادگان ترکان قراخطائی است۔ و پدر او کہ از قبیلۂ البری ست و بایلم خاں اشتہار داشت بکثرت خیل و حشم و تبع معروف و مشہور عصر بود۔[۳۰]

ایلتتمش ایک خوب صورت لڑکا تھا اور ساتھ ہی بڑا عقل مند اور فہیم بھی تھا۔ اسی بنا پر اس کا باپ ایلم خاں، اس سے بہت محبت رکھتا تھا، جو اس کے دوسرے بھائیوں کے لیے حسد و رقابت کا باعث بنی اور انھوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو برادران یوسف نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا تھا۔ وہ ایک روز ایلتتمش کو گلہ بانی اور شکار کے بہانے جنگل میں لے گئے اور بخارا کے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر اس کو بخارا لے گیا اور اس سے شہر کے صدر جہاں کے ایک عزیز نے خرید لیا۔ یہ لوگ دین داری اور مذہبیت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ انھوں نے اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی اور اس نے بھی ان کی خدمت میں کامل وفاداری کا ثبوت بہم پہنچایا۔

اس زمانے میں ایلتتمش کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آگے چل کر اس کی زندگی کا رخ بالکل بدل دیا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز اس کے مالک نے اس کو بازار سے انگور خریدنے کے لیے بھیجا اور اس کے لیے کچھ پیسے بھی دیے۔ مگر اس سے وہ پیسے کہیں گر پڑے اور وہ شدت تاثر سے بازار میں کھڑا ہو کر رونے لگا۔ اتنے میں ایک فقیر ادھر سے گزرا، اس کو حقیقت حال کا علم ہوا تو اس نے اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا اور اپنے پاس سے انگور خرید کر دیے اور کہا۔ دیکھو جب تم کو ملک اور دولت حاصل ہو جائے تو فقیروں اور درویشوں کا خیال رکھنا، ان سے تعظیم کے ساتھ پیش آنا اور ان کے حقوق کا تحفظ کرنا۔ ایلتتمش نے فقیر کی بات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے گھر آ گیا۔ بظاہر یہ ایک معمولی

---

[۳۰] تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ۶۴

واقعہ تھا لیکن اس نے اس کی آئندہ زندگی پر گہرا اثر ڈالا تمام عمر اس کو علما و مشائخ سے عقیدت رہی۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے دربار میں بھی یہ واقعہ بیان کیا اور کہا۔

"ہر دولت و سلطنت کہ یافتم، از نظرِ آں درویش یافتم رحمہم اللہ"[۳۱]

کہ مجھے جو کچھ دولت و حکومت ملی ہے، وہ اسی درویش کی دعا اور نظر کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد انقلاب کی ایک اور لہر اٹھی اور اب ایلتتمش کو بخارا کے ایک اور سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور پھر اسی پر بس نہیں ہوئی بلکہ تقدیر نے اس کو اس سے بھی جدا کر دیا اور وہ ایک دوسرے شخص حاجی جمال الدین چست قبا کے قبضے میں چلا گیا۔ حاجی جمال الدین اس کو بغداد لے گیا۔ بغداد ان دنوں علما و مشائخ کا گہوارہ تھا اور وہ وہاں اپنی صغر سنی کے باوجود ان بزرگانِ دین کی مجلسوں میں باقاعدہ حاضر ہوتا اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتا رہا۔ ایک روز اس کے مالک کے مکان میں اس دور کے عظیم بزرگوں میں سے خواجہ معین الدین چشتی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور مولانا عماد الدین تشریف فرما تھے۔ خواجہ معین الدین نے اس لڑکے کو دیکھا تو فرمایا:

ایں کودک پادشاہِ دہلی خواہد شد، و حق او را از جہان نبرد تا بپادشاہی نرساند[۳۲]

شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں:

او خدمت شیخ شہاب الدین سہروردی و شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہم دریافتہ بود و یکے ازیشاں گفتہ بود کہ تو پادشاہ خواہی شد[۳۳]

کہ ایلتتمش، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہم کی مجلس میں حاضر

---

[۳۱] طبقاتِ ناصری ج ۱، ص ۴۲۲ - طبقہ ۲۱

[۳۲] فوائد السالکین، ص ۱۶ - مطبع مجتبائی دہلی

[۳۳] فوائد الفواد، ص ۲۱۲ - مطبوعہ نول کشور - لکھنؤ

ہوتا تھا اور ان میں سے ایک نے اس کو (مخاطب کر کے) فرمایا تھا کہ تو دہلی کا بادشاہ ہوگا۔

کچھ عرصہ بعد رفتارِ زمانہ نے ایک اور کروٹ لی اور حاجی جمال الدین چشت قبا نے دہلی جا کر اس کو بادشاہِ ہند سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب اس کے سامنے اللہ نے ترقی کے دروازے کھول دیئے اور وہ مختلف منازلِ تقدم طے کرتا ہوا، ہندوستان کا حکمران بن گیا اور دہلی کے تختِ حکومت پر متمکن ہو گیا۔ یہ ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا، جو بزرگانِ دین کا از حد معتقد۔ پارسا، نہایت نیک اور شریعت کا پابند تھا۔ اس کے زمانے میں کئی بزرگ بغداد اور بخارا وغیرہ سے مستقل طور پہ ہندوستان تشریف لے آئے تھے۔ بزرگانِ دین نے اپنے ملفوظات میں اس کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کے زمانے کے وہ علما و فقہا جو دیارِ ہند میں سکونت پذیر تھے، ان کا تذکرہ اس کتاب میں معزز قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ جس سے یہ معلوم ہوگا کہ سلطان شمس الدین التمش کس درجہ متدین اور علما و مشائخ کا عقیدت مند تھا۔ وہ باقاعدہ علما کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کی ہدایات کا منتظر رہتا۔ ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اس کو ان الفاظ میں ہدایت کی :

اے والیٔ دہلی۔ ! باید کہ با غریباں و فقیراں و درویشاں و مسکیناں نیکو باشی و با خلق نیکوئی کنی و رعیت پرور باشی ہر کہ با رعیت رعایت کند و با خلق نیکوئی کند، خدائے تعالیٰ او را نگاہ دارد و جملہ اعدا اورا (را) دوست دار بکند۳۲

یعنی اے والیٔ دہلی! تجھے چاہیے کہ غریبوں، فقیروں، درویشوں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور خلقِ خدا کے ساتھ بہتر سلوک کرو، رعیت پرور بنو، جو رعیت کے ساتھ رعایت کرتا ہے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیکی کا برتاؤ روا رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا

---

۳۲ رسالہ حالِ خانوادۂ چشت (قلمی نسخہ) بحیح سنابلی ص ۲۲۳، بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۱۱۶۔

ہے اور اس کے دشمن (بھی) اس کو دوست سمجھنے لگتے ہیں۔

التتمش کے اس قسم کے ذاتی حالات بہت دلچسپ اور سبق آموز ہیں جو تاریخی کتابوں کے علاوہ مختلف بزرگوں کے تذکروں میں بہترین انداز میں مرقوم ہیں مگر یہ سطور ان تفصیلات کی متحمل نہیں۔

سلطان ناصر الدین محمود

التتمش کے بعد اس کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے پانچ حکمران تختِ دہلی پر متمکن ہوئے، جن میں پہلا رکن الدین فیروز شاہ، دوسری رضیہ سلطانہ، تیسرا معز الدین بہرام شاہ، چوتھا علاء الدین مسعود شاہ اور پانچواں سلطان ناصر الدین محمود تھا۔ افسوس ہے، ناصر الدین محمود کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی التتمش کا صحیح جانشین ثابت نہ ہوا۔ اگرچہ علماء و فقہا کی علمی کاوشیں ان کے دور میں بھی بدستور جاری رہیں، مگر ہم چاہتے ہیں کہ ان سب سے صرفِ نظر کر کے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ناصر الدین محمود ہی کا تذکرہ کیا جائے۔

تمام مورخین اور تذکرہ نگار اس کے زہد و اتقاء، عدل و انصاف، رعایا پروری، عبادت و ریاضت اور اخلاقی برتری کے معترف ہیں۔ طبقاتِ ناصری کے بیان کے مطابق قیام و صیام اور تلاوتِ قرآن مجید اس کے اہم مشاغل تھے۔ پھر اس کے عہد میں فتوحاتِ ملکی کے دائرہ میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی عزت و شوکت میں مزید اضافہ ہوا۔

بعد از جلوس بر سریر سلطنت ہر سال فتحے و کارے کرد کہ ازاں جا عزتِ اسلام و شوکتِ مسلمانان بظہور رسید و شیوۂ عدل پروری و داد گستری بوجود آمد۔[۳۵]

تخت نشین ہونے کے بعد، اس نے ہر سال ایسی فتوحات کیں اور ایسے کام انجام دیے کہ جن سے اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہوئی اور شیوۂ عدل پروری اور داد گستری وجود

---

۳۵ زبدۃ التواریخ، ص ۱۶ الف، بحوالہ سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۱۴۲

میں آیا۔

ہندوستان کا یہ بادشاہ درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا اور اس کی آمدنی کا ذریعہ قرآن مجید کی کتابت تھا۔ سال میں دو قرآن پاک کی کتابت کرتا اور ان ہی کے ہدیے سے اس کے گھر کے مصارف پورے ہوتے۔ بازار میں یہ بالکل معلوم نہ ہونے دیتا کہ یہ قرآنِ مجید بادشاہ کا کتابت شدہ ہے تاکہ لوگ اس کو زیادہ قیمت سے نہ خریدیں۔ بلکہ خفیہ طریقے سے اس کی فروخت کا اہتمام کرتا۔

خود بخفیہ می نوشت تا کسے خط او را نہ داند و زیادہ از بہا نخرد[۳۶]

اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس درجہ احترام تھا کہ بغیر وضو آپ کا اسم گرامی زبان پر نہ لاتا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ اس کے ایک مصاحب کا نام محمدؐ تھا۔ ایک دن اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا تو اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید کسی وجہ سے سلطان اس پر ناراض ہے اسی لیے اس کو اصل نام (محمدؐ) سے نہیں پکارا۔ اس افسوس میں وہ تین دن دربار سے غیر حاضر رہا۔ سلطان نے اس کو گھر سے بلا کر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو عرض کیا:

اے خداوندِ جہاں! ہرگز مرا بجز محمدؐ بانگ نمی کردی۔ آں روز بخلافِ عادت تاج الدین خطاب فرمودی۔ استنباط کردم کہ نسبت بداعی تغیرے در مزاجِ سلطانی پدید آمدہ[۳۷]

کہ اے خداوندِ جہاں! آپ مجھ کو محمدؐ کے سوا کبھی کسی اور نام سے نہیں پکارتے تھے۔ اس روز خلافِ عادت تاج الدین کہہ کر مخاطب کیا۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مزاجِ سلطانی میں خاکسار کی طرف سے کوئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔

سلطان نے اس پر اصل حقیقت واضح کی اور قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس

---

۳۶ منتخب التواریخ، ج ۱، ص ۹۰

۳۷ تاریخ فرشتہ، ج اول، ص ۷۴

وقت وہ بے وضو تھا۔ لہٰذا

شرمم آمد کہ بے وضو نام محمدؐ بر زبان برانم۔[۳۸]

مجھے شرم آئی کہ بغیر وضو کے نام محمدؐ زبان پر لاؤں۔

وہ اس درجہ محتاط اور پاک طینت بادشاہ تھا کہ ایک پیسہ بھی بیت المال سے وصول نہ کرتا۔ گھر کے تمام کام اس کی بیوی خود اپنے ہاتھ سے کرتی۔ یہ بھی اس سلسلے میں اس کی امداد کرتا۔ ایک دن بیوی نے کہا کہ روٹی پکانے اور چولھے کے آگے بیٹھنے سے اس کے ہاتھ جل جاتے ہیں۔ خزانۂ شاہی کے خرچ سے ایک ملازمہ کا انتظام کر دیا جائے۔ بیوی سے کہا:

بیت المال حق بندہ ہائے خدا است مرانمی رسد۔[۳۹]

کہ بیت المال پر بندگانِ خدا کا حق ہے۔ یہ میری ملکیت نہیں ہے۔

ساتھ ہی اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

چندروز بر محنت صبر کن کہ خدائے تعالیٰ فردائے قیامت، اُمنّا وعدک قلنا بہ اجرہ این مشقت حورے را بتو برائے خدمت خواہد داد۔[۴۰]

اس محنت پر چند روز صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، جس کا آنا یقینی ہے اس مشقت کے بدلے میں تمہاری خدمت کے لیے ایک حور عطا کرے گا۔

یہ بادشاہ نہایت نیک طینت تھا کسی کو حتی الامکان کوئی تکلیف نہ پہنچاتا بسا اوقات دوسرے کی غلطی پر بھی خاموش رہتا اور کوشش کرتا کہ اس کے عمل و کردار اور قول و فعل کا کوئی پہلو کسی کے لیے ذہنی، جسمانی یا قلبی اذیت رسانی کا باعث نہ بنے۔ اس سلسلے کے بے شمار واقعات تذکروں میں مذکور ہیں۔ ان میں تاریخ فرشتہ میں، ایک یہ واقعہ بھی مرقوم ہے کہ یہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا، ایک قرآن مجید

---

[۳۸] تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۷۴ [۳۹] ایضاً

[۴۰] ایضاً

کسی دوست کو دکھا رہا تھا کہ اس نے ایک غلطی کی طرف اشارہ کیا۔ بادشاہ نے فوراً اس لفظ کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا تاکہ بعد میں یہ غلطی درست کر لی جائے۔ لیکن جب وہ شخص چلا گیا تو اس نے یہ دائرہ مٹا دیا اور لفظ صحیح نہیں کیا۔ ایک خادم نے جو یہ سب دیکھ رہا تھا بادشاہ سے دائرہ بنانے کی وجہ دریافت کی اور غلطی درست نہ کرنے کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ اس کا لکھا ہوا لفظ غلط نہیں تھا لیکن وہ اس شخص کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کو یہ کہہ دیا کہ غلطی درست کر لی جائے گی۔ کاغذ پر بنا ہوا دائرہ تو آسانی سے مٹایا جا سکتا ہے لیکن کسی کے دل پر سے نشان مٹانا آسان نہیں ہوتا۔

بہر حال اس کے عہد کے علما و فقہا کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا جن کی علمی کاوشوں سے لوگوں نے کسی نہ کسی صورت میں استفادہ کیا۔

غیاث الدین بلبن

سلاطینِ ہند میں غیاث الدین بلبن، شوکت و حشمت، اور جلالت و عظمت کے اعتبار سے بہت ممتاز تھا۔ اس کی زندگی کا آغاز بھی غلامی سے ہوا، لیکن جب یہ تختِ ہند پر متمکن ہوا تو اس کے درباری رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اس کو دیکھ کر بڑے بڑے فرماں روا لرز جاتے تھے۔

التتمش کی طرح یہ بھی ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا باپ اپنے قبیلے کے دس ہزار خاندانوں کا سردار تھا۔ جب مغلوں نے ترکستان میں، قراختائی کو تباہ کیا تو بلبن کو ایک مغل سپاہی نے گرفتار کر لیا اور بغداد لا کر خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال الدین عابد اور زاہد شخص تھا۔ اس نے بلبن کی بہت اچھی طرح پرورش کی اور اس کے لیے مذہبی و دینی تعلیم اور بہتر تربیت کا خاص طور سے اہتمام کیا۔ اسی اثنا میں اسے پتہ چلا کہ ہندوستان کا حکمران شمس الدین التتمش بھی اسی قبیلے کا فرد ہے۔ چنانچہ وہ بلبن اور اپنے دوسرے غلاموں کو لے کر ہندوستان آیا اور ۶۳۰ھ میں التتمش سے ملا۔

اس نے تمام غلاموں کو خرید لیا اور بلبن کو اس کے بہتر آثار دیکھ کر اپنا خاصہ دار یعنی ذاتی محافظ مقرر کر لیا۔ اس سے پہلے بلبن کا بھائی کشلی خان بھی التتمش کے دربار میں پہنچ چکا تھا اور منازل ترقی طے کر کے امیر حاجب کے منصب پر فائز تھا۔ بلبن اپنے بھائی کو پہچان کر نہایت خوش ہوا اور دربار شاہی میں اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے ارتقا و تقدم کے زینوں پر گامزن ہونے لگا۔

بلبن رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی کے خلاف تھا، اس لیے اس کے دور میں ایک مرتبہ گرفتار بھی ہوا، لیکن پھر رہا کر دیا گیا اور میر شکار کے عہدہ پر مامور ہوا۔ بالآخر انقلاب و تغیر کی ایک ایسی زبردست لہر آئی کہ سلطان ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد، یہی غلام ہندوستان کی وسیع مملکت کے تخت کا مالک بن گیا۔

تخت نشینی سے پہلے یہ مے نوشی اور عیش و نشاط کی محفلیں جمانے میں بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ لیکن بادشاہ بننے کے بعد اپنی زندگی کو یکسر بدل لیا اور سب برائیوں سے تائب ہو گیا۔

گرد مناہی نہ گشت و از جملہ مسکرات توبہ کردہ و مجلس شراب ترک آورد و نام شراب و شراب خواراں نہ گرفت[۴۱]

یعنی منہیات کے قریب تک نہ گیا اور تمام مسکرات سے توبہ کر لی، مجلس شراب کو بند کر دیا اور شراب اور شراب نوشوں کا کبھی نام تک نہ لیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

تقویٰ و پاکیزگی در زمان او رواج یافت، و اگر کسے بزہد و صلاح متصف نہ بود، مہم نمی دادہ و نام شراب خوردن و مناہی از ملک خود بر انداخت[۴۲]

یعنی اس کے عہد حکومت میں تقویٰ و پاکیزگی کی یہاں تک ترویج ہوئی کہ جو شخص زہد و صلاح کی خوبیوں سے متصف نہ ہوتا، یہ کوئی اہم کام اس کے سپرد نہ کرتا۔ اس نے

---

۴۱ تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۶۔

۴۲ مآثر رحیمی، ج اول، ص ۳۰۵۔

مے نوشی اور غیر شرعی حرکتوں کو اپنے ملک سے اکھاڑ پھینکا۔

اس سے بھی بڑھ کر نمازِ باجماعت کی پابندی اس کا معمول ہو گیا تھا اور ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔ اس کی رات کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی میں صرف ہوتا۔

در طاعت و عبادت و صیامِ نفل و قیامِ شب مبالغہ نمود و بہ مواظبت جمعہ و جماعت و نمازِ اشراق و چاشت و تہجد بیک بارگی میل کرد و شب ہائے ہوا ہم تمامی شب قیام کردے و اوراد در سفر و حضر از و فوت نہ شدے[22]

یعنی طاعت و عبادت، نفلی روزے اور شب بیداری میں بہت کوشاں رہنے لگا۔ نمازِ جمعہ، نمازِ باجماعت، نمازِ اشراق، نمازِ چاشت، اوابین اور تہجد کے یہ یک لخت دل میں لگن پیدا ہوئی اور ان پر ہمیشہ پابندی سے قائم رہا۔ ایامِ حج کی راتوں میں پوری رات قیام کرتا اور سفر و حضر میں اس سے اوراد و وظائف فوت نہ ہوتے۔

مؤرخین نے اس کے عہد کو "خیر الاعصار" سے تعبیر کیا ہے اس کا دورِ حکومت[23] عالمِ اسلامی میں بعض وجوہ سے خاص اہمیت کا حامل تھا۔ وہ ۶۶۴ھ سے ۶۸۶ھ تک پورے بائیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب دنیائے اسلام پر مصائب کی مہیب گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور مسلمان ملکوں اور اسلام کے نام لیواؤں پر تاتاری بے پناہ مظالم ڈھا رہے تھے، بغداد کی شان و شوکت خاک میں مل چکی تھی۔ اس کی عظمتِ رفتہ کے کھنڈروں پر سعدی کے دل سوز مرثیے پڑھے لکھے لوگوں کی زبان پر تھے:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین!
اے محمدؐ! گر قیامت سر بروں آری ز خاک
سر بروں آر و قیامت در میانِ خلق بین

---

[23] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۷۔ تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۷۰

غیاث الدین بلبن ہی وہ تنہا حکمران تھا کہ ہلاکت و خوں ریزی کے اس دور میں، جس کی سلطنت ظلم و ستم کی ہولناکیوں سے محفوظ تھی اور مختلف اسلامی ممالک کے مسلمان اور شاہ زادے اس میں پناہ گزین تھے۔ ہندوستان اس زمانے میں عالم اسلامی کے مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور دہلی میں متعدد محلے آباد ہو کر ان کے نام سے موسوم ہو گئے تھے اور بلبن بذاتِ خود ان پناہ گزینوں کی حفاظت و نگرانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ غالباً اسلامی ممالک کی اسی ہمہ گیر مظلومیت سے متاثر ہو کر وہ منہیات و مکروہات سے تائب ہوا اور اسی وجہ سے اس کے دل میں اسلام کی محبت اور امورِ شرعی سے وابستگی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما و فقہا، صوفیا و مشائخ اور عباد و زہاد سے بھی اس نے تعلقات استوار کیے۔ وہ باقاعدہ علما کی مجلسوں میں حاضر ہونے اور ان سے استفادہ کرنے لگا اور جام و سبو کی بجائے وعظ و تذکیر کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔ اس سے اس کا لگاؤ اس قدر بڑھا کہ بقول برنی :

بے حضورِ علما، دست بطعام نبردے، و از علما، در وقتِ طعام خوردن مسائلِ دین پرسیدے، و در مجالسِ طعام، دانشمنداں در پیش او بحث کردندے۔[۲۴]

جب تک علما موجود نہ ہوتے کھانے کو ہاتھ نہ لگاتا، کھانے کے دوران میں، علما سے مسائلِ شرعی دریافت کرتا اور مجلسِ طعام میں فقہا اس کے سامنے (مسائلِ شرعیہ پر) بحث و مباحثہ کرتے۔

اس ضمن میں اس کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ مسجد میں وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری ہے تو سب علائق ترک کر کے فوراً وہاں پہنچ جاتا، اور وہاں جا کر،

درمیان خلق بنشستے، و تذکیر بشنیدے، و در مواعظ و نصائحِ مذکراں، رفتے و گریہ

۲۴۔ تاریخ فیروز شاہی : از برنی ص ۴۶ ۔ ۴۷

بسیار کردے [۴۵]

یعنی عام لوگوں میں بیٹھ جاتا اور وعظ سنتا اور واعظوں کے مواعظ و نصائح سُن کر بہت ہی گریہ وزاری کرتا۔

اس میں ایک خوبی یہ تھی کہ علمائے دین اور مشائخ کا ازحد احترام کرتا:

وعلمائے آخرت و مشائخ ہر جادہ را بغایت حرمت داشتے۔[۴۶]

یعنی علمائے آخرت اور ہر سلسلہ کے مشائخ سے بدرجہ غایت عزت و احترام سے پیش آتا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں، جو بلبن کی دینی و مذہبی حالت کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کا استقصا ہمارا مقصود نہیں۔ اس کے عہد کے بہت سے علمائے کرام کا تذکرہ آئندہ صفحات میں خواندگان محترم کے ملاحظہ گرامی میں آئے گا۔

جلال الدین خلجی

غیاث الدین بلبن کے بعد ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) میں اس کا پوتا معز الدین کیقباد تخت نشین ہوا۔ یہ نہایت عیاش بادشاہ تھا۔ اس نے دو سال حکومت کی اور ۶۸۸ھ (۱۲۹۰ء) میں وفات پائی۔ اس کی موت کے ساتھ ہی سیاسی اعتبار سے اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور ۳ جمادی الاخریٰ ۶۸۹ھ (۱۳ جون ۱۲۹۰ء) کو جلال الدین فیروز شاہ خلجی ستر سال کی عمر میں تخت نشین ہند ہوا۔ یہ اس درجہ رحم دل اور نرم طبیعت بادشاہ تھا کہ جب غیاث الدین بلبن کے محل کوشک لعل میں داخل ہوا تو اس کی ہیبت و جبروت اور شوکت و عظمت کو یاد کر کے رونے لگا۔ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور اپنے دل میں اس مقام

---

[۴۵] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۱۰۲

[۴۶] ایضاً ص ۱۰۷

پر بیٹھنے کی جرأت نہ پیدا کر سکا، جہاں غیاث الدین بلبن بیٹھا کرتا تھا۔ امراو حکام نے کوئی بات کی تو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اس محل کے اصل مالک سلطان بلبن کے بیٹے ہیں۔ میں تو ایک ناجائز قابض اور غاصب ہوں۔

ایں کوشکِ سلطان بلبن است و در ایام خانی برآوردہ است، مِلکِ فرزندانِ اوست و من بتغلب تصرف می کنم[47]

یعنی یہ سلطان غیاث الدین بلبن کی کوشک ہے۔ اس نے یہ زمانۂ خانی میں تعمیر کی تھی۔ یہ اس کے بیٹوں کی ملکیت ہے، میں تو اس پر غاصبانہ قبضہ کر رہا ہوں۔

پھر کہا، مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ بلبن میرے سامنے ہے اور تخت پر بیٹھا ہے۔ میں نے اس کوشک میں اس کے حضور بے شمار فرائضِ خدمت انجام دیے ہیں:

من آں پادشاہ را دریں کوشک بسیار خدمت کردہ ام و مرا دل می زند وہیبت و حشمتِ او ہنوز از دلِ من نرفتہ است[48]

میں اس کوشک میں اس بادشاہ کی خدمت میں بہت ہی مصروف رہا ہوں۔ میرا دل دھڑک رہا ہے اور اس کی ہیبت و حشمت، اب تک میرے دل سے نہیں گئی ہے۔

اس کے بعد وہ پاپیادہ کوشکِ لعل میں داخل ہوا اور جب اس مقام پر پہنچا، جہاں وہ غیاث الدین بلبن کے سامنے ادب و احترام سے کھڑا ہوتا تھا تو وہاں اسی طرح کھڑا ہو گیا اور پھر اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکا اور رونے لگا۔ کہا:

پادشاہی ہمہ فریب و نمائش است و اگرچہ بیروں نقش و نگاری نماید و لیکن دروں زار زار است[49]

---

[47] تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۸۰ [48] ایضاً [49] ایضاً

بادشاہی تمام تزئین و نمائش ہے۔ ظاہر میں اگرچہ نقش و نگار نظر آتے ہیں لیکن اندر سے غم ہی غم ہے۔

جلال الدین نماز روزہ کا بہت پابند تھا اور ایک نرم دل حکمران تھا کسی پر ہاتھ نہ اٹھاتا تھا اور انسانی جان کا از حد احترام کرتا حتیٰ کہ باغیوں اور سرکشوں کو بھی سزا دینے پر متامل ہوتا اور کہا کرتا:

در شریعتِ پیغمبر ما جز کشندہ را، و مرتد را، و آں کہ باوجودِ زن، با زنِ دیگر زنا کند، دیگرے را کشتن نیامدہ است[۵۰]

یعنی ہمارے پیغمبر کی شریعت میں سوائے قاتل کے، مرتد کے، اور شادی شدہ زانی کے کسی دوسرے کو قتل کرنے کا حکم نہیں۔

اس نیک بخت بادشاہِ ہند کے زمانے کے کئی فقہائے کرام کا ذکر کتاب کے آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ اس کو اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) میں قتل کر دیا تھا۔

علاء الدین خلجی

علاء الدین خلجی، سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور داماد تھا، اور اپنے اس محسن کو قتل کر کے تختِ حکومت پر بیٹھا تھا۔ یہ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ بہت ہی سخت خو اور تیز مزاج حکمران تھا لیکن اس کے باوجود بڑا سمجھ دار، مدبّر اور عقل مند تھا۔ اس نے انتہائی رعب و دبدبے سے حکومت کی۔ اس کے زمانے میں سرزمینِ ہند مشائخ و علما کا گہوارہ بن گئی تھی۔ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں بے شمار فقہا رہائش پذیر تھے اور دینی خدمات انجام دیتے تھے۔ اس دور کے بہت سے فقہا کا ذکر قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ علاء الدین خلجی نے بیس سال تک حکومت کی اور ۷۱۵ھ (جنوری ۱۳۱۶ء) کو فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا

---

[۵۰] تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۸۰

بیٹا قطب الدین مبارک خلجی، وارثِ تختِ دہلی ہوا، لیکن وہ نہایت نالائق شخص تھا۔ اس کو تخت پر بیٹھے چار سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ اس کے غلام خسرو خاں نے اس کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ خسرو خاں نے اپنے مختصر زمانۂ حکومت میں دل کھول کر اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی تذلیل کی، اور اس کو غازی ملک غیاث الدین تغلق نے قتل کیا۔

سلطان غیاث الدین تغلق

غیاث الدین تغلق تختِ ہند پر متمکن ہونے سے پہلے سلطان جلال الدین خلجی اور اس کے بعد علاء الدین خلجی کی طرف سے ملتان اور دیپال پور کے علاقوں کا ناظم و منصرم تھا اور دین و مذہب سے بہت لگاؤ رکھتا تھا۔ چونکہ اس نے مغلوں کو کئی بار شکست دی تھی اور دشمن طاقتوں کو زیر کیا تھا۔ اس لیے وہ غازی ملک کے نام سے معروف تھا۔

جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ خسرو خاں دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی تذلیل اور اسلام کی توہین کو اس نے اپنا نقطۂ نظر ٹھہرا لیا ہے تو اس کی اسلامی غیرت جوش میں آگئی۔ وہ سخت تکلیف دہ حالات میں بھی دہلی پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جو اطلاعات اس کو متواتر پہنچ رہی تھیں، وہ انتہائی پریشان کن تھیں۔ لہٰذا اس نے توکلاً علی اللہ، دہلی کا رخ کیا اور خسرو خاں کو قتل کر دیا۔ اب عملاً دہلی غیاث الدین تغلق کے قبضے میں تھی مگر وہ تخت پر نہیں بیٹھا بلکہ امرا و علما کا جو جلوس اس کے ساتھ تھا اس کے سامنے گھوڑے سے اترا، اللہ کے حضور سر بسجود ہوا اور امرائے دولت اور عمائدِ سلطنت سے صاف لفظوں میں کہا کہ سلطان جلال الدین اور علاء الدین خلجی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ ان کی اولاد میں سے کوئی شخص یہاں زندہ موجود ہے تو اس کو تختِ دہلی پر بٹھا دیا جائے اور اگر خاندانِ شاہی کا کوئی شخص موجود نہیں ہے تو آپ میں سے جو لائق اور بہتر آدمی ہے اس کو بادشاہ بنا دیا جائے۔ مجھے اپنا گھوڑا اور دیپال پور کا ویرانہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ مگر اعیانِ حکومت اور اکابرِ سلطنت نے کلاہِ

بادشاہی اسی کے لیے موزوں قرار دیا اور اس کو ہندوستان کا حکمران بنا دیا۔
غیاث الدین تغلق ایک متدین شخص تھا۔ علما و مشائخ کا عقیدت مند، پابند شریعت، عبادت گزار اور غازی تھا۔ علما کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے استفاضہ کرتا۔ اس کے دورِ حکومت کے بہت سے مشائخ اور متعدد اصحابِ علم کا ذکر اس کتاب میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ یہ ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں تختِ ہند پر متمکن ہوا اور ربیع الاول ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں وفات پاگیا۔ اس کا عرصۂ حکومت اگرچہ بہت کم ہے مگر نہایت شاندار ہے۔

سلطان محمد تغلق

سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد اس کا لڑکا محمد خان تغلق بادشاہ بنا۔ یہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں تخت نشین ہوا اور ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) تک (چھبیس سال) حکومت کی۔ اس کا شمار تاریخ میں عظیم المرتبت سلاطینِ ہند میں ہوتا ہے اس کے ایامِ حکومت میں ہندوستان علما و فقہا کا گہوارہ تھا۔ یہ بادشاہ متضاد اوصاف کا حامل ہونے کے باوجود خود بھی فقہ اور دیگر علوم سے تعلق رکھتا تھا اور علما کا بھی قدر دان تھا۔ مشہور سیاح، ابن بطوطہ اسی کے عہد (۷۳۴ھ) میں ہندوستان آیا اور اس سے ملا۔ اس نے اس کی بڑی تکریم کی اور اس کو دہلی کا قاضی مقرر کیا۔ ابنِ بطوطہ نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔

قاضی محمد بن علی شوکانی اپنی تصنیف البدر الطالع میں محمد شاہ تغلق کو فیاض، متواضع، فقہِ حنفیہ اور علومِ حکمیہ کا عالم بادشاہ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ علما و فقہا سے محبت اور تعلقِ خاطر رکھتا تھا۔[1]

سلطان فیروز شاہ تغلق

سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں وفات پائی اور اپنے جانشین

---

[1] البدر الطالع ج ۲ ص ۱۸۰۔ طبع مصر ۱۳۴۸ھ

فیروز شاہ تغلق کے لیے جگہ خالی کی۔ سلاطین و ملوک کی تاریخ، فیروز شاہ تغلق کو قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان کا نیک، مذہبی جذبات کا حامل، دیندار، عالم و فقیہ، بلند اخلاق، علما و فقہا کا قدر دان اور مشائخ و اولیا کا عقیدت مند بادشاہ قرار دیتی ہے۔

یہ سلطان غیاث الدین تغلق کے بھائی، سالار رجب کا لڑکا اور محمد شاہ تغلق کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے سلطان غیاث الدین کے ہاں تربیت پائی۔ یہ تختِ دہلی پہ بیٹھنے کا متمنی نہیں تھا۔ اس نے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی اور دیگر صدور و قضات اور فقہا و علما کے اصرار کے بعد زمامِ حکومت ہاتھ میں لی۔ عادل، معاملہ فہم اور نیک دل بادشاہ تھا۔

اس کے زمانے کے متعدد علما و فقہا کا تذکرہ آئندہ اوراق میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا اس کی کوشش سے اور اس کے عہدِ حکومت میں فقہ کی کئی کتابیں تصنیف ہوئیں، جن میں فقہ فیروز شاہی اور فوائد فیروز شاہی بھی شامل ہیں۔

اس نے ایک گھڑی ایجاد کی تھی، جس سے ہر گھنٹے کے بعد ترنم کے ساتھ اس شعر کی آواز نکلتی تھی:

ہر ساعتے کہ بر در شہ طاس می زنند
نقصانِ عمر می شود آں یاد می دہند

یہ ۷۰۹ھ میں پیدا ہوا اور تینتالیس سال کی عمر میں ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو تختِ ہند پہ بیٹھا اور سینتالیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۳ رمضان المبارک ۷۹۹ھ (۱۳۹۹ء) کو وفات پائی۔

سلاطین بہمنی

آٹھویں صدی ہجری میں دکن کی بہمنی سلطنت میں بھی چند علم پرور اور علما و فقہا سے تعلق رکھنے والے حکمران پیدا ہوئے۔ جن میں محمد شاہ بہمنی (متوفی ذی القعدہ ۷۷۶ھ) مجاہد شاہ بہمنی (متوفی ذی الحجہ ۷۷۹ھ) اور محمود شاہ بہمنی (متوفی ۷۹۹ھ)

خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے دورِ حکومت کے علاقہ دکن کے بعض علما و فقہا کا تذکرہ کتبِ تاریخ میں مرقوم ہے اور ہماری اس کتاب میں بھی ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ چند صفحات مقدمہ یا ابتدائیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں ایک تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ برصغیر پاک و ہند کو ابتدائی صدی ہجری ہی میں اسلام کی ردائے پرنور نے اپنے دامنِ وسعت پذیر میں پناہ دینا شروع کر دی تھی۔ دوسرا مقصد آٹھویں صدی ہجری تک کے ان فرمانروایانِ ہند کے کردار کی ایک جھلک پیش کرنا ہے جن کے دورِ حکومت میں مختلف فقہائے عالی مقام نے ایک خاص نہج سے دیارِ ہند میں اپنی علمی و فقہی مساعی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اپنی دانست میں انتہائی احتیاط اور محنت سے لکھا گیا ہے۔ معزز قارئین اگر ہماری غلطیوں کی نشان دہی کریں گے اور اس سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے تو ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

کتاب کی یہ پہلی جلد ہے جو ابتدائی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہائے کرام کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد دوسری جلد نویں اور دسویں صدی ہجری کے فقہائے ہند پر مشتمل ہوگی۔ تیسری جلد میں گیارھویں اور بارھویں صدی کے فقہائے کرام کے حالات مرقوم ہوں گے اور چوتھی جلد میں اُن علمائے عظام اور فقہائے ذوی الاحترام کا ذکر کیا جائے گا، جو تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند کی سرزمین میں فیوضِ علم اور اشاعتِ دین کا ذریعہ بنے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بیدہ التوفیق وعلیہ التکلان۔

اظہارِ تشکر

اس موقع پر یہ بندۂ عاجز حضرت الاستاذ مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف (مکتبہ سلفیہ - لاہور) کے لیے انتہائی تشکر کا اظہار کرتا ہے کہ انھوں نے حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد ہندوستان کے مشہور مؤرخ قاضی اطہر مبارک پوری کی تازہ عربی تصنیف العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین عنایت فرمائی، جو ان کو مکہ معظمہ میں خود قاضی صاحب موصوف نے بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ یہ کتاب اس عاجز کو اگرچہ اس وقت ملی، جب کہ مسودہ مرتب اور مکمل ہو چکا تھا، تاہم میں نے اس سے بہت ہی استفادہ کیا ہے اور مجھے اس سے وہ معلومات حاصل ہوئے ہیں، جن کا حصول کسی ایک جگہ ممکن نہ تھا۔

اب آئندہ اوراق میں حروف تہجی کی ترتیب سے پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی کے فقہائے ہند کے حالات ملاحظہ فرمایئے۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی۔

عاجز

محمد اسحاق بھٹی

۲۴ اپریل ۱۹۷۴ء

یکم ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ

پہلی صدی ہجری

الف

۱۔ ابن اُسید بن اخنس

ابن اُسید بن اخنس بن شریق ثقفی، تابعی تھے۔ یعنی ان کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت و تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ اموی حکمران عبدالملک بن مروان کے زمانے میں سندھ کے والی مقرر ہوئے۔ ان کے دادا اخنس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر مولّفات القلوب کے ساتھ کچھ مال عنایت فرمایا تھا۔ اور ان کے والد اُسید بن اخنس بن شریق ثقفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اُسید کے ایک بھائی مغیرہ بن اخنس تھے جو خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتبۂ شہادت کو پہنچے[1]

۲۔ ابو شیبہ جوہری

ابو شیبہ جوہری واسطی، ان کا نام یوسف بن ابراہیم تمیمی تھا۔ یہ بھی تابعی تھے اور آنحضرت کے مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ خود ان سے عقبہ بن خالد اور مسلم بن قتیبہ ایسے عظیم محدث اور تبع تابعی روایت کرتے ہیں۔ یہ وہ خوش قسمت بزرگ تھے جو محمد بن قاسم کے ساتھ وارد سندھ ہوئے اور جنھوں نے جہادِ سندھ میں باقاعدہ حصہ لیا[2]

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ العقد الثمین ص ۱۵۸، ۱۵۹۔

[2] العقد الثمین ص ۲۱۳ لسان المیزان ۶: ۔

۳- اعشیٰ ہمدان

اعشیٰ ہمدان عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حارث۔ ان کی کنیت ابو المصبح نخعی تابعی تھے اور فصیح شاعر بھی۔ کوفی الاصل تھے اور شعرائے بنو امیہ میں سے تھے۔ ان کی شادی امام شعبی فقیہ کی بہن سے ہوئی اور ان کی بہن کی شادی امام شعبی فقیہ سے! فقہا و قرا میں سے تھے۔ غزوۂ مکران میں شریک تھے، جو اس زمانے میں ہندستان کا ایک شہر تھا۔[۱]

۴- ابو ایوب بن یزید ہلالی

ابو سلیمان ایوب بن یزید بن قیس بن زرارہ جلیل القدر تابعی تھے، خطیب اور زبان دان تھے۔ ابن خلکان کی روایت کے مطابق ان کا شمار چند خطبائے عرب میں ہوتا تھا اور فصاحت و بلاغت میں بہت مشہور تھے۔ انھوں نے ہندوستان اور مکران کی سیاحت کی۔ حجاج بن یوسف نے ان سے کچھ علاقوں کے حالات پوچھنا چاہے تو کہا جس ملک کے بارے میں آپ سوال کریں گے میں جواب دوں گا۔ حجاج نے کہا ہند کے متعلق کچھ بتاؤ۔ جواب دیا:

بحرها درّ، وجبلها یاقوت، وشجرها العود، وورقها العطر واهلها طغام کقطع الحمام۔

اس کے دریا موتی اگلتے، پہاڑ لعل و یاقوت کی کانیں، درخت عود و صندل کے حامل پتوں میں خوشبو اور مہک، اس کے باشندے کم عقل فاختاؤں کی طرح ٹکڑیوں میں بکھرے ہوئے۔

اسی طرح مکران کے بارے میں سوال کیا تو جواب دیا:

ماءها وشل وتمرها دقل، وسهلها جبل، ولصها بطل، ان کثر الجیش بها جاعوا، وان قلوا ضاعوا۔

---

[۱] العقد الثمین ج ۱ ص ۱۶۳ [illegible]، بحوالہ کتاب الاغانی ج ۶، ص ۳۳، ۴۲۔

اس میں پانی کم، کھجوریں ردی، میدان پہاڑوں کی طرح، چور بے باک، فوج زیادہ ہو تو بھوک کا خطرہ، کم ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ۔

حجاج نے ان کو ۸۴ھ میں قتل کرادیا تھا۔[۵۴]

ت

۵۔ تاغر بن دعر

تاغر بن دعر رحمۃ اللہ علیہ، پہلی صدی ہجری کے وہ بزرگ ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ یعنی یہ تابعی تھے اور اس مقدس جماعت سے تعلق رکھتے تھے، جو براہِ راست آنحضرتؐ کے صحبت یافتہ حضرات سے سماعِ روایات و احادیث کی سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ اندوز ہوئی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے کن کن صحابہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ یہ بلند بخت بزرگ بغرضِ جہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر کے امیر کی حیثیت سے وارد سندھ ہوئے یہاں کتنا عرصہ رہے اور کس کس علاقے میں بسلسلۂ جہاد گئے، اس کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی۔[۵۵]

ح

۶۔ حاتم بن قبیصہ بن مہلب مہلبی ازدی

حاتم بن قبیصہ بن مہلب بن ابو صفرہ ازدی عتکی تابعین میں سے تھے۔ روح اور یزید نامی ان کے دو لڑکے تھے۔ روح افریقہ کے اور یزید سندھ کے مفتوحہ علاقوں کے والی تھے۔ حاتم بن قبیصہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کے ساتھ قلات کی دوسری لڑائی میں شرکت کی۔[۵۶] کتبِ رجال و سیر سے یہ معلوم نہیں ہو سکا

---

۵۴ العقد الثمین ص ۱۶۹، ۱۷۰۔ بحوالہ جمہرۃ انساب العرب ص ۳۲۵۔ المعارف ابن قتیبہ، ص ۱۷۸۔ وفیات الاعیان ج ۱، ص ۸۷، ۸۹۔

۵۵ العقد الثمین ص ۱۰۴

۵۶ ایضاً ص ۱۳۲

کہ انھوں نے کن صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔

۷۔ حارث بیلمانی

حارث بیلمانی بھی تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ان سے ان کے لڑکے محمد بن حارث بیلمانی نے سماعِ حدیث کیا۔[۵۷]

بیلمان، بھیلمان کا معرب ہے۔ یہ ایک قصبہ تھا جو سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان واقع تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ قصبہ بھیلمان میں کب آئے اور کتنا عرصہ وہاں رہے۔

۸۔ حارث بن مُرّہ عبدی

حارث بن مرہ عبدی، تابعی تھے اور قبیلہ عبد القیس سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قابلِ اعتماد ساتھی اور معاونِ خاص تھے۔ اپنے دور کے اہلِ اسلام میں بدرجہ غایت فیاض تھے۔ ۳۷ھ میں جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے حامی تھے اور فوج کے میسرہ پر متعین تھے۔ اس جنگ میں یہ کئی قسم کی تکلیفوں سے دوچار ہوئے۔ ۳۸ھ میں حضرت علیؓ کے حکم سے حدودِ ہند میں داخل ہوئے۔ فیاضی اور بہادری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز ہزار آدمی کو آزاد کرانے کی قسم کھائی اور پانچ سو شاہ سواروں پر حملہ کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں، ۴۲ھ کو حارث بن مرہ اور ان کے کچھ ساتھی قلات میں شہید ہوئے۔ کبار صحابہ سے ملے۔ تابعین اور ایک روایت کے مطابق مدرکین میں سے تھے۔[۵۸]

---

۵۷ العقد الثمین، ص ۲۸۸۔

۵۸ العقد الثمین، ص ۱۰۲۔

۹ - حباب بن فضالہ ذہلی

سرزمین ہند سے کسی نہ کسی صورت میں تعلق رکھنے والے جن تابعین کا ذکر کتب تاریخ میں مرقوم ہے ان میں ایک نام حباب بن فضالہ ذہلی کا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور ممتاز صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ہندوستان آنے والے اسلامی لشکر کی فہرست میں ان کا نام لکھا گیا تھا۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ پوچھا کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جا سکتا ہوں یا نہیں۔ حضرت انسؓ نے واپس جانے کا مشورہ دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ واپس والدین کے پاس گئے یا بغرض جہاد عازم ہند ہوئے۔ اس ضمن میں میزان الاعتدال کے الفاظ یہ ہیں:

قال اتیت البصرۃ فلقیت انس بن مالك فقلت له انی اردت بسفر فاردت ان استأمرك، قال و این ترید؟ قلت الهند۔ قال فحی والدك او احدهما؟ قلت بل حیان۔ قال خرافیك بنحو جلف؟ قلت بل ساخطان، استهدی علی ابی دجم‌ف السلطان، قال فالدنیا ترید او الاخرۃ؟ قلت کلیهما قال ما دالك الا استجطهما کلیهما، ارجع الی ابویك، فبرهما و اصحبهما فانك لن تصیب کسبا خیرا منه ؎۹

یعنی حباب بن فضالہ ذہلی کہتے ہیں، میں بصرے آیا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے ان سے عرض کیا، میں سفر پر جانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے آپ سے اجازت کا طالب ہوں۔ فرمایا۔ کہاں جانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا،

---

۹ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، حافظ ذہبی۔ جلد اول، ص ۲۰۸

ہندوستان! فرمایا - تمہارے ماں باپ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ عرض کیا - زندہ ہیں - فرمایا - وہ تمہارے جانے پر خوش ہیں؟ میں نے جواب دیا خفا ہیں - میرے والد نے مجھ پر زیادتی کی - (وہ سلطان کے پاس گئے) اور سلطان نے مجھ کو جانے سے روک دیا - فرمایا - دنیا چاہتے ہو یا آخرت؟ عرض کیا - دونوں فرمایا - میں سمجھتا ہوں کہ دونوں ضائع کر بیٹھو گے - جاؤ، ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو - ان کی خدمت بجا لاؤ - تمھارے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہو سکتی -

۱۰ - حری بن حری باہلی

حری بن حری باہلی کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے - ان کو عبید اللہ بن زیاد نے مفتوحہ بلادِ ہند کا والی مقرر کیا تھا - ان کی سرکردگی میں جو فوج ہند کی طرف روانہ کی گئی تھی، اس نے متعدد علاقے فتح کیے اور کامیاب واپس گئی - ان جنگوں میں اسلامی لشکر کو مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا - حری بن حری درحقیقت سنان بن سلمہ کی فوج کے ایک حصے کے سردار تھے[۱۰]

رجال و تاریخ کی کتابیں یہ نشان دہی نہیں کرتیں کہ انھوں نے کن صحابۂ کرامؓ سے سماع و روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا -

۱۱ - حکم بن منذر عبدی

ابو غیلان حکم بن منذر بن جارود عبدی بھی تابعین میں سے تھے - اپنے دور کے بلند مرتبہ شخص تھے - نہایت شجاع اور عالی ہمت تھے - سندھ اور اس کے گرد و نواح میں جہاد کے لیے آئے اور وہیں وفات پائی[۱۱]

---

[۱۰] العقد الثمین - ص ۱۳۷

[۱۱] تفصیلات کے لیے دیکھیے العقد الثمین، ص ۱۴۱ و ۱۴۲

ر

۱۲- راشد بن عمرو جدیدی عبدی ازدی

راشد بن عمرو بن قیس ازدی، تابعی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کے باپ عمرو بن قیس کو عراق میں ایک مکان عطا کیا تھا، جس کو "لولعۃ عمرو" کہا جاتا تھا۔ راشد بن عمرو نے حضرت عثمان کے عہدِ خلافت (۳۱ھ) میں ہرموز فتح کیا۔ پھر حضرت عثمان رضؓ ہی کے عہد میں فلات اور المبید کی جنگوں میں شامل ہوئے اور فتح حاصل کی۔ حضرت معاویہؓ کے ایامِ حکومت (۴۲ھ) میں بلادِ ہند اور سندھ کی لڑائیوں میں شرکت کی۔ سرزمینِ سندھ میں جامِ شہادت نوش کیا۔[۱۲]

ز

۱۳- زائدہ بن عمیر طائی کوفی

زائدہ بن عمیر طائی کوفی۔ ابن سعد نے ان کو کوفہ کے طبقہ ثالثہ کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمروؓ، جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور نعمان بن بشیرؓ ایسے اکابر صحابہ سے روایت کی۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو فتح سندھ کے وقت محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ جب محمد بن قاسم کی فوج نے دریائے بیاس عبور کر کے ملتان کی طرف پیش قدمی کی، یہ اس وقت اسلامی لشکر میں موجود تھے۔ مشرکین ہند نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی اور مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں آگے بڑھ کر شہرہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔[۱۳]

۱۴- زیاد بن حواری عمی

ان کا نام زیاد بن حواری تھا۔ ایک روایت کے مطابق زید بن حماری عبدی

---

[۱۲] العقد الثمین ص ۱۲۵۔ [۱۳] ایضاً ص ۱۹۱، بحوالہ فتوح البلدان ص ۴۳۶، چچ نامہ بھی دیکھیے۔

عمی، اور ایک روایت کے مطابق حواری بن زیاد تھا۔ جہادِ سندھ میں محمد بن قاسم کے دست و بازو تھے۔ محمد بن قاسم نے جن لوگوں کو داہر کا سر دے کر عراق بھیجا تھا، ان میں یہ بھی شامل تھے۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی تھے جو حضرت انس، حسن، معاویہ بن قرہ اور عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ خود ان سے اعمش، سبیعی، عبدالملک بن عمیر، ایوب بن موسیٰ۔ محمد بن فضیل بن عطیہ اور سلام الطویل وغیرہم نے روایت کی۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے[۱۳]

۱۵- ابو قیس زیاد بن رباح قیسی بصری

ابو قیس زیاد بن رباح بھی تابعی تھے۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ حضرت ابو ہریرہ سے اس حدیث کے یہی راوی ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات میتة جاھلیة۔

جو شخص طاعت کے دائرہ سے باہر نکلا اور جماعت سے الگ ہوا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ان کو ابن رباح بھی کہا جاتا ہے اور ابو رباح بھی۔ ان سے غیلان بن جریر اور حسن بصری روایتِ حدیث کرتے ہیں۔ عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں، ابنِ حبان ان کا شمار ثقات میں کرتے ہیں۔ ان کی روایت سے صحیح مسلم میں بھی حدیث درج ہے۔ یہ محمد بن قاسم کے ساتھ بغرضِ جہاد سندھ آئے تھے۔ علی بن حامد چچ نامہ میں کہتے ہیں، محمد بن قاسم نے جس جماعت کے ہاتھ داہر کا سر عراق بھیجا تھا، ابو قیس اس جماعت کے امیر تھے۔ اس جماعت میں ابو قیس کے علاوہ ذکوان بن علوان، یزید بن مجالد ہمدانی اور زیاد بن حواری عبدی وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے عراق جا کر ملوکِ ہند کے واقعات بیان کیے۔[۱۵]

---

[۱۴] العقد الثمین، ص ۲۱۵

[۱۵] العقد الثمین ص ۲۰۳ ــــ کتاب الکنیٰ والاسماء ج ۲، ص ۸۸، ۸۹ -

تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۳۶۶، ۳۶۷ - و ج ۱۲، ص ۲۰۷

س

۱۶۔ سعد بن ہشام انصاری

سعد بن ہشام بن عامر انصاری، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے اور تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت حدیث کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اپنے والدِ مکرم ہشام بن عامر انصاری، عبد اللہ بن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، سمرہ بن جندب، ایسے جلیل القدر صحابہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ خود ان کے شاگردوں میں حضرت حسن بصری حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی، حمید بن عبد الرحمٰن حمیری رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ کا کہنا ہے کہ یہ سرزمین مکران میں شہید کیے گئے[۱۶]

قتل فی ارض مکران علی احسن حالہ۔

امام بخاری نے بھی تاریخ الکبیر میں یہی الفاظ لکھے ہیں۔ امام نسائی، ابن سعد اور ابن حبان نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ انھوں نے ارض مکران میں غزوہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ تقریب التہذیب میں ہے کہ سعد بن ہشام ثقہ تھے اور محدثین کے طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سرزمینِ ہند میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شہید کیے گئے[۱۷]

۱۷۔ سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی

سعید بن اسلم بن زرعہ بن علس بن عمرو بن صعق، بنی ربیعہ بن کلاب سے تھے اور تابعی تھے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ الکبیر میں بتایا ہے کہ سعید بن اسلم نے اپنے موالی سے روایت کی، جو بنی غفار سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان سے

---

[۱۶] مکران۔ بضم المیم اس زمانے میں یہ ہندوستان کا ایک شہر تھا۔

[۱۷] العقد الثمین، ص ۱۷۹، ۱۸۰، ۳۰۵

بکیر بن اشج نے سماعِ روایت کی۔ ابن حبان نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ ابن ماکولا کا کہنا ہے کہ اسلم بن زرعہ خراسان کے والی تھے اور سعید بن اسلم سندھ کے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعید بن اسلم مکران کے والی بھی رہے اور وہیں قتل کیے گئے۔[۱۸]

۱۸۔ سعید بن کندیر

سعید بن کندیر بن سعید قشیری، یہ بھی تابعین کی مقدس جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے حالات اس سے زیادہ نہیں ملے کہ ذی الحجہ ۳۵ھ میں جب کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، یہ مکران کے امیر تھے اور مکران کا شمار اس زمانے میں بلادِ ہند میں ہوتا تھا۔[۱۹]

ش

۱۹۔ شمر بن عطیہ اسدی

شمر بن عطیہ بن عبد الرحمن اسدی، بنی مرہ بن حارث بن سعد بن ثعلبہ میں سے تھے۔ تابعین کی بلند مرتبت جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ثقہ راوی تھے۔ ان کی روایت سے احادیث مروی ہیں، جن میں سے ایک ابن اثیر میں ہے۔ اور وہ یہ ہے:

روی سفیان عن الاعمش عن شمر بن عطیۃ عن رجل من جھینۃ او مزینۃ۔ قال جاءت وفود الذئاب قریب من مأۃ ذیب حین صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال، ھذہ وفود الذئاب جاءت کم تسألکم لتفرضوا قوت طعامکم وتأمنوا ماسوی

---

[۱۸] العقد الثمین ص ۱۴۴ تا ۱۴۶۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۸۷۔ فتوح البلدان ص ۴۲۳۔ الاکمال ابن ماکولا۔ ج ۶، ص ۹۵۔ نیز ملاحظہ ہو التاریخ الکبیر امام بخاری۔ ج ۲۔ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۲۔ تاریخ الکامل ج ۴ ص ۱۴۷، تاریخ ابن خلدون ج ۳، ص ۱۳۷

[۱۹] تفصیل کے لیے دیکھیے العقد الثمین۔ ص ۹۷، ۹۸

ذلک - فشکوا الیہ اعاجۃ فادبرن ولھن عوا ء -

ایک یہ ہے: عن الاعمش عن شمر بن عطیۃ عن ابی حازم - قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر فی الظل و اصحابہ یقاتلون فی الشمس فاتاہ جبریل علیہ السلام فقال انت فی الظل و اصحابک یقاتلون فی الشمس فتحول الی الشمس -

یہ پہلی صدی ہجری کے وہ بزرگ ہیں جو جہادِ سندھ کے لیے محمد بن قاسم کے ساتھ واردِ سندھ ہوئے اور جہاد میں شرکت کی - بعض اصحاب تاریخ کے نزدیک ان کا نام شمر بن عطیہ اسدی نہیں ہے بلکہ بشر بن عطیہ اسدی ہے [۲۰]

ع

۲۰ - عباد بن زیاد بن ابوسفیان

عباد بن زیاد بن ابوسفیان بھی تابعی تھے - انھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے دو لڑکوں سے روایتِ حدیث کی جن کے نام عروہ بن مغیرہ اور حمزہ بن مغیرہ ہیں - خود ان سے امام زہری اور مکحول ایسے اکابر محدثین نے روایت کی - عباد بن زیاد سجستان کے راستے سے ۴۴ھ میں بلادِ ہند میں داخل ہوئے اور کچھ اور قندھار کے علاقوں میں غیر مسلموں سے جنگ کی - ان کو حضرت معاویہؓ نے ۵۳ھ میں سجستان کا والی مقرر کیا تھا [۲۱]

۲۱ - عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی

عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی ان لوگوں میں سے تھے جو خلافت عمر فاروق میں بطور

نمبر ۲۰ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو - العقد الثمین - ص ۲۱۲ و ۲۱۳ - طبقات ابن سعد ج ۷ - ص ۲۱۰ - اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۵۵ - فتوح البلدان ص ۲۷۸

۲۱ العقد الثمین ص ۱۳۷

خمس کے ان کے حصے میں آئے۔ عبدالمنعم بن ادریس کہتے ہیں، یہ اہل یمن سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی نجران میں آمد و رفت تھی۔ انھوں نے ولید بن عبدالملک کے عہد میں وفات پائی۔ صحابہ میں سے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، عثمان بن عفان، سعید بن زید، معاویہ، عمرو بن اوس اور عمرو بن عبسہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے شرف روایت حاصل کیا۔ تابعین میں سے نافع بن جبیر بن مطعم اور عبدالرحمٰن اعرج سے روایت کی۔ خود ان سے ان کے لڑکے محمد بن عبدالرحمٰن، یزید بن طلق، ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن، خالد بن ابو عمران اور سماک بن فضل وغیرہ نے سماع روایت کی۔ ترمذی میں طوافِ وداع کے بارے میں ان سے روایت مروی ہے۔ نسائی میں عمرو بن عبسہ سے ان کے قبولِ اسلام کے متعلق واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے: ضعیف لا تقوم بہ حجۃ۔ یہ حضرت عمرؓ کے مولیٰ تھے اور بیلمانی تھے[۲۲]۔ بیلمان بھیلمان کا معرب ہے جو سندھ گجرات، کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان ایک قصبہ تھا۔ یہ قصبہ جنید بن عبدالرحمٰن مری کی تگ و تاز سے ہشام بن عبدالملک کے عہد میں مفتوح ہوا[۲۳]۔

۲۲۔ عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمی قرشی

عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی۔ تابعی تھے ان کی والدہ کا نام ام فراس تھا جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے بعد سندھ آئے۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سماعِ روایت کی۔ سندھ ہی میں وفات پائی[۲۴]۔

---

[۲۲] طبقات ابن سعد۔ ج ۵ ص ۵۳۶۔ تہذیب التہذیب۔ ج ۶ ص ۱۴۹ و ۱۵۰

[۲۳] العقد الثمین۔ ص ۲۸۶ تا ۲۸۸

[۲۴] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ تاریخ طبری۔ ج ۶۔ ص ۳۷۳۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۴۔ ص ۱۸۷۔ تہذیب التہذیب۔ ج ۶ ص ۲۰۵۔ المعارف ابن قتیبہ ص ۵۶ جمہرۃ انساب العرب۔ ص ۷۱۔ العقد الثمین ص ۱۶۴ تا ۱۶۶

۲۳- عبدالرحمٰن سندھی

عبدالرحمٰن سندھی تابعین میں سے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے:

عبد الرحمٰن السندی، سمع انساً رضی - کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاکل ولا یتوضأ من اللحم[۲۵]

کہ عبدالرحمٰن سندھی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۲۴- عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کندی

عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس بن معدیکرب، بنو معاویہ بن حارث بن معاویہ میں سے تھے اور تابعی تھے۔ ۸۰ھ میں ان کو حجاج بن یوسف نے سجستان، بست اور رخج کے گورنر مقرر کرکے بھیجا۔ وہاں انھوں نے غور اور خلج وغیرہ ترک قبائل سے جنگ کی، اور اسی زمانے میں ان ملوکِ ہند سے جہاد کیا جن کی سرحدیں اس علاقے سے وابستہ تھیں۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بہادر، دلیر اور مجاہد تابعی تھے[۲۶]

---

[۲۵] التاریخ الکبیر۔ ج ۳۔ ص ۲۹۵

[۲۶] تفصیلات کے لیے دیکھیے ا جمہرۃ انساب العرب ص ۴۲۵ - العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۰ - مروج الذہب ج ۳ ص ۱۳۸ و ۱۳۹ - الاغانی ج ۴ ص ۱۷۴ - العقد الثمین۔ ص ۱۶۱ و ۱۶۲

۲۵- عمر بن عبید اللہ بن معمر قرشی تیمی

ابو حفص عمر بن عبید اللہ بن معمر قرشی تیمی، تابعی تھے۔ عرب کے نہایت سخی اور نیک لوگوں میں سے تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں کابل کا علاقہ فتح کیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہؓ کو سجستان کا والی مقرر کیا، اس وقت اشرافِ عرب میں سے یہی عمر بن عبید اللہ، عبد الرحمٰن بن سمرہ کے ساتھ تھے۔ یہ جنگ لڑتے اور فتوحات حاصل کرتے ہوئے حدودِ کابل میں پہنچے تو حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ کو اس کی اطلاع ملی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور ان کے پاس آئے۔ عمر بن عبید اللہ ضمیر کے مقام پر، جو دمشق سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے، حجاج بن یوسف کے ہاتھوں قتل ہوئے[۱]۔

ق

۲۶- قطن بن مدرک کلابی

قطن بن مدرک کلابی تابعی تھے اور اموی حکمران ولید بن عبد الملک کے ولاتِ امرا میں سے تھے۔ اسد الغابہ کی روایت کے مطابق ۹۳ھ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی نمازِ جنازہ قطن بن مدرک کلابی نے پڑھائی۔ جہادِ سندھ میں یہ محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ محمد بن قاسم جب سندھ کے محاذ پر مصروفِ جہاد تھے تو حجاج بن یوسف نے ان کے نام ایک مکتوب روانہ کیا تھا، جس میں قطن بن مدرک کلابی کی بہت تعریف کی تھی اور لکھا تھا کہ ان پر پورا اعتماد کیا جائے۔ یہ صادق القول اور وفادار شخص ہیں، ہمارے نزدیک قابلِ احترام ہیں اور خیانت و بددیانتی سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا ہے۔ حجاج نے سلیمان بن عبد الملک اور

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھیے، العقد الثمین۔ ص ۱۲۲ تا ۱۲۴

ولید بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں ان کو بحرین اور کوفہ کا والی مقرر کیا تھا ۲۸؎

۲۷- قیس بن ثعلبہ

قیس بن ثعلبہ تابعین کی پاک باز جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ کفارِ ہند سے جہاد کے لیے محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے اور دیبل کے محاذ پر شریکِ جنگ ہوئے۔ یہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث روایت کی:

روی عن ابن مسعود رض، کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فی الصلوٰۃ ۲۹؎

ک

۲۸- کرز بن ابی کرز عبدی حارثی کوفی

کرز بن ابو کرز تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان کے والد ابو کرز کا نام وبرہ تھا۔ یہ خاندان بنو عبد القیس سے تھے جو قبیلہ بنو حارث کی ایک شاخ تھا۔ کرز بن ابو کرز نے نعیم بن ابی ہند سے روایت کی اور خود ان سے امام سفیان ثوری، ابن شبرمہ، عبید اللہ وصافی، فضیل بن غزوان اور ورقا بن عمر نے روایت کی۔ حافظ ذہبی ان کو تابعی اور حافظ ابن حجر تبع تابعی قرار دیتے ہیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں، یہ کوفہ کے تابعین میں سے ہیں اور طبقہ رابعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ عباد میں سے تھے۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے، نہایت عابد و زاہد تھے۔ ہند سے ان کا یہ تعلق تھا کہ حضرت معاویہؓ کے ایامِ حکومت (۴۵ھ) میں قلات کی طرف جو مہم روانہ کی گئی اس میں شامل تھے۔ اس میں ان کو فتح حاصل ہوئی۔

۲۸؎ العقد الثمین۔ ص ۲۱۱ و ۲۱۲۔ اسد الغابہ ج ۱۔ ص ۱۲۹

۲۹؎ العقد الثمین۔ ص ۲۱۰۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۴۷۷

جب واپس آئے تو حضرت معاویہؓ نے ان کو پھر قلات بھیج دیا تھا۔[30]

۲۹- کہمس بن حسن قیسی بصری

ابوالحسن کہمس بن حسن قیسی تمیمی یا تمری بصری۔ تابعی تھے۔ انھوں نے محمد بن قاسم کی معیت میں سندھ پر حملہ کیا۔ عابد و زاہد تھے۔ ابن سعد نے ان کو طبقہ رابعہ کے بصری فقہا و محدثین اور تابعین میں سے گردانا ہے۔ ثقہ راوی حدیث تھے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عبداللہ بن بریدہ، عبداللہ بن شقیق اور عباس جریری سے احادیث سنیں۔ ان سے معاذ بن معاذ، خالد بن حارث، نضر بن شمیل، مقری اور وکیع بن جراح نے روایت کی۔ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ اس لشکر میں شامل تھے جس نے ۹۳ھ میں محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ پر حملہ کیا اور راجہ داہر سے جنگ لڑی ہے۔[31]

م

۳۰- مجاعہ بن سعر تمیمی

مجاعہ بن سعر[32] تمیمی اور ان کے بھائی قاسم بن سعر تمیمی عرب کے اشراف و اعیان

---

[30] تفصیلات کے لیے دیکھیے: العقد الثمین۔ ص ۱۳۰، ۱۳۱ و ۲۰۵ تا ۲۰۷ بحوالہ جمہرۃ انساب العرب۔ ص ۲۹۵۔ تاریخ الکبیر ج ۴۔ ص ۲۲۸۔ الاصابہ۔ ج ۳۔ ص ۲۰۳ و تہذیب التہذیب۔ ج ۱۱۔ ص ۱۱۱۔ الاسماء والکنیٰ ۲۔ ص ۹۲

[31] تفصیلات کے لیے دیکھیے: العقد الثمین۔ ص ۱۸۵ تا ۱۸۸۔ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۷۔ ص ۲۷۰۔ کتاب الکنیٰ والاسماء۔ ج ۱۔ ص ۱۴۸۔ تہذیب التہذیب۔ ج ۸۔ ص ۴۵۰ و ۴۵۱

[32] بکسر السین۔ العقد الثمین ۱۵۶۔ بحوالہ الاکمال ابن ماکولا

میں سے تھے۔ مجاعہ تابعی تھے اور شجاع و بلند ہمت شخص تھے۔ کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ سندھ و عمان کے والی مقرر ہوئے۔ اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے تھے۔ ان سے انھوں نے روایت بھی کی۔ جنگِ مکران میں شامل ہوئے اور وہاں کے والی مقرر کیے گئے۔ وفات بھی وہیں ہوئی[۳۳]

۳۱۔ ابوالیمان معلی بن راشد نبال ہذلی بصری

ابوالیمان معلی بن راشد نبال ہذلی بصری، سنان بن سلمہ کے مولی تھے اور تبع تابعی تھے۔ اپنی دادی ام عاصم، میمون بن سیاہ، حسن بصری اور زیاد بن میمون ثقفی سے سماعِ حدیث کی۔ اور ان سے یزید بن ہارون، عبداللہ بن صالح عجلی، روح بن عبدالمومن ابوبشر بن بکر بن خلف، نصر بن علی جہضمی، نعیم بن حماد، مسلم بن ابراہیم، معلی بن اسد حفص بن عبداللہ جعدی، ابراہیم بن موسیٰ اور احمد بن عبید اللہ بن صخر غدانی نے روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ کھانے کا برتن صاف کرنے کی حدیث ان ہی سے مروی ہے جو یہ اپنی دادی ام عاصم سے بواسطہ ہذیل ایک شخص نبیشۃ الخیر سے روایت کرتے ہیں۔ حدیث مع سند کے یہ ہے:

قال ابن سعد، اخبرنا عفان بن مسلم، قال حدثنی المعلی ابن راشد الهذلی قال حدثتنی جدتی ام عاصم عن رجل من هذیل یقال له نبیشة الخیر قالت دخل علینا نبیشة ونحن ناکل فی قصعة فقال لنا حدثنا النبی صلی الله علیه وسلم، انه من اکل فی قصعة ثم لحسها استغفرت له۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور نسائی نے ان کے بارے میں لیس بہ بأس کہا ہے۔

---

[۳۳] تفصیلات کے لیے دیکھیے: العقد الثمین۔ ص ۱۵۵ و ۱۵۶

۵۰ھ میں جب زیاد نے سنان بن سلمہ بن محبق کو سرحدات ہند کے مفتوحہ علاقوں کا والی مقرر کر کے بھیجا تو یہ اس جماعت میں شامل تھے جو اس وقت سنان بن سلمہ کے ساتھ تھی۔ انھوں نے سنان بن سلمہ کے زیر کمان جنگ قلات میں شرکت کی۔ اس سلسلے میں خود ابوالیمان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

قال غزونا مع سنان القیقان، فجاءنا قوم کثیر من العدد، فقال سنان: ابشروا فانتم بین خصلتین الجنة والغنیمة، ثم اخذ سبعة احجار ووا قف القوم، قال: اذا رأیتمونی قد حملت فاحملوا، فلما صارت الشمس فی کبد السماء رمی بحجر فی وجوه القوم وکبر، ثم رمی بها حجرا حجرا حتی بقی السابع، فلما زالت الشمس عن کبد السماء رمی بالسابع، ثم قال: "حم لا ینصرون" وکبر وحمل وحملنا معه، فمنحونا اکتافهم، فقتلناهم اربعة فراسخ، فاتینا قوما متحصنین فی قلعة، فقالوا: واللہ ما انتم قتلتمونا، ولا قتلنا الا رجال ما نراهم معکم الآن، علی خیل بلق، علیهم عمائم بیض، فقلنا: ذلک نصر اللہ، فرجعنا۔ واللہ۔ ما اصیب منا الا رجل واحد، فقلنا لسنان: واقفت القوم حتی اذا زالت الشمس واقعتهم؟ قال۔ کذلک کان یصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[۳۱]

یعنی ابوالیمان کہتے ہیں، ہم سنان کے زیر کمان قلات کے محاذ جنگ پر آئے تو ہمارے سامنے دشمن کی بہت بڑی فوج کھڑی تھی۔ سنان نے ہم سے کہا تم خوش رہو۔ تمھیں دو چیزوں میں سے ایک ملنے والی ہے۔ جنت یا غنیمت۔ پھر انھوں نے سات پتھر اٹھائے اور قوم کو روک لیا۔ کہا، جب تم دیکھو کہ میں نے حملہ کر دیا ہے تو تم بھی حملہ کر دو۔ پھر جب آفتاب آسمان کی اوسط میں آیا تو انھوں نے دشمن کی طرف ایک پتھر پھینکا اور اللہ اکبر کہا۔ پھر ایک

۳۱؎ العقد الثمین۔ ص ۱۳۵ و ۱۳۶

ایک پتھر پھینکتے گئے۔ یہاں تک کہ ساتواں پتھر باقی رہ گیا۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو ساتواں پتھر بھی پھینک دیا اور کہا: حم لا ینصرون اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی حملہ کر دیا، ہم نے بھی حملہ کر دیا۔ دشمن کی فوج نے اپنے کندھے ہم کو دے دیے۔ یعنی ہمارے آگے بھاگ کھڑی ہوئی اور ہم چار فرسخ تک اس کو قتل کرتے گئے۔ اس طرح دشمن کے پیچھے چلتے چلتے ہم ایک قلعہ بند فوج کے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے ہم سے کہا۔ خدا کی قسم، تم نے ہم کو قتل نہیں کیا۔ جن لوگوں نے ہم کو قتل کیا ہے ان میں سے تو اب ایک بھی تم میں ہم کو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ وہ تو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا، یہ اللہ کی نصرت ہے۔ ہم نے واپس آکر سنان سے پوچھا۔ آپ نے قوم کو روک لیا اور آفتاب ڈھلا تو اس پر حملہ آور ہوئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔

۳۲- موسیٰ سیلانی

موسیٰ سیلانی تابعی تھے اور سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مقدمہ ابن الصلاح کے "بیان معرفۃ الصحابہ" میں بتایا گیا ہے کہ ہم نے شعبہ سے روایت کی اور شعبہ نے موسیٰ سیلانی سے کی اور ان کی تعریف فرمائی۔ وہ روایت یہ ہے کہ موسیٰ سیلانی نے حضرت انسؓ سے ملاقات کی۔ الفاظ یہ ہیں:

لقیت انس بن مالك، فقلت هل بقی من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم احد غیرك؟ فقال بقی ناس من الاعراب، قد رأوه اما من صحبه فلا۔

(موسیٰ سیلانی کہتے ہیں) میں حضرت انسؓ بن مالک سے ملا اور ان سے پوچھا کیا آپ کے سوا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی اور بھی باقی ہے؟ فرمایا چند ایسے اعراب باقی ہیں، جنھوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو ہے مگر انھیں آپؐ سے شرفِ صحبت

حاصل نہیں ہے

اسنادہٗ جید، حدث بہ سلہ بحضرۃ ابی زرعۃ، وذکرہٗ ابن ابی حاتم الرازی، وابن الاثیر الجزری۔ ووثقہ یحیی بن معین[۳۵]

۳۳۔ موسیٰ بن یعقوب ثقفی

موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی، مشہور فقیہ تھے۔ یہ عربی نژاد تھے اور محمد بن قاسم کے زمانے میں سندھ میں سکونت گزین ہو گئے تھے۔ عرب کے اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جس سے فاتح سندھ محمد بن قاسم کا تعلق تھا۔ حدیث وفقہ میں ماہر تھے۔ اسی بنا پر محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں ان کو شہر ارور کی مسندِ قضاوخطابت پر فائز کر دیا تھا۔ یہ پورے سندھ کے قاضی القضاۃ بھی رہے۔ محمد بن قاسم نے ان کو ارور کے قاضی اور احنف بن قیس کے نواسے رواح بن اسد کو وہاں کے والی مقرر کیا اور رعیت سے حسنِ سلوک اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی۔ اس ضمن میں چچ نامہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

چوں محمد بن قاسم اہلِ دار الملک ارور را تحت اقتدار ومطاوعت خود آورد وہمگناں مطیع ومامور گشتند، رواح بن اسد از نواسگانِ احنف بن قیس را بہ ایالت ارور نصب کرد، وامورِ شرعی ومہم دارِ قضاوخطابہ بصدر الامام الاجل العالم، برہان الملۃ والدین سیف السنۃ ونجم الشریعۃ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بازگذاشت وفرمود با رعایا را استمالت واجب بیند وفرمان، یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر مہمل نماند وہر دو را برعایت خلق ورعیت وصیت کرد ومثال مطلق داد[۳۶]

---

[۳۵] مقدمہ ابن الصلاح۔ ص ۱۴۶۔ العقد الثمین ص ۲۸۶

[۳۶] چچ نامہ۔ ص ۲۲۵

یعنی جب محمد بن قاسم نے دار السلطنت ارور کو اپنے تحتِ اقتدار اور زیرِ نگین کر لیا اور سب لوگ اس کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے تو رواح بن اسد کو جو احنف بن قیس کے نواسوں میں سے تھا، اس کا گورنر مقرر کیا اور امورِ شرعیہ، معاملاتِ دار القضا اور منصبِ خطابت، صدر الامام الاجل العالم، برہان الملۃ والدین، سیف السنۃ و نجم الشریعۃ، موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ رعایا کی دل جوئی کو اپنے اوپر لازم قرار دیں اور ساتھ ہی کہا کہ فرمانِ خداوندی کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ پھر دونوں کو عوام اور رعایا سے رعایت کرنے کی تاکید کر کے سند خود مختاری عطا کی۔

موسیٰ بن یعقوب ثقفی کا خاندان علمی و فقہی اعتبار سے، دیارِ ہند کا مشہور ترین خاندان تھا اور ان کے اخلاف کو ہر دور میں عزت و احترام کے مستحق گردانا جاتا تھا۔ یہ خاندان سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ) کے عہد تک موجود تھا۔ کمال الدین اسماعیل بن علی بن محمد ثقفی ایک بہت بڑے عالم تھے، جو اسی خاندان کے فرد تھے اور ۶۱۳ھ میں شہر ارور کے عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ چچ نامہ عربی زبان میں ان ہی کے بزرگوں میں سے کسی اہلِ علم کی تصنیف تھی، جس کو بعد میں ابن علی کوفی نے فارسی زبان میں منتقل کیا۔ [۳۷]

اس خاندان کے ہر بزرگ کو صدر الامام الاجل، بدر الملۃ والدین، صدر السنۃ و نجم الشریعہ کے پر اعزاز القاب سے ملقب کیا گیا۔ [۳۸]

۲۴۔ مولائے اسلام دیبلی

محمد بن قاسم ۹۳ھ میں ساحل سندھ پر اترے اور ان سے ملتے ہی سندھ کے

---

[۳۷] تاریخ سندھ۔ از سید ابوظفر ندوی۔ ص ۳۵۶

[۳۸] نزہۃ الخواطر۔ ج اوّل۔ ص ۴۴

بعض لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے، ان میں سے ایک شخص مولائے اسلام تھے جن کو تاریخ میں "مولائے اسلامی" "مولائے دیبلی" اور "مولائے اسلام دیبلی"، [دیبل] کے مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ نہایت فہیم و فریس تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ پہلے سے پڑھے لکھے تھے اور راجہ داہر کے سرکاری حلقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلامی تعلیم بھی انھوں نے بہت جلد حاصل کر لی، جس کی وجہ سے محمد بن قاسم کے نزدیک قابلِ اعتماد سمجھے جانے لگے۔ عربی زبان پر بھی انھوں نے بہت تھوڑے عرصے میں عبور حاصل کر لیا تھا۔ چچ نامہ کی روایت کے مطابق جب محمد بن قاسم نے وادیٔ سندھ میں قدم رکھا اور حالات کا جائزہ لیا تو اپنے ایک شامی مشیر کو قاصد کی حیثیت سے داہر کے پاس بھیجا اور بطور ترجمان کے مولائے اسلامی کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ داہر کے دربار میں پہنچے تو مروجہ درباری آداب بجا لائے اور راجہ کو سر جھکا کر سلام کیے بغیر بیٹھ گئے۔

داہر مولائے اسلامی کو جانتا تھا لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اس نے سلام و کورنش کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا۔

چرا برقرار قانونِ شرطِ خدمت را اقامت نمودی، مگر ترا منع و زجر کردہ اند۔؟

تم نے درباری آداب و قواعد کی شرط پوری کیوں نہیں کی؟ شاید تمھیں اس سے روک دیا گیا ہے؟

مولائی جواب گفت: من آں وقت در کیش شما بودم، واجب بودی بر من تا شرطِ عبودیت بجا آوردم۔ واکنوں بعز اسلام مشرف گشتہ ام و تعلق ما بہ پادشاہِ اسلام شد، شرط نباشد کہ پیش کافر سر فرود آرم۔

مولائے اسلامی نے جواب دیا۔ جب میں تمھارے مذہب میں داخل تھا، اس وقت درباری نوعیت کی بندگی و نیازمندی کے قواعد پر عمل کرنا میرے لیے ضروری تھا۔ لیکن اب کہ

[دیبل] دیبل، اسی جگہ آباد تھا، جہاں آج کل ٹھٹھہ ہے۔ (تاریخ فرشتہ۔ (اردو ترجمہ) ج۲، ص ۴۹۸)

میں شرفِ اسلام سے مشرف ہو گیا ہوں اور میرا تعلق بادشاہِ اسلام سے قائم ہو چکا ہے، مجھ پر کافر کے آگے سر جھکانا واجب نہیں رہا۔

داہر، ان سے اس اندازِ گفتگو کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ اس نے نہایت خفگی کے عالم میں مولائے اسلامی سے کہا:

اگر تو رسول نہ بودی ترا سیاست فرمودم تا ترا بعقوبت بکشندی۔

اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے اس قدر سزا دیتا کہ تو موت کے گھاٹ اتر جاتا۔

مولائے اسلامی نے جواب دیا۔

اگر اتفاق تو بر کشتن ماست، عرب را زیانی نباشد و بجہت باز طلب خون ما انصاف ستانان ہستند بعطا لبت تو کفاف باشند[۱]

اگر تو مجھے قتل بھی کرا دے تو اس سے عربوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ میرے خون کا انتقام لینے والے موجود ہیں جن کا ہاتھ تیرے دامن تک ہر حال میں پہنچ کر رہے گا۔

ی

۴۵۔ یزید بن ابو کبشہ سکسکی دمشقی

یزید بن ابو کبشہ بن یسار۔ یزید کے والد ابو کبشہ کا نام جبریل تھا۔ یہ تابعی تھے۔ ان کو ولید بن عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد بصرہ کے والی مقرر کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنے باپ ابو کبشہ اور مروان بن حکم سے بھی روایت کی اور حضرت شرجیل بن اوس ابوالدرداء اور بعض دیگر صحابہؓ سے بھی شرفِ روایت حاصل کیا۔ خود اُن سے ابو البشر، حکم بن عتیبہ، علی بن اقمر، معاویہ بن قرہ اور ابراہیم بن عبدالرحمٰن سکسکی روایت کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں: کان عریف السکاسک۔ کہ یہ سکسکیوں کے امیر

---

[۱] چچ نامہ۔ ص ۱۳۶ و ۱۳۷

اور سرگردہ آدمی تھے۔ ابنِ حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے سفر میں روزہ رکھنے کے قائل تھے۔ فکان یزید بن ابی کبشۃ یصوم فی السفر حجاج کے زمانے میں امیرِ جنگ کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ ان کی روایت سے احادیث بھی مروی ہیں جن میں ایک مستدرک حاکم میں بطریق ابی بشر روایت کی گئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

سمعت یزید بن ابی کبشۃ یخطب بالشام، یقول: سمعت رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یحدث عبد الملک بن مروان، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال اذا شرب الخمر فاجلدوہ۔

یعنی ابو البشر کہتے ہیں، میں نے شام میں یزید بن ابو کبشہ سے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ سنے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک صحابی سے سنا ہے[۱۴۳]، وہ عبد الملک بن مروان کو بتا رہے تھے کہ کوئی شراب نوشی کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔

ایک روایت یزید بن ابی کبشہ عن ابی الدرداء امام محمد بن حسن کی کتاب الآثار میں بھی درج ہے۔ انھوں نے سندھ میں آنے کے اٹھارہ دن بعد ٩٦ھ میں وفات پائی[۱۴۴]۔

٣٦۔ یزید بن مفرغ حمیری

ابو عثمان یزید بن زیاد بن ربیعہ بن مفرغ حمیری تابعی تھے۔ بہترین شاعر

---

[۱۴۳] امام حاکم، ابو علی نیشاپوری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ صحابی شرجیل بن اوس ہیں۔

[۱۴۴] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: العقد الثمین۔ ص ۲۲۸ تا ۲۳۰ جمہرۃ انساب العرب ص ۴۳۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۵۔ تاریخ ابن خلدون ج ۳۔ ص ۱۳۸۔ کتاب المعارف ص ۱۵۷، ۱۵۸۔

بھی تھے - انھوں نے عبید اللہ بن زیاد اور ان کے بیٹوں کی ہجو کی تھی، جس کے نتیجے میں ان کو علاقہ بدر کر دیا گیا تھا - کچھ عرصہ قید میں بھی رہے - نہایت متدین اور صابر و قانع تھے - جس زمانے میں عباد بن زیاد نے ارضِ ہند اور قندھار میں جنگ لڑی، یہ بھی ایک فوجی کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھے[۴۳]

---

[۴۳] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۴۴ - فتوح البلدان ص ۴۲۲ - العقد الثمین ص ۱۳۸،۳۷

دوسری صدی ہجری

الف

۱ - ابو عیینہ بن مہلب ازدی

ابو عیینہ بن مہلب ازدی تبع تابعی تھے۔ اعمش سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے محمد بن عیینہ نے روایت کی جو شاعر بھی تھے۔ علاوہ ازیں عباس عنبری بھی ان سے راوی ہیں۔ یہ سندھ میں فروکش تھے۔ یہ تیرہ آدمی تھے، جو قندابیل سے قید کر کے یزید بن عبد الملک کے سامنے پیش کیے گئے اور اس کے حکم سے ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ یہ تمام لوگ مہلب کی اولاد میں سے تھے[۱]۔

۲ - اسرائیل بن موسیٰ بصری

اسرائیل بن موسیٰ بصری کو ان کی کنیت سے بھی پکارا جاتا ہے جو ابو موسیٰ بصری ہے۔ یہ تبع تابعین کی خوش بخت جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ دراصل بصرہ کے باشندے تھے مگر ہند میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت حسن بصری، ابو حازم اشجعی، محمد بن سیرین اور وہب بن منبہ ایسے اکابر تابعین سے روایت حدیث کی، جنھوں نے براہ راست صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے سماعِ حدیث و روایت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ خود اسرائیل

---

[۱] العقد الثمین۔ ص ۲۴۶ — لسان المیزان۔ ج ۵۔ ص ۳۲۷، ۳۲۷۔ وفیات الاعیان۔ ج ۲۔ صفحہ ۲۱۴۔ الکامل۔ ج ۶۔ ص ۱۲۵۔ فتوح البلدان۔ ص ۴۵۴

بن موسیٰ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں عظیم القدر حضرات شامل ہیں، جن میں مشہور محدث سفیان ثوری، ابن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان اور حسین بن علی جعفی کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دیارِ ہند میں بضمن سفرِ تجارت آمد و رفت رکھتے تھے۔ کان یسافر الی الھند۔

صحیح بخاری میں ان کے سلسلۂ روایت سے ایک حدیث مروی ہے، جو چار مقامات پر درج ہے: ولہ فی صحیح البخاری فرد حدیث مکرر فی اربعۃ مواضع۔

ابوحاتم اور یحییٰ ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین ان کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اسرائیل صاحب الحسن ثقۃ۔

یعنی امام حسن بصریؒ کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ ثقہ راوی ہیں۔

ابوحاتم نے ان سے متعلق لابأس بہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اسی طرح امام نسائی کا فرمان ہے: لیس بہ بأس۔

صرف تنہا امام ازدی ہیں، جن کا نقطۂ نظر ان کے بارے میں ان تمام محدثین سے مختلف ہے۔ وہ ان کو "لین" یعنی روایت میں کمزور قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، یہ وہ اسرائیل بن موسیٰ نہیں ہیں جنھوں نے وہب بن منبہ سے روایت کی اور جو امام سفیان ثوری کے استاذ ہیں، بلکہ وہ ایک یمانی شیخ تھے۔

سمعانی "الانساب" میں ان کے انتساب الی الہند سے متعلق رقم طراز ہیں:

ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الھندی بصری کان ینزل الھند فنسب الیھا۔

یعنی ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ ہندی، دراصل بصرہ کے باشندے تھے۔ چونکہ سفرِ تجارت کے سلسلے میں ان کا ہندوستان آنا جانا تھا، لہٰذا ہندی کہلائے۔ یہ محدثین

کے طبقہ سادسہ سے تعلق رکھتے تھے۔[۲]

بہرحال صورتِ واقعہ خواہ کچھ بھی ہو، حقیقتاً یہ بصری ہوں یا ہندی۔ خطۂ ہند سے ان کا گہرا تعلق تھا اور سکونت و اقامت کے اعتبار سے "ہندی" مشہور تھے اور پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ اتنا بڑا محدث و فقیہ اس قطعہ ارضی سے کسی نہ کسی صورت میں منسلک تھا۔

۳۔ اسماعیل بن ابراہیم قیقانی

اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم قیقانی بصری۔ یہ درحقیقت قلات کے رہنے والے تھے۔ کوفہ کے قبیلہ اسد خزیمہ کے ایک شخص عبدالرحمٰن بن قطبہ اسدی کے مولیٰ تھے۔ قلات کا علاقہ پہلی مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حارث بن مرہ عبدی کے زیرِ کمان فتح ہوا۔ معلوم ہوتا ہے اسماعیل بن ابراہیم وہاں کے قیدیوں کے ساتھ عراق پہنچے اور پھر وہیں رہائش اختیار کر لی۔ ان کی کنیت ابوبشر تھی۔ علمِ حدیث میں ثقہ، ثبت اور حجت تھے۔ اپنی قابلیت اور علمی فوقیت کی بنا پر بصرہ کے محکمہ صدقات کے مہتمم مقرر ہوئے۔ ہارون الرشید کے عہدِ آخر میں بغداد منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں انھوں نے اور ان کے لڑکے ——— ابراہیم ——— نے رہائش کے لیے ایک مکان بھی خریدا۔ سہ شنبہ کے روز ۱۲۔ ذی العقدہ ۱۹۳ھ کو بغداد میں فوت ہوئے اور دوسرے روز چہار شنبہ کو عبداللہ بن مبارک کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے دن مشہور محدث وکیع بن جراح بھی بغداد میں موجود تھے۔ نمازِ جنازہ ان کے لڑکے ابراہیم بن اسماعیل نے پڑھائی۔[۳]

---

[۲] الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۵۹۳ زیر لفظ الہندی۔ تہذیب التہذیب۔ ج ۱، ص ۲۶۱۔ نزہۃ الخواطر۔ ج ۱، ص ۲۳

[۳] العقد الثمین۔ ص ۲۹۵

ج

۴- جنید بن عمرو عدوانی مکی

جنید بن عمرو عدوانی مکی مقری، آلِ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تبع تابعین میں سے تھے اور ان کو قاری اہلِ مکہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ انھوں نے مجاہد سے پڑھا۔ مکہ مکرمہ میں ان سے اور عبداللہ بن کثیر سے بڑھ کر کوئی قاری نہ تھا۔ فتح سندھ کے زمانے میں محمد بن قاسم، ساوندری کے مقام پر پہنچے تو بہرادر میں قیام کیا۔ وہاں سے فوج کے ایک دستے کو جنید بن عمرو کی سرکردگی میں بھرگ (یا بہرایچ) روانہ کیا۔[۴]

ح

۵- حکم بن عوانہ بن عیاض کلبی

حَکَم بن عوانہ بن عیاض بن وزر بن عبد الحارث۔ یہ تابعی تھے اور بنو کلب بن وبرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دو مرتبہ سرزمین ہند میں عَلَم جہاد بلند کیا۔ ایک مرتبہ محمد بن قاسم کی معیت میں شریک جہاد ہوئے اور کئی شہروں کو فتح کر کے ان پر اسلامی پرچم لہرایا۔ دوسری مرتبہ تمیم بن زید قیسی کے بعد ہشام بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں، والئ سندھ بن کر آئے۔ اس مرتبہ بھی کفارِ ہند کے ساتھ معرکہ آرا ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔ ورودِ سندھ سے قبل یہ ہشام کی طرف سے خراسان کے والی بھی مقرر ہوئے تھے۔ سندھ ہی میں ۱۲۲ھ کو قتل کیے گئے۔[۵]

---

[۴] العقد الثمین۔ ص ۲۱۲

[۵] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: العقد الثمین۔ ص ۱۹۹ تا ۲۰۱ جمہرۃ انساب العرب۔ ص ۴۵۹۔ تاریخ ابن خلدون۔ ج ۲۔ ص ۸۶۔ فتوح البلدان۔ ص ۴۳۰۔ لسان المیزان ج ۲۔ ص ۳۶۸۔ تاریخ الکامل ابن اثیر۔ ج ۴ ص ۲۲۴

۲

۶- ربیع بن صُبیح سعدی بصری

ان کی کنیت ابو بکر اور ایک روایت کے مطابق ابو حفص تھی۔ باشندگان بصرہ میں سے تھے اس لیے بصری مشہور ہوئے اور بنو سعد بن زید مناۃ بن تمیم کے مولیٰ تھے، اس لیے سعدی کہلائے۔ جلیل القدر تابعی تھے۔ حضرت حسن بصری، حمید الطویل یزید رقاشی، ابو الزبیر ثابت بنانی اور مجاہد بن جبیر وغیرہم عظیم المرتبت حضرات کے شاگرد تھے۔ خود ان کے شاگردوں میں سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، وکیع، عاصم بن علی اور ابن مہدی ایسے اعاظم رجال کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے محدثانہ نقطۂ نظر سے ان کے بارے میں مختلف محدثین کی آرا تفصیل سے بیان کی ہیں، جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔ زعمائے اسلام میں سے تھے۔ بصرہ کے بہت بڑے عالم، عابد و زاہد اور قائم اللیل تھے۔ یہ وہ تابعی ہیں، جنھوں نے باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا اور مجاہدینِ عرب کے ساتھ سرزمینِ ہند میں داخل ہوئے۔ محمد بن المثنیٰ وغیرہ کے بقول ۱۶۰ھ میں علاقۂ سندھ میں وفات پائی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق جہاد کی غرض سے بحری راستے سے عازمِ سندھ ہوئے۔ سمندر ہی میں وفات پائی اور جزائرِ ہند کے ایک جزیرہ میں دفن کیے گئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بصرہ میں کوئی کتاب تصنیف کی۔ اول من صنف بالبصرۃ۔[۵۶]

ان کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ۱۵۹ھ میں عرب تاجروں کو اہلِ گجرات سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ اس کے ازالہ کے لیے مشہور عباسی خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کے زیرِ کمان ایک بحری بیڑا روانہ کیا۔ یہ بیڑا ۱۶۰ھ

---

۵۶ تہذیب التہذیب ج ۲۔ ص ۲۴۷

میں بھاڑبھوت پہنچا، جو بھڑوچ سے سات میل کے فاصلے پر بجانب مغرب ایک کچی بندرگاہ تھی اور جہاں جہاز سمندر کے مدوجزر کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ زمین پر قدم رکھتے ہی اسلامی فوج نے حملہ کر دیا۔ ان فوجوں میں بہت سے رضا کار بھی تھے، جن کے سالار ابو بکر ربیع بن صبیح سعدی بصری تھے، جن کی ایک کنیت ابو حفص تھی۔ ان کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ انھوں نے اسلامی فوج کے سامنے جہاد کے موضوع سے متعلق زبردست تقریر کی اور اس کو جہاد کے لیے جوش دلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب مسلمانوں نے حملہ کر دیا اور مخالفینِ اسلام، اسلامی فوج کے پُرجوش حملوں کو روک نہ سکے۔

حملے کی تاب نہ لاکر باشندگانِ گجرات شہر میں چلے گئے اور پھاٹک بند کر لیا۔ اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ نے طول پکڑا تو لوگ تنگ آ گئے۔ آخر ایک دن عرب فوج شہر میں داخل ہو گئی اور شہر فتح کر لیا گیا۔ لوگ بھاگ کر بدھوں کے ایک عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ عربوں کو اس عبادت خانے پر قلعہ کا شبہ گزرا اور انھوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا اور جلد فتح کرنے کے لیے آتش گیر مادّہ پھینکا، جس سے عبادت خانہ میں آگ بھڑک اٹھی۔ کچھ لوگ جل کر مر گئے، باقی گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلے، جو تہ تیغ کر دیے گئے۔ اس جنگ میں انتیس عرب مسلمان بھی شہید ہو گئے۔ اتفاق سے یہ وہ دن تھے، جب وہاں ایک میلہ لگتا تھا، جس میں گردو نواح سے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے، چونکہ میلے میں شامل ہونے والوں کا بہت بڑا اژدحام تھا اور ساتھ ہی اس آتش گیر مادّے کا اثر فضا میں پھیلا ہوا تھا، اس لیے شہر میں وبا پھوٹ پڑی، جس سے ایک ہزار مسلمان سپاہی بھی شہید ہو گئے۔ ان ہی میں ابو بکر ربیع بن صبیح سعدی بصری بھی تھے[۷۵] جو عظیم تابعی، محدث، اور فقیہ تھے اور جن کا تعلق سرزمین

---

[۷۵] تاریخ الکامل، ابن اثیر۔ ج ۵ : ص ۵۵۔ مطبوعہ المنیریہ، مصر (۱۳۵۷ھ)

سندھ یا ہند سے تھا۔

ع

۷۔ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی

حافظ الحدیث ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد دمشقی تبع تابعی تھے۔ ۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور عطاء بن ابی رباح، قاسم بن مخیمرہ، شداد بن ابی عمار، ربیعہ بن زید، زہری، محمد بن ابراہیم تیمی، یحییٰ بن ابی کثیر اور بہت سے محدثین سے روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔ امام محمد بن سیرین کی خدمت میں گئے تو وہ بسترِ مرض پہ دراز تھے۔ ایک قول کے مطابق ان سے سماعِ حدیث کیا۔ خود امام اوزاعی سے، ائمہ حدیث میں سے، عبداللہ بن مبارک، شعبہ، ولید بن مسلم، ہقل بن زیاد، یحییٰ بن حمزہ، یحییٰ قطان، ابو عاصم، ابو المغیرہ، محمد بن یوسف فریابی اور خلقِ کثیر نے حدیث و روایت سنی۔ آخر عمر میں بیروت چلے گئے تھے، پھر وہیں فوت ہوئے۔ ان کو "امام السنۃ الشام" کہا جاتا ہے۔ درحقیقت اسیرانِ سندھ میں سے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی کی وضاحت کے مطابق کان من سبی السند۔

ان کے حالات و واقعات تاریخ و رجال کی تمام کتابوں میں تفصیل سے مرقوم ہیں۔ الوزرعہ دمشقی کہتے ہیں۔ آمدنی کا ذریعہ کتابت و ترسّل ٹھہرا لیا تھا اور اس میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ بعلبک میں پیدا ہوئے۔ والد وفات پا گئے تھے۔ ماں کی گود میں یتیمی کے عالم میں پرورش پائی، لیکن اس درجہ بلند مرتبے پہ پہنچے کہ ملوک و سلاطین، علم و ادب کے لیے اپنے بچوں کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ ضرورت سے زائد بات زبان سے نہ نکالتے۔ بہت بڑے مجتہد، عالمِ حدیث اور فقیہ تھے۔ ان کے ہم عصر بعض ائمہ نے ان کو اپنے دور کے "عالم الامت" قرار دیا ہے۔ حکم کہتے ہیں، اوزاعی اپنے عصر کے عموماً اور اہلِ شام کے خصوصاً امام تھے۔ ابو اسحاق خزاری کہتے ہیں کہ امام اوزاعی فرمایا کرتے تھے، صحابہ و تابعین پانچ چیزوں کے پابند تھے اور وہ یہ ہیں، التزامِ جماعت، اتباعِ سنت، آبادیٔ مساجد، تلاوتِ قرآن مجید اور جہاد فی سبیل اللہ۔

ان کے حالات نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں، جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اس عظیم محدث وفقیہ کا تعلق برصغیر پاک و ہند کے علاقہ سندھ سے بھی تھا۔[۸] انھوں نے بہتر سال کی عمر پاکر ۲ صفر ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔

۸۔ عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیبلی

عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیبلی سندھی بصری، تبع تابعین میں سے تھے۔ یعنی انھوں نے ان ائمہ حدیث سے فیض علم حاصل کیا۔ جن کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بزرگ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے جو قبیلہ ثقیف ہی کے فرد تھے۔ پھر وہ سندھ کے شہر دیبل میں رہائش پذیر ہو گئے۔ عبدالرحیم کی ولادت وہیں ہوئی۔ ان کے علم و فضل کی وسعتوں کے آگے جب سندھ کی سرزمین تنگ دکھائی دینے لگی تو یہ بصرہ چلے گئے اور بصرہ ہی میں رہائش اختیار کر لی۔ انھوں نے اعمش اور عمرو بن عبید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اہل عراق نے احادیث سنیں۔ محدثانہ نقطۂ نظر سے ان کے بارے میں مختلف ائمۂ حدیث نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ بیہقی نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عقیلی کا قول ہے کہ یہ اعمش سے مناکیر روایت کرتے ہیں۔ بہرحال برصغیر پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ سندھ کے ائمہ حدیث میں سے تھے اور تبع تابعی تھے۔[۹]

---

[۸] تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی۔ ج ۱، ص ۱۶۸ تا ۱۷۲

[۹] تفصیلات لسان المیزان ج ۴، ص ۱۰۴۔ تاریخ بغداد ج ۸، ص ۲۱۵، اور العقد الثمین ص ۲۹۲ اور ۲۹۳ میں دیکھیے

۹- عبداللہ بن محمد علوی

عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم۔ ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں حضرت علی رضؓ سے ملتا ہے۔ یہ ہاشمی قرشی تھے اور عبداللہ اشتر کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والدِ ماجد کو محمد نفسِ زکیہؒ اور جدِّ امجد کو عبداللہ المحض کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے یہ پہلے شخص ہیں، جن کے قدوم میمنت لزوم کی زیارت سے ارضِ ہند، سعادت اندوز ہوئی۔ یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ حدیث و فقہ کی تعلیم اپنے عظیم القدر باپ محمد نفسِ زکیہ سے حاصل کی۔ عباسی خلیفہ منصور کے ایامِ خلافت میں واردِ ہند ہوئے۔ اس زمانے میں منصور کی طرف سے عمر بن حفص عتکی علاقہ سندھ کے منصبِ ولایت پہ متمکن تھا۔

عبداللہ کے ورودِ سندھ کی وجہ یہ ہوئی کہ والیٔ سندھ عمر بن حفص عتکی، حکومتِ منصور کے اُن سرکردہ ارکان میں سے تھا، جو اُن کے والد محمد بن عبداللہ سے باقاعدہ بیعت تھے اور ان سے ہمدردانہ تعلق رکھتے تھے۔ محمد بن عبداللہ نے خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا تو اپنے اس بیٹے کو بصرہ بھیجا۔ وہ اور ان کے ساتھی بصرہ سے بذریعہ بحری راستہ، عمر بن حفص کے پاس سندھ پہنچے۔ عبداللہ بن محمد تو کہیں چھپ گئے، لیکن ان کے ساتھی، عمر بن حفص سے ملاقی ہوئے۔ ان کے پاس گھوڑے تھے جو انھوں نے بصرہ سے خریدے تھے۔ عمر کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو گھوڑے لانے کا حکم دیا۔ انھوں نے کہا، ہم تمھارے پاس ایک ایسی چیز لے کر آئے ہیں جو ان گھوڑوں سے زیادہ بہتر ہے اور جس میں تیرے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ ہم تم سے امان کے طالب ہیں یا تو وہ چیز قبول کر لو، یا اسے چھپا لو اور ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر تم کہو گے تو ہم تمھارے اس ملک سے چلے

جائیں گے۔

عمر بن حفص نے ان کو امان دے دی تو انھوں نے اپنی آمد کا پس منظر بیان کیا اور عبداللہ بن محمد کے متعلق ساری بات سنائی اور کہا کہ ان کے والد محمد نے ان کو تمھارے پاس بھیجا ہے۔ عمر نے اس پر مسرت کا اظہار کیا، ان سب کو خوش آمدید کہا اور عبداللہ کو خفیہ طریقے سے کسی جگہ رکھا۔ خود اس کی بیعت کی، اور شہر کے سرکردہ لوگوں اور اپنے اہلِ خانہ کو بیعت کے لیے کہا۔ سب لوگ ان کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے تو عمر بن حفص کی بیوی نے اپنے شوہر کو اطلاع دی کہ عبداللہ کے والد محمد نفسِ زکیہ کو منصور کے خلاف خروج کے نتیجے میں قتل کر دیا گیا ہے۔ عمر بن حفص کو اس کا بہت افسوس ہوا۔ وہ عبداللہ کے پاس گیا، ان کو والد کے قتل کی خبر پہنچائی اور اظہارِ تعزیت کیا۔

والد کے قتل کی خبر سن کر عبداللہ بہت مغموم ہوئے اور عمر بن حفص سے کہا، میرا معاملہ لوگوں پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اب میرا خون تیری گردن پر ہوگا۔

یہ سارا قصہ خاصا طویل ہے۔ مختصر یہ کہ عمر بن حفص نے عبداللہ کو علاقۂ سندھ کے ایک ایسے حکمران کے پاس بھیج دیا جو بہتر کردار کا حامل اور دبدبہ و رعب کا مالک تھا۔ وہ عبداللہ سے تکریم کے ساتھ پیش آیا اور ان سے عزت و احترام کا برتاؤ کیا۔ عبداللہ کے حالات کا علم منصور کو ہوا تو اس نے عمر بن حفص کو خط لکھا، اور معاملے کی وضاحت طلب کی۔ عمر نے کچھ اس انداز سے جواب دیا کہ اس سے منصور کی تسلّی نہ ہوئی اور اس نے ہشام بن عمرو تغلبی کو سندھ کا والی مقرر کر دیا۔ منصور کا مقصد ہشام کی وساطت سے عبداللہ بن محمد کو گرفتار کرنا تھا، مگر ہشام نے ان کو گرفتار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ منصور کے حکم کے مطابق سندھ کے اس سردار سے سلسلۂ مکاتبت شروع کر دیا جس نے عمر بن حفص کے کہنے پر عبداللہ کو پناہ دی تھی۔ منصور کو تمام خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک روز ہشام کو سندھ کے ایک علاقے سے حکومت کے خلاف شورش کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ ایک گروہ حکومت

کی مخالفت کے لیے میدان میں نکل آیا ہے۔ ہشام نے اس پر قابو پانے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں (جس کا نام بعض مورخین نے سفیح بن عمرو تغلبی اور بعض نے سفنج بن عمرو تغلبی لکھا ہے) فوج کا ایک دستہ روانہ کیا۔ راستے میں دریائے سندھ کے کنارے پر ان لوگوں کا عبداللہ بن محمد اور ان کے ساتھیوں سے آمنا سامنا ہوگیا۔ معاملہ لڑائی تک پہنچا اور عبداللہ اور ان کے ساتھی قتل کر دیے گئے۔ کہتے ہیں، عبداللہ کا سر، دھڑ سے جدا کر دیا گیا تھا۔ دھڑ تو دریائے سندھ میں پھینک دیا گیا، مگر سر مقتولین کی لاشوں کے درمیان پڑا رہا، جس سے ان کے قتل کا پتا چلا۔

عبداللہ کے ایک لڑکے کا نام محمد تھا۔ عبداللہ کو چونکہ عبداللہ اشتر کہا جاتا تھا، اس لیے، ان کے لڑکے محمد کو ابن اشتر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہشام نے منصور کو اس سارے واقعہ کی اطلاع دی اور عبداللہ کے لڑکے محمد یعنی ابن اشتر کو منصور کے پاس بغداد بھیج دیا۔ منصور نے ہشام کا شکریہ ادا کیا اور لڑکے کو مدینہ طیبہ کے عامل کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اس کو عبداللہ کے ورثا اور اہلِ خاندان کو دکھا دے اور اس کی صحتِ نسل کے بارے میں دریافت کرے۔ یہ واقعہ ۱۵۱ ہجری کا ہے۔[۱]

یہاں اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ بیتِ نبوی علیہ الف الف تحیۃ وسلام میں سے عبداللہ بن محمد علوی، بہت بڑے فقیہ اور عالمِ حدیث تھے۔ اس مقدس خاندان کے یہ پہلے بزرگ ہیں، جو دیارِ ہند یا سرزمینِ سندھ میں تشریف لائے اور جن کی وفات بھی اسی خطۂ ارض میں ہوئی۔ اس خاندان کے ایک فرد یعنی محمد کی ولادت بھی اسی ملک میں ہوئی، اور یہ خانوادۂ اہلِ بیت کے پہلے بچے ہیں جو یہاں پیدا ہوئے۔

---

[۱] تاریخ الکامل ابن اثیر، ج ۵، ص ۳۰، ۳۱ (طبع منیریہ مصر ۱۳۵۷ھ)

۱۰۔ عطیہ بن سعد عوفی

ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کا نام عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی ہے۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد ان کو کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ اس بچے کا نام تجویز فرمایئے۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا۔ ھذا عطیۃ اللہ۔ چنانچہ یہ عطیہ کے نام سے موسوم ہوئے انھوں نے حضرت ابوہریرہ، ابوسعید اور عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت کی۔ یہ بھی محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے اور فتح ملتان کے وقت موجود تھے۔ پھر واپس کوفہ چلے گئے تھے، وہیں رہے اور ۱۱۱ھ میں کوفہ ہی میں وفات پائی[۱]

۱۱۔ عمرو بن مسلم باہلی

عمرو بن مسلم باہلی نہایت نیک، عالم اور باخبر شخص تھے۔ ۱۰۰ھ میں خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو ہند اور سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ اس نیک فطرت شخص نے نہ کسی پر سختی کی، نہ کسی کو پریشان کیا اور حتی الامکان کسی معاملے میں دائرۂ اسلام سے باہر قدم رکھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دارالخلافہ دمشق سے ہند اور سندھ کے غیر مسلم حکمرانوں، سرداروں اور سرکردہ لوگوں کو خطوط لکھے، جن میں ان کو دعوت اسلام دی اور لکھا کہ اگر وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو اپنا شعار بنالیں تو ان کے مفتوحہ علاقے ان کو واپس کر دیے جائیں گے۔ ان کے وہی حقوق ہوں گے جو عام مسلمانوں کے ہیں اور ان سے اسی قسم کا برتاؤ کیا جائے گا جو دوسرے مسلمانوں سے کیا جاتا

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۰۴۔ لسان المیزان ج ۶، ص ۲۴۷۔ العقد الثمین، ص ۱۹۲، ۱۹۳

ہے۔ ہند اور سندھ کے یہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کی سیرت و کردار سے باخبر تھے اور انھیں معلوم تھا کہ وہ تقویٰ وصالحیت کے اعتبار سے بہت اونچے درجے پر فائز ہیں۔ پھر انھیں عمرو بن مسلم باہلی کے حسنِ اخلاق کا بھی علم تھا اور وہ ان سے متاثر تھے۔ للذا راجہ داہر کا لڑکا جے سنگھ اور دیگر بہت سے ملوک و سردارانِ سندھ اس دعوتِ اسلام سے اثر پذیر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک کے دورِ خلافت تک بدستور مسلمان رہے، لیکن ان کے بعد ہشام بن عبدالملک کا زمانۂ خلافت آیا تو اسلام ترک کر کے اپنے پہلے مذہب میں آ گئے۔[۱۲]

ف

۱۲- فتح بن عبداللہ سندھی

فتح بن عبداللہ کی کنیت ابونصر ہے۔ یہ سندھی تھے اور فقیہ و متکلم تھے آلِ حسن بن الحکم کے موالی تھے۔ پھر آزاد کر دیے گئے۔ فقہ اور کلام کی تعلیم ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے حاصل کی اور حسن بن سفیان وغیرہ سے روایتِ حدیث کی۔ سمعانی نے ان کے بارے میں ابوالعلا احمد بن محمد بن فضل کے سلسلۂ روایت کے ذریعے عبداللہ بن حسین سے ایک عجیب و غریب روایت بیان کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابونصر فتح بن عبداللہ کس درجہ حق گو، صاف بیان اور عالم و فاضل تھے۔ وہ روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن حسین کہتے ہیں، ایک روز ہم ابونصر سندھی کے ساتھ دھول اور کیچڑ سے اٹی ہوئی زمین میں جا رہے تھے اور ان کے بہت سے مداحین و متاثرین بھی ساتھ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شہزادہ مدہوشی کی حالت میں زمین پر خاک اور کیچڑ میں لت پت پڑا ہے۔ اس نے ہماری طرف نظر

---

[۱۲] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۳۹

اٹھا کر دیکھا تو ابونصر نے منہ قریب کر کے اس کو سونگھا۔ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ شہزادے نے ابونصر سے کہا "او غلام! مَیں جس حالت میں پڑا ہوں تم دیکھ رہے ہو، لیکن تم ہو کہ اطمینان سے چلے جا رہے ہو، اور اتنے لوگ تمھارے پیچھے جا رہے ہیں۔" ابونصر نے بے باکی سے جواب دیا "شہزادے! تمھیں معلوم ہے اس فرقِ مراتب کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ میں نے تمھارے آباؤ اجداد کی پیروی شروع کر دی ہے اور تم میرے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چل پڑے ہو۔" اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنی عبد اللہ بن الحسین قال کنا یوماً مع ابی نصر السندی و فینا اکثرۃ حوالیہ ونحن نمشی فی الطین، فاستقبلنا شریف سکران، قد وقع فی الطین، فلما نظر الینا، شتمہ ابونصر، وقال نافق یا عبد، انا کما تری، وانت تمشی وخلفک ھؤلاء - فقال لہ ابونصر ایھا الشریف، تدری لم ھذا؟ لانی متبع آثار جدک وانت متبع آثار جدی[۱۳]

ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی، دوسری صدی ہجری کے دیارِ سندھ و ہند کے ان خوش بخت حضرات میں سے تھے، جنھوں نے تابعین کرام کا زمانہ پایا، ان سے روایتِ حدیث وفقہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے اور تبع تابعین کی جماعت میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا۔

م

۱۳- محمد بن زید عبدی

محمد بن زید عبدی، تبع تابعین میں سے تھے۔ یہ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ بلادِ سندھ کی فتح کے سلسلے میں ان کی جنگی خدمات بڑی نمایاں تھیں۔ بعض حضرات کے نزدیک ان کا نام محمد بن زید عبدی نہیں بلکہ محمد بن زیاد عبدی ہے۔[۱۴]

---

[۱۳] الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۳۱۳۔ معجم البلدان، ج ۳، ص ۲۶۷

[۱۴] العقد الثمین ص ۲۴۔ لسان المیزان ج ۶ ص ۱۹۰

۱۴۔ معاویہ بن قرہ مزنی بصری

ابو ایاس معاویہ بن قرہ بن ایاس۔ یہ تابعی تھے اور ان کے والد قرہ بن ایاس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ معاویہ بن قرہ راوی حدیث تھے۔ انھوں نے اپنے باپ قرہ بن ایاس، معقل بن یسار مزنی، حضرت ابوایوب انصاری، عبداللہ بن مغفل وغیرہم سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے بیٹے ایاس، امام زہری، ابراہیم بن محمد، اسحاق بن یحیٰی بن طلحہ اور حسن بن زید بن حسن بن علی نے روایت کی۔ عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت درج کی ہے۔ امام نسائی نے "مثلہ" سے نہی کے متعلق ان سے روایت بیان کی ہے جو یہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی بصرہ مقرر کیا تھا۔ نہایت صادق اور ثقہ تھے۔ عبدالملک بن مروان نے ان کو علاقہ سندھ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیا تھا۔ ۱۲۲ھ میں فوت ہوئے[۱۵]۔

۱۵۔ مکحول بن عبداللہ سندھی شامی

ابوعبداللہ مکحول بن عبداللہ شامی، حدیث و فقہ میں امام السند والشام تھے، تابعی تھے اور اسیران کابل میں سے تھے۔ قبیلہ قیس کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک روایت کے مطابق سعید بن عاص اور ایک کے مطابق بنو لیث کے مولیٰ تھے۔ ان کو امام سندھ کہا جاتا ہے۔ دمشق بھی رہے۔ امام

---

[۱۵] جمہرۃ انساب العرب۔ ص ۲۰۳۔ طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ ص ۲۲۱ و ۲۳۲۔ البدایہ والنہایہ۔ ج ۹۔ ص ۳۹۱۔ تہذیب التہذیب۔ ج ۱۰۔ ص ۲۱۳۔ کتاب المعارف ص ۲۰۵ العقد الثمین۔ ص ۱۶۶ تا ۱۶۸

اوزاعی کے معلّم تھے اور دمشق میں بڑی عزت کے مالک تھے۔ ان کی زبان صاف نہ تھی۔ عربی صحیح نہ بول پاتے تھے، اس میں عجمیت نمایاں تھی۔ ذہبی ان کو عالم اہل الشام قرار دیتے ہیں اور ان کو فقیہ اور حافظِ حدیث بتاتے ہیں۔ اصلاً کابل کے باشندے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اولادِ کسریٰ میں سے تھے۔ ابی بن کعبؓ عبادہ بن صامت، حضرت عائشہ اور بعض کبار صحابہ سے تدلیس کرتے تھے۔ ابو امامہ باہلی، واثلہ بن اسقع، انس بن مالک، محمود بن ربیع، عبدالرحمٰن بن غنم، ابو ادریس خولانی، ابوسلام ممطور اور خلقِ کثیر سے روایت کی۔ اور ان سے ایوب بن موسیٰ، علاء بن حارث، زید بن واقد، ثور بن یزید، حجاج بن ارطاۃ، فقیہِ شام امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور بہت سے ائمہ حدیث نے اخذِ علم کیا۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے طلبِ علم کے لیے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ مصر گیا تو وہاں کے تمام علم پر حاوی ہو گیا۔ عازمِ شام ہوا تو وہاں کے علماء محدثین سے کسبِ فیض کیا۔ پھر عراق کے لیے رختِ سفر باندھا۔ بعد ازاں مدینہ منورہ کا عزم کیا اور وہاں کے علم سے بہرہ ور ہوا۔ فرماتے ہیں میں نے علم کی جو چیز جہاں دیکھی سینے میں ڈال لی۔ اسی وجہ سے سعید، ان کو امام زہری سے زیادہ فقیہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی زبان میں لکنت تھی اور لہجہ اس قسم کا تھا کہ قاف کو کاف بولتے تھے۔

ابومسہر اور جماعہ کا کہنا ہے کہ مکحول ۱۱۳ھ میں فوت ہوئے اور ابونعیم اور دحیم کی تحقیق یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۱۲ھ میں ہوئی[۱۶]

ن

۱۶- نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی

نجیح بن عبدالرحمٰن کی کنیت ابومعشر ہے۔ یہ سندھ کے فقیہ اور عالم تھے۔

---

[۱۶] تفصیلات کے لیے دیکھیے: العقد الثمین۔ ص ۲۸۴ و ۲۸۵

تبع تابعی تھے۔ انھوں نے بہت سے تابعین سے سماعِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔ ان کا ذکر ابو سعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے سندھی علماء اکابر کے حالات کے ضمن میں اپنی مشہور تصنیف الانساب میں، امام ذہبی یعنی امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ-۱۳۴۷ء) نے تذکرۃ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر (شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ) نے تہذیب التہذیب میں کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تو ان کے بارے میں خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ اصلاً قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پوتے داؤد بن محمد بن ابو معشر سے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ داؤد کہتے ہیں کہ ان کے والد محمد نے انھیں بتایا کہ ان کے والد ابو معشر دراصل یمن کے باشندے تھے اور اس وقت قید کیے گئے جب یزید بن مہلب یمامہ اور بحرین پر حملہ آور ہوا تھا۔

ابو معشر مغازی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کے مولیٰ تھے۔ انھوں نے ابو امامہ بن سہل بن حنیف کو دیکھا اور سعید بن مسیبؒ، محمد بن کعب قرظی، ہشام بن موسیٰ بن یسار، ابو بردہ بن ابوموسیٰ، سعید بن ابو سعید المقری، نافع، محمد بن المنکدر محمد بن قیس اور محدثین کی بہت بڑی جماعت سے روایتِ حدیث کی۔ خود ان سے ان کے بیٹے محمد بن ابو معشر، سفیان ثوری اور اہلِ عراق کی ایک جماعتِ اصحاب الحدیث نے روایت کی۔ ابو زرعہ انھیں "صدوق" قرار دیتے ہیں اور امام نسائی "لیس بالقوی" کہتے ہیں۔ ابو نعیم انھیں سندھی بتاتے ہیں۔ بقول سمعانی یہ اُمِّ سلمہ کے کے مولیٰ تھے جو اہلِ مدینہ سے تعلق رکھتی تھیں، اسی بنا پر مدنی کہلائے۔ امام نسائی نے اپنی کتاب سنن نسائی میں ان سے روایات درج کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل انھیں مغازی کے ماہر قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: کان بصیراً بالمغازی۔ آخر عمر میں حافظہ مختل ہوگیا تھا، تاہم حدیث و فقہ کی یادداشت بڑی تیز تھی اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ کان من اوعیۃ العلم علی نقص فی حفظہ۔

زبان میں ہکلاہٹ تھی اور "کعب" کو "قعب" کہتے تھے۔

ان کا رنگ سُرخ، آنکھیں نیل گوں اور جسم بھاری بھرکم تھا۔ مشہور عباسی خلیفہ مہدی ۱۶۰ھ میں انھیں اپنے ساتھ عراق لے گیا اور ایک ہزار دینار عطا کیے۔ وہ ان سے بہت تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس نے ان سے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینے کی درخواست کی۔ رمضان ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے۔ اسی سال خلیفہ ہارون الرشید تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ ان کی علمی اہمیت اور خلفا کے نزدیک ان کی عزت و احترام کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی موت پر حُزن و ملال کا اظہار کیا۔ بغداد کے مقبرۃ الکبیرہ میں دفن کیے گئے[۱۷]

ی

۱۷۔ یزید بن عبداللہ قرشی بیسری سندھی

یزید بن عبداللہ قرشی بیسری[۱۸] تبع تابعین میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابوخالد ہے۔ لہٰذا ان کو ابوخالد بیسری بھی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے سفیان ثوری، ابن جریج اور عمر بن محمد عمری سے احادیث روایت کیں۔ ان سے علی بن ابی ہاشم طبراخ، محمد بن ابو بکر مقدمی، ابو داؤد طیالسی اور محدثین کی ایک جماعت نے روایتِ حدیث کی۔ ایک حدیث کی سند میں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے، یزید بن عبداللہ بیسری راوی ہیں:

---

[۱۷] الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۳۱۳۔ بذیل لفظِ سندی۔ تذکرۃ الحفاظ۔ امام ذہبی۔ ج ۱، ص ۲۳۴۔ تہذیب التہذیب۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی۔ ج ۱۰، ص ۴۱۹ تا ۴۲۲۔ معجم البلدان۔ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی۔ ج ۳، ص ۲۶۷

[۱۸] بیسر کی جمع بیاسرہ ہے۔ ابتدائی دور میں جو مسلمان سرزمینِ ہند میں مقیم ہوئے، انھیں بیاسرہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ (مروج الذہب۔ مسعودی۔ ج ۳، ص ۳۱۴)

عن علی قال، قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ران ظاہر نہ کرو اور نہ کسی زندہ اور مردہ شخص کی ران کی طرف دیکھو۔

پھر اس حدیث کی سند میں بھی یہ راوی ہیں، جو حضرت ابو جحیفہ رضؓ صحابی سے مروی ہے:

عن ابی جحیفۃ رضؓ، قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جالسوا العلماء وسائلوا الکبراء وخالطوا الحکماء۔

کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علما کی مجلس میں بیٹھا کرو، بڑوں سے سوال پوچھا کرو اور دانش مندوں سے ملا جلا کرو۔

ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اصلاً سندھی تھے۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات فقال اصلہ من السند۔

ان کے ایک راوی محمد بن ابوبکر مقدمی ہیں، جو "مستقیم الحدیث" ہیں۔[۹۱]

---

[۹۱] لسان المیزان۔ ج ٦۔ ص ۲۹۰۔ کتاب الجرح والتعدیل۔ ج ۴۔ ق ۲۔ ص ۲۷۱۔ العقد الثمین۔ ص ۲٦٦ و ۲۹۷۔

تیسری صدی ہجری

الف

۱۔ ابو علی سندھی

شیخ الکبیر ابو علی سندھی تیسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ یہ سندھ کے اہلِ حقیقت اور اصحابِ وجد حضرات میں سے تھے، اور تصوف و معرفت میں اس درجہ بلند پایہ تھے کہ مشہور بزرگ اور اہلِ اللہ حضرت ابو یزید طیفور بن عیسٰی بسطامی فرماتے ہیں، "میں ان کے وظائف سے فرصت کے اوقات میں، ان کو بعض چیزوں کی تلقین کرتا تھا اور وہ مجھے توحید و حقیقت کی تعلیم دیتے تھے۔

ان کے بارے میں حضرت بُسطامی ایک عجیب حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ میرے پاس ابو علی سندھی تشریف لائے، ان کے پاس ایک تھیلا تھا جو انھوں نے میرے آگے انڈیل دیا۔ میں نے دیکھا کہ مختلف اقسام و الوان کے جواہر میرے سامنے پڑے ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا، یہ آپ کو کہاں سے دستیاب ہوئے؟ فرمایا۔ میں ایک وادی میں سے گزر رہا تھا کہ یہ شمع کی طرح چمک رہے تھے۔ میں نے ان میں سے اتنے بھر اٹھا لیے۔

میں نے سوال کیا۔ وادی میں سے گزرتے وقت آپ پر کیا کیفیت طاری تھی اور آپ کس حالت میں تھے؟

کہا۔ پہلی کیفیت سے فرصت میں تھا، یعنی وظائف و اوراد سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس میں معنی یہ پنہاں ہے کہ اوقاتِ فرصت و فرغت میں کچھ مخفی عناصر اور غائبی طاقتو نے ان کو جواہر میں مشغول کر دیا تھا۔

ابویزید بسطامی کہتے ہیں، مجھ سے ابوعلی سندھی نے کہا، میں ایسے حال میں تھا کہ جو مجھ سے وابستہ کر دیا گیا تھا، پھر اس حال میں آگیا جو اُس سے مختلف تھا۔ یعنی انسان اپنے اعمال کو سامنے لاتا ہے اور اپنی طرف سے ان میں اضافہ کرتا ہے۔ پھر جب اس کے قلب پر انوارِ معرفت کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے تو وہ یہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ تمام اشیائے کائنات، اللہ کی طرف سے ہیں، اللہ کے حکم سے قائم ہیں، اللہ کے لیے معلوم ہیں، اللہ کی طرف لوٹائی جا رہی ہیں۔[1]

ابوعلی سندھی نہ صرف خطۂ سندھ کے بلکہ دنیا کے اکابر صوفیا اور عظیم المرتبت علمائے کرام میں سے تھے۔

اُس دَور کی یہ خصوصیت تھی کہ کوئی کم پڑھا لکھا آدمی تصوّف و طریقت اور وجد و حقیقت کی وادی میں گام فرسا ہونے کی جرأت نہیں کرتا تھا کیونکہ تصوّف کا تعلق علم سے ہے۔ جس شخص میں علم کی فراوانی نہیں ہوگی، اس پر تصوّف کی حقیقی راہیں کھل ہی نہیں سکتیں۔ صحیح تصوّف اور کم علمی کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہیں۔

خ

۲۔ خلف بن سالم

ابو محمد خلف بن سالم مشہور حافظِ حدیث تھے۔ سندھ کے رہنے والے تھے۔ غلاموں کے سلسلے میں آلِ مہلب ان کو سندھ سے عراق لائے اور یہ کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ وہیں تعلیم حدیث پائی اور اس میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ پھر کوفہ سے بغداد تشریف لے گئے اور وہاں کے محلہ مخرم میں مستقل طور سے رہائش اختیار کر لی۔ ان کے اساتذۂ حدیث میں یحییٰ بن سعید قطان، ابوبکر بن عیاش، ہیثم بن بشیر، عبدالرحمٰن بن مہدی، اسماعیل بن علیہ، حسن بن عیسیٰ اور ابونعیم کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ

---

[1] نزہتہ الخواطر۔ ج ۱ ص ۵۱ —— بحوالہ کتاب اللمع۔ ابونصر عبداللہ بن علی السراج طوسی۔

ذکر ہیں۔ اور تلامذہ کی فہرست میں ابوالقاسم بغوی، حاتم بن لیث، یعقوب بن شیبہ اور احمد بن ابی خیثمہ جیسے اصحاب کمال نظر آتے ہیں۔

ان کی عظمت فی الحدیث کا اندازہ اس سے لگا ہے کہ امام نسائی نے ان کی روایت اپنی کتاب سنن نسائی میں درج کی ہے۔ اس عظیم محدث نے ۲۲ رمضان المبارک ۲۳۱ھ کو ۶۹ سال کی عمر پاکر بغداد میں وفات پائی[۲]

س

۳۔ سندھ کا ایک گم نام عالم و مفسر

قبیلۂ قریش کی ایک شاخ بنو اسد کے نام سے معروف تھی۔ اس شاخ کے ایک شخص کا نام ہبار بن اسود تھا، جو ۸ھ میں مسلمان ہوا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس خاندان کا ایک شخص جس کا نام منذر بن زبیر تھا، والئ سندھ حکم بن عوانہ (متوفی ۱۲۱ھ) کے ساتھ سندھ پہنچا اور پھر یہیں سکونت پذیر ہو گیا۔ بنو امیہ اور عباسیہ دونوں سلطنتوں کے زمانے میں اس خاندان کو سندھ کی حکومت میں کچھ نہ کچھ عمل دخل حاصل رہا۔ پھر ۲۴۰ھ میں سندھ کی حکومت اسی خاندان میں منتقل ہو گئی اور اس کا والئ اوّل منذر بن زبیر کا پوتا عمر بن عبدالعزیز مقرر ہوا۔ یہ خاندان عباسی خاندان کے ماتحت رہا۔ اس خاندان کے تمام والیانِ سندھ، نیک، ہمدردِ خلائق اور حدیث و فقہ کے عالم تھے۔ ان کے زمانے کا ایک واقعہ عجائب الہند میں مذکور ہے، جو لائق تذکرہ ہے۔

ابومحمد حسن بن عمرو بن حمویہ بن حرام بن حمویہ نجیدی کہتے ہیں کہ میں ۲۸۸ھ میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ میں مقیم تھا کہ وہاں کے بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ ۲۷۰ھ میں سندھ کا والی عبداللہ بن عمر ہباری مقرر ہوا۔ اس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ ۲۷۰ھ ہی میں سندھ کے ایک شہر ارور کے ہندو راجہ نے جس کا نام عربوں کے نزدیک مہروک بن

---

[۲] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۸۔ ص ۳۲۸ تا ۳۳۰

راہنگ تھا، منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ہباری سے درخواست کی کہ اس کو سندھی (اور بعض کے نزدیک ہندی) زبان میں مذہب اسلام کی بنیادی تعلیم سے متعلق معلومات قلم بند کر کے بھیجی جائیں۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے ایک شخص کو بلایا جو اصلاً عراق کا باشندہ تھا، مگر اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت منصورہ میں ہوئی تھی۔ وہ نہایت ذہین اور سمجھ دار آدمی تھا اور اس ملک کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ عبداللہ نے اس کے سامنے راجہ کی خواہش بیان کی۔ چنانچہ اس عالم نے ایک قصیدہ تیار کیا اور راجہ مذکور کی خواہش کے مطابق اس میں تمام اسلامی تعلیمات بیان کیں۔ عبداللہ نے یہ قصیدہ راجہ مہروک بن راہنگ کے پاس بھیج دیا۔ راجہ نے یہ قصیدہ سُنا تو بہت خوش ہوا اور عبداللہ سے، اس شاعر اور عالم کو اپنے دربار میں بھیجنے کی درخواست کی۔ عبداللہ نے اس کو بھیج دیا۔ وہ تین سال وہاں مقیم رہا اور اس اثنا میں راجہ اس سے بہت خوش رہا۔

۲۷۳ھ میں وہ عالم، والیٔ سندھ عبداللہ سے ملا، عبداللہ نے اس سے راجہ کے متعلق کچھ سوال کیے تو اس نے بتایا کہ جس وقت میں وہاں سے چلا ہوں، اس وقت وہ صدقِ دل سے اسلام قبول کر چکا تھا۔ لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس عالم نے راجہ سے متعلق بہت سے واقعات بیان کیے، جن میں ایک واقعہ یہ بیان کیا کہ راجہ نے اس سے سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی۔ وہ روزانہ چند آیات کی تفسیر کر کے اس کو سناتا جاتا۔ جب وہ سورۂ یٰس کی اس آیت پر پہنچا: مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ[۱۳] اور اس کا ترجمہ سنایا اور تفسیر بیان کی تو راجہ اس وقت جواہرات سے مرصع سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے کہا "ایک دفعہ پھر اس کی تفسیر بیان کرو"۔ چنانچہ دوبارہ تفسیر بیان کی گئی، تو وہ فوراً

۱۳؎ یہ سورۂ یٰس کی آیت نمبر ۷۸ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔ (وہ یعنی منکرِ اسلام کہتا ہے کہ) گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔"

تخت سے نیچے اترا اور چند قدم چلا، پھر پیشانی زمین پر رکھ دی، حالانکہ زمین پر پانی چھڑکا ہوا تھا اور وہ بہت تر ہو چکی تھی - راجہ اس قدر رویا کہ اس کے رخساروں پر مٹی جم گئی - پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا "بے شک یہی رب ہے جو ازلی اور ابدی ہے" اس کے بعد اس نے ایک مکان تیار کرایا، جہاں وہ تنہائی میں روزانہ خدا کی عبادت کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا تھا مگر لوگوں پر یہ ظاہر کرتا کہ وہ تنہائی میں سلطنت کے اہم معاملات پر غور کیا کرتا ہے[۴]

سندھ کا یہ ایک گم نام عالم اور مفسر تھا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے غیر عربی زبانوں میں سندھی وہ پہلی زبان ہے، جس کو قرآنِ مجید کا ترجمہ و تفسیر کرنے اور اسلامی تعلیمات کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا فخر حاصل ہوا۔

ش

۴ - شعیب بن محمد دیبلی

ابو القاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب بن بزیع بن سوار دیبلی - یہ ابن ابی قطعان دیبلی کے نام سے معروف تھے - طلب علم کی غرض سے دیبل سے مصر گئے اور وہاں تعلیم حدیث سے بہرہ ور ہوئے - شیخ ابو سعید بن یونس نے ان سے احادیث قلم بند کیں[۵]

ع

۵ - عبداللہ بن جعفر منصوری

ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرّہ منصوری مقری، سیاہ رنگ تھے - حسن بن مکرم اور ان کے اقران سے سماعِ حدیث کی اور خود اُن سے امام حاکم اور ہاشمیوں کی ایک جماعت نے

---

[۴] عجائب الہند - بزرگ بن شہریار (مع فرانسیسی ترجمہ) - ص ۲ تا ۳ - طبع ۱۸۸۶ء

[۵] الانساب - سمعانی - ورق ۲۳۶ -

روایت حدیث کی۔ سندھ کے شہر منصورہ میں قیام پذیر تھے[۶] معلوم ہوتا ہے، یہ سندھ کے تیسری صدی ہجری کے اصحاب الحدیث میں سے تھے۔

م

۶۔ محمد بن ابوالشوارب

امام محمد بن ابوالشوارب منصورہ کے قاضی تھے اور ان اصحاب حدیث وارباب فقہ میں سے تھے جو عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے ۲۸۳ھ میں عراق سے سندھ آکر اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جلیل القدر عالم دین تھے۔ یہ صرف چھ مہینے تک منصورہ کے منصب قضا پر فائز رہے اور ۲۸۳ھ میں وفات پا گئے[۷]

عراق میں بالعموم اور بغداد میں بالخصوص ان کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان کے قیام بغداد کے زمانے میں خود خلیفۂ بغداد اور عباسی شہزادے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کرتے۔ کہتے ہیں، قاضی محمد بن ابوالشوارب کے بعد، ان کے بیٹے علی کو منصورہ کے منصب قضا پر متعین کیا گیا۔ ان کا خاندان چوتھی صدی ہجری کے ابتدا تک منصورہ میں موجود تھا[۸]

۷۔ محمد بن ابومعشر

ابوعبدالملک محمد بن ابومعشر، سندھ کے مشہور محدث و فقیہ، نجیح بن عبدالرحمٰن ابومعشر سندھی کے لڑکے تھے۔ علم حدیث کے عالم تھے۔ علوم فقہ میں بھی کمال حاصل

---

[۶] الانساب، سمعانی، ورق ۵۴۴۔

[۷] تاریخ الکامل۔ ابن اثیر۔ ج ۷۔ ص ۴۸۔ مطبوعہ المنیریہ مصر (۱۳۵۳ھ)

[۸] مروج الذہب، از مسعودی۔ ج اوّل۔ ص ۳۷۷

تھا۔ بغداد ہی میں مقیم رہے۔ ابویعلیٰ موصلی نے ان سے شرفِ روایت حاصل کیا۔ اپنے والد ابومعشر سندھی کی مشہور تصنیف کتاب المغازی کے یہی راوی ہیں۔

ان سے ان کے دو بیٹوں داؤد اور حسین نے روایت حدیث کی۔ ان کے علاوہ ابوحاتم محمد بن ادریس رازی، محمد بن لیث جوہری، اور ابویعلیٰ موصلی نے ان سے شرفِ روایت و سماعت حاصل کیا۔ عباسی خلیفہ مہدی، ان کے والد ابومعشر، نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی کی طرح، ان کا بھی بہت احترام کرتا تھا۔ انھوں نے ننانوے برس عمر پاکر ۲۴۷ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔[۹]

۹۔ الانساب، سمعانی۔ ورق ۳۱۴

چوتھی صدی ہجری

الف

۱- ابراہیم بن محمد دَیبُلی

شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ دُیبُلی سندھی، چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم و محدّث تھے۔ سندھ کے شہر دیبل میں فروکش تھے۔ انھوں نے موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ الکبیر وغیرہ سے روایتِ حدیث کی۔

ان کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے جلیل القدر سندھی علما و محدثین میں سے تھے۔ افسوس ہے، اس سے زیادہ کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ ان کا ذکر سمعانی نے الانساب میں اور یاقوت حموی نے معجم البلدان میں کیا ہے[۱]۔

۲- احمد بن عبد اللہ دیبلی

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن سعید دیبلی، قافلۂ اسلاف کے ان مسافرانِ راہِ علم اور زمرۂ عباد و زہاد سے تعلق رکھتے تھے، جو طلبِ علم کے لیے بیتاب رہتے تھے اور فقر و زہد، عبادت و خلوص، اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ کتاب و سنت، جن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ حصولِ علم کی غرض سے انھوں نے دور دراز ملکوں کے متعدد سفر کیے اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے بے شمار تکلیفیں اٹھائیں۔ شوقِ علم ملاحظہ ہو کہ سندھ کے ریگستان دیبل سے چلے اور تمام اسلامی ملکوں میں گھومے پھرے۔ مکہ مکرمہ، بغداد، بصرہ، بیروت

---

[۱] الانساب۔ سمعانی، ورق ۲۳۶۔ معجم البلدان۔ یاقوت حموی۔ ج ۲، ص ۴۹۵

دمشق، مصر، نیشاپور، تستر اور حران وغیرہ میں مختلف اساتذہ حدیث و فقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں ان ہی کے ملک اور شہر کے عالم و محدث ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی درسِ حدیث دیتے تھے[۲]، ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور وہیں مفضل بن محمد جندی سے استفادہ کیا۔ بغداد گئے تو جعفر بن محمد فریابی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے۔ عازم بصرہ ہوئے تو قاضی ابو خلیفہ ایسے یگانۂ روزگار کی شاگردی اختیار کی۔ مصر روانہ ہوئے تو وہاں علی بن عبد الرحمٰن اور محمد بن زبان سے تحصیل کی جو اس دور کے نامور علما میں سے تھے۔ دمشق گئے تو شیخ ابو الحسن احمد بن عمیر بن جوصا کے درس میں شرکت کی۔ بیروت میں ابو عبد الرحمٰن مکحول سے درسِ حدیث لینے کا فخر حاصل کیا۔ حران میں ابو عروبہ حسین بن ابو معشر[۳] سے سند و اجازہ کا اعزاز حاصل ہوا۔ تستر میں احمد بن زہیر تستری کے فیوضِ علمیہ سے بہرہ ور ہوئے۔ عسکر مکرم میں حافظ عبدان بن احمد کے تلامذہ کی جماعت میں شرکت فرمائی۔ نیشاپور میں ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور ان کے اقران سے اخذِ حدیث و فقہ کی سعادت سے مفتخر ہوئے۔ پھر خود ان کا حلقۂ تلامذہ بھی بہت وسیع تھا، جن میں امام حاکم ابو عبداللہ حافظ ایسے بلند پایہ محدث کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔

یہ تو شیخ احمد بن عبداللہ دیبلی کے شوقِ حصولِ علم کی فراوانیوں کی حالت تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کس درجہ عابد و زاہد اور عبادت گزار تھے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جس زمانے میں نیشاپور میں شیخ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کی بساطِ علم بچھی ہوئی تھی، یہ نیشاپور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ شیخ ابو بکر کا مدرسہ خانقاہ حسن بن یعقوب حدادی میں واقع تھا۔ شیخ احمد، خانقاہ میں رہائش رکھتے تھے، جو شہر سے کچھ فاصلے پر تھی۔ اسی دوران میں ان کی شادی ہو گئی اور صاحبِ اولاد بھی ہو گئے۔

۲؎ یہ سندھی عالم و محدث تھے۔ دیکھیے: الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۱۴

۳؎ معجم البلدان، ج ۲، ص ۲۹۵

شادی شہر کے اندرونی علاقے میں ہوئی تھی۔ یہ روزانہ تمام نمازیں جامع مسجد میں باجماعت ادا کر کے گھر جاتے۔

طبیعت پر درویشی اس قدر غالب تھی کہ صوف پہنتے جو اس زمانے میں نیک لوگوں کا عاجزانہ و منکسرانہ لباس تھا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ جوتی میسر نہ آتی اور ننگے پاؤں چلتے۔

ان کی وفات نیشاپور میں، رجب ۳۴۳ھ کو ہوئی اور قبرستان حیرہ میں دفن کیے گئے۔[۴]

۳۔ احمد بن محمد منصوری

ابو العباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری سندھی، چوتھی صدی ہجری کے بہت بڑے محدث تھے اور منصورہ میں منصبِ قضا پر فائز تھے۔ مسلکاً ظاہری تھے۔ منصورہ میں اکثریت اہل الحدیث کی تھی۔ ان کا شمار بھی اسی جماعت کے اکابر میں ہوتا تھا۔ مقدسی نے اپنی مشہور تصنیف، احسن التقاسیم میں منصورہ کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں احمد بن محمد منصوری کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مقدسی نے ان کو ابو محمد منصوری لکھا ہے، حالانکہ دیگر کتبِ تاریخ و رجال میں ان کی کنیت ابو العباس مرقوم ہے۔ ممکن ہے ان کی دو کنیتیں ہوں، ابو العباس بھی اور ابو محمد بھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدسی سے سہو ہو گیا ہو، اور ابو العباس کو ابو محمد لکھ دیا گیا ہو۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہ فقہی اور علمی اعتبار سے امام داؤد ظاہری (متوفی ۲۷۰ھ) کے مسلک کے حامل تھے۔ مقدسی ۳۷۵ھ کے لگ بھگ منصورہ گیا اور ان سے ملا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اکثرھم اصحاب حدیث ورأیت القاضی ابا محمد المنصوری داؤدیا اماما فی مذھبہ ولہ تدریس وتصانیف وقد صنف کتبا عدۃ حسنۃ۔[۵]

---

[۴] الانساب۔ سمعانی، ورق ۲۳۶

[۵] احسن التقاسیم۔ ص ۴۸۱۔ طبع ثانی۔ مطبوعہ لیڈن۔ مطبع بریل (۱۹۰۶ء)

یعنی اہل منصورہ کی اکثریت اہل حدیث پر مشتمل ہے۔ میں نے وہاں قاضی ابو محمد منصوری (یعنی قاضی ابو العباس منصوری) کو دیکھا ہے، وہ مسلکِ داؤد ظاہری کے حامل ہیں اور اپنے مسلک کے امام ہیں۔ وہاں ان کا سلسلۂ تدریس بھی جاری ہے اور سلسلۂ تصنیف بھی۔ وہ متعدد بہترین کتابوں کے مصنف ہیں۔

محمد بن اسحاق ابنِ ندیم وراق بغدادی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الفہرست میں ان کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور ان کو مسلکِ امام داؤد ظاہری کے فاضل ترین اصحاب میں سے گردانا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

۔۔۔ علی مذهب داود، من افاضل الداودیین وله کتب جلیلة حسنة کبار، منها کتاب المصباح کبیر، کتاب الهادی، وکتاب النیر[۵۶]

یعنی ابو العباس احمد بن محمد منصوری، امام داؤد ظاہری کے مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے افاضل میں سے تھے۔ وہ بہترین اور عمدہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو بڑی ضخیم ہیں، جن میں سے کتاب المصباح کبیر، کتاب الہادی اور کتاب النیر لائق ذکر ہیں۔

سمعانی نے الانساب میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ منصورہ کے قاضی تھے اور عراق میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مذہبِ امام داؤد ظاہری کے امام مانے جاتے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

احمد بن محمد القاضی المنصوری، سکن العراق وفارس، یکنّی بابی العباس، کان اماما علی مذهب داود الاصبهانی، سمع الاثرم وطبقته، روی عنه الحاکم ابو عبد الله الحافظ۔ وابو العباس احمد بن محمد بن الصالح التمیمی القاضی المنصوری من اهل المنصورة وکان اظرف من رأیت من العلماء، سمع بفارس ابا العباس بن الاثرم وبالبصرة ابا روق الهزانی[۵۷]

---

[۵۶] الفہرست ص ۳۰۰ طبع مصر [۵۷] الانساب سمعانی ورق ۵۴۳

ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ قاضی احمد بن محمد منصوری، عراق اور فارس میں سکونت پذیر رہے۔ ان کی کنیت ابو العباس تھی۔ مذہب امام داؤد ظاہری کے امام کی حیثیت رکھتے تھے۔ اثرم اور ان کے طبقہ کے اصحاب الحدیث سے سماعت حدیث کی۔ خود ان سے حافظ الحدیث امام ابو عبداللہ حاکم نے روایت کی۔ قاضی ابو العباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری باشندگان منصورہ میں سے تھے۔ مجھے جن علما سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، میں نے قاضی ابو العباس کو، ان سب سے شائستہ اور سلجھے ہوئے ذہن و فکر کے حامل پایا۔ انھوں نے فارس میں ابو العباس بن اثرم اور بصرہ میں ابو روق ہزانی سے شرف سماعت حدیث حاصل کیا۔

یاقوت حموی نے بھی معجم البلدان میں لفظ سندھ کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ابو العباس جو امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے، باشندگان سندھ کے فقیہ تھے[۵۸]

ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہا میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ قاضی ابو العباس احمد مصنف کتاب النیر نے اپنے آزاد کردہ غلام سے اخذ علم کیا۔ بغداد گئے اور وہاں تعلیم حاصل کی اور منصورہ واپس چلے گئے[۵۹]

ابو العباس منصوری علمی اعتبار سے بلند مرتبہ کے حامل تھے، اسی لیے ان کو منصورہ جیسے اہم اور مرکزی شہر کا عہدۂ قضا تفویض کیا گیا۔ احسن التقاسیم کے حوالے سے مقدسی کا جو بیان ان کے بارے میں اوپر گزر چکا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ۳۷۵ھ تک، ان کا خاندان — بنو تمیم — منصورہ میں آباد تھا اور اپنے مسلک اور مرتبۂ فی الحدیث کی وجہ سے وادئ سندھ میں اس خاندان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

---

۵۸ معجم البلدان۔

۵۹ طبقات الفقہاء بحوالہ رجال السند والہند، قاضی اطہر مبارک پوری ص ۶۱

خ

۴۔ خلف بن محمد دَیبُلی

چوتھی صدی ہجری کے علمائے دیبل میں سے ایک بزرگ شیخ خلف بن محمد موازینی دیبلی تھے، جو بغداد تشریف لے گئے تھے۔ انھوں نے بغداد میں دیبل ہی کے ایک عالمِ حدیث علی بن موسیٰ دیبلی سے تحصیلِ حدیث کی، اور خود ان سے ابوالحسن احمد بن محمد بن عمران بن جندی نے روایت کی۔[۱۱۰]

ع

۵۔ علی بن موسیٰ دَیبُلی

شیخ علی بن موسیٰ دیبلی بھی دیبل کے چوتھی صدی ہجری کے اصحاب الحدیث میں سے تھے اور "العالم المحدیث" مشہور تھے۔ ان سے شیخ خلف بن محمد موازینی دیبلی نے روایتِ حدیث کی۔[۱۱۱]

م

۶۔ محمد بن ابراہیم دَیبلی

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی۔ چوتھی صدی ہجری کے یہ دیبلی عالم، مکہ مکرمہ میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ امام ابن عیینہ کی کتاب التفسیر، ابو عبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن سے اور ابن المبارک کی کتاب البر والصلۃ، ابو عبداللہ حسین بن حسن مروزی سے روایت کرتے ہیں۔ عبدالحمید بن صبیح سے بھی یہ روایت کرتے ہیں۔ خود ان سے ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس

---

[۱۱۰] الانساب سمعانی ورق ۲۳۶ [۱۱۱] ایضاً

مکیؔ اور ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی ابن المقری نے روایت کی۔[12]

۷- محمد بن محمد دیبلی

ابو العباس محمد بن محمد بن عبداللہ وراق دیبلی، بہت بڑے عابد و زاہد اور صالح عالم دین تھے۔ ابو خلیفہ فضل بن حباب جمحی، جعفر بن محمد بن حسن فریابی، عبدان بن احمد بن موسیٰ عسکری اور محمد بن عثمان بن ابو سوید البصری اور ان کے ہم عصر و اقران سے روایت حدیث کی۔ خود ان سے امام حاکم ابو عبداللہ الحافظ نے سماعت کی۔ رمضان المبارک ۳۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ ابو عمرو بن نجید نے پڑھائی۔[13]

---

[12] الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۳۶ [13] ایضاً

پانچویں صدی ہجری

ح

۱۔ حسین زنجانی لاہوری

فخرالدین حسین زنجانی لاہوری، خراسان کے مردم خیز قصبے زنجان کے باشندے تھے، اس لیے زنجانی کہلائے، پھر مستقل طور پر لاہور میں رہائش اختیار کر لی، لہٰذا لاہوری مشہور ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کے عہد میں (۱۰۰۵ء۔ ۳۹۵ھ) یا اس سے کچھ مدت بعد لاہور تشریف لائے۔ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ علومِ دینیہ اور طریقت و تصوف کے معروف مشائخ میں سے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے کسبِ علم کیا اور ایک عرصہ ان کی صحبت و رفاقت میں گزارا۔ تکمیلِ علم کے بعد واردِ ہند ہوئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ مشہور ہے کہ ان کی وفات اس روز ہوئی، جس روز کہ شہرۂ آفاق بزرگ حضرت علی بن عثمان ہجویری ؒ نے لاہور میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

شیخ حسین زنجانی لاہوری نے سلطان محمود غزنوی کے لڑکے سلطان مسعود غزنوی کے دورِ حکومت کے آخری دنوں (۱۰۴۰ء۔ ۴۳۱ھ) میں لاہور میں وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جنازے میں شرکت کی تھی۔[۱]

---

[۱] فوائد الفواد۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ۔ تحقیقاتِ چشتی از مولوی نور احمد چشتی، ص ۲۱۵
نقوش لاہور نمبر۔ فروری ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۳

ع

۲- ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن الشعثی لاہوری

شیخ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن الشعثی لاہوری کا ذکر کرتے ہوئے سمعانی لکھتے ہیں:

یہ شیخ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے شاگرد تھے اور سمرقند میں درس حدیث دیتے تھے۔ امام سمعانی نے سمرقند میں ان سے شیخ ابوالحسن کی روایات کا سماع کیا۔ شیخ ابوالفتوح نے ۴۹۶ھ کو لاہور میں وفات پائی[۵۲]

۳- حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب دسویں پشت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، جو یہ ہے۔ علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سیّد زید شہید بن حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

متقدمین میں سے شیخ فریدالدین عطار نے تذکرۃ الاولیا میں، شیخ نظام الدین اولیا نے (اپنے ملفوظات) فوائد الفواد اور درر نظامی میں مولانا محمد یعقوب بن عثمان غزنوی نے رسالہ ابدالیہ میں، مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں، شیخ احمد زنجانی نے تحفۃ الواصلین میں، ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں، عبدالصمد بن افضل بن محمد نے اخبار الاصفیا میں، لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں مولانا محمد غوثی نے گلزار ابرار میں، دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا میں، بختاور خاں اور مولانا محمد بقا بقائی نے ریاض الاولیا میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں لالہ سبحان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ میں

---

[۵۲] الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۴۹۷

اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں ان کے سوانح بیان کیے ہیں۔ پھر لالہ گنیش داس وڈیرہ کی چار باغ پنجاب میں مفتی محمد سرور کی خزینۃ الاصفیا اور حدیقۃ الاولیا میں اور مولوی نور احمد چشتی کی تحقیقاتِ چشتی میں ان کے حالات مذکور ہیں۔ خود حضرت علی ہجویری نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں اپنے متعلق بعض واقعات تحریر فرماتے ہیں، جو دلچسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی!

علاوہ ازیں متأخرین میں سے اور بھی متعدد تذکرہ نویسوں نے ان کے واقعات قلم بند کیے ہیں، جن میں مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے نزہۃ الخواطر میں ان کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کیے ہیں۔

علی ہجویریؒ ان قدیم بزرگانِ دین، مبلغین اسلام اور صوفیائے عظام میں سے ہیں، جو اس دور میں واردِ لاہور ہوئے جب اس کی فضاؤں پر کفر و عصیان کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اس پورے علاقے کو شرک کی دبیز چادر نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ان کی تبلیغ سے ہزاروں افراد نے ظلمتِ کفر سے نجات پائی اور اسلام کی نعمت سے متمتع ہوئے۔

انھیں علی بن عثمان بن علی جُلّابی ہجویری غزنوی کہا جاتا ہے۔ جُلّاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے۔ پہلے یہ محلہ جُلّاب میں رہائش پذیر تھے، پھر محلہ ہجویر میں منتقل ہو گئے تھے، اسی لیے جُلّابی ہجویری کہلائے۔ ان کے خاندان کے سب افراد زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ ان کے والدین غزنی میں فوت ہوئے۔ ان کی قبریں اب بھی وہاں موجود ہیں[۵۳]۔

ان کی ولادت کب ہوئی؟ اس کی تصریح کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ اندازہ یہ ہے کہ ۴۰۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ مختلف علما و صوفیا سے فیض حاصل کیا۔ غزنوی عہد کے آغاز میں لاہور تشریف لائے۔ غالباً یہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا۔

---

۵۳ اردو ترجمہ۔ کشف المحجوب۔ (پیش لفظ) ص ۱۰ (شائع کردہ المعارف لاہور ۱۳۹۳ھ)

تمام تذکرہ نگاروں نے ان کو عابد و زاہد، متقی و پرہیزگار، صوفی اور مبلغ اسلام لکھا ہے۔ جہاں تک ہمارے معلومات کا تعلق ہے، ان کے لیے "فقیہ" کا لفظ سوائے مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی کے کسی نے نہیں لکھا: الشیخ الامام العالم الفقیہ الزاھد ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجُلابی.....[۴]

یعنی شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن علی جلابی، امام عالم، فقیہ اور زاہد تھے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ شیخ علی ہجویری نے شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر میہنوی، شیخ ابوعلی فضل بن محمد خارمدی اور دیگر بہت سے علماو محدثین سے اخذ علم کیا اور عرصہ تک ان سے وابستہ رہے۔ پھر وارد ہند ہوئے۔[۵] ان کی تصنیفات میں صرف کشف المحجوب کو شہرت حاصل ہوئی۔ حالانکہ انھوں نے اور بھی متعدد کتابیں تصنیف کیں، مگر ان کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ البتہ کشف المحجوب کے مختلف مقامات میں ان کتابوں کا ذکر موجود ہے۔

حضرت علی ہجویری نے ۴۷۰ھ کے قریب لاہور میں وفات پائی۔

ھم

۴۔ سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود غزنوی کا والد امیر سبکتگین، عقلمند، باتدبیر، متدین اور رحم دل حکمران تھا۔ وہ ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں غزنی کی مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجہ جے پال کے زیر نگین تھا، سبکتگین نے اپنی تخت نشینی کے تین سال بعد ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں پر نظر ڈالی اور بعض علاقوں کو فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا لیکن اس کی یہ پیش قدمی راجہ جے پال کو ناگوار گزری، اور لمغان اور غزنی کے درمیان دونوں کی فوجیں ایک دوسرے سے متصادم ہوئیں، اور زبردست رن پڑا، جس میں جے پال کو شکست ہوئی۔

۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۸۶ ۵۔ ایضاً

جے پال نے سبکتگین سے کچھ وعدے کیے لیکن ان پر پورا نہ اترا اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے راجاؤں کی مدد سے بہت بڑی فوج جمع کر کے پھر مقابلے میں آ گیا، مگر اب بھی اس کو بری طرح ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ان جنگوں میں سبکتگین کا لڑکا محمود غزنوی بھی باپ کے ہمراہ تھا۔

محمود غزنوی عاشورہ کی رات ۳۵۷ھ، (۹۶۶ء) کو پیدا ہوا۔ سبکتگین نے ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں وفات پائی اور اس کے بعد اس کے نامور بیٹے محمود غزنوی نے سلطنتِ غزنی کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ محمود غزنوی نے یکے بعد دیگرے ہندوستان پر کئی حملے کیے اور بالآخر وہ اس ملک پر قابض ہو گیا۔ اسی کے زمانے میں لاہور فتح ہوا۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے لاہور پر حملہ کیا اور اس پر اسلامی پرچم لہرایا۔

غزنوی حکمرانوں کا دور علم و ادب کی ترقی کا دور تھا۔ یہ حکمران جہاں جاتے علما و فقہا اور شعرا کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہوتی۔ اس زمانے میں لاہور کو ایک عظیم علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور اس شہر میں عراق و بخارا اور دیگر ممالک سے بے شمار علما و فضلا آ کر مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں تاریخ سلاطین آلِ غزنی کا مصنف رقم طراز ہے:

وجوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلادِ ہند و ولایتہائے کاشغر و ماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذالک۔ ازاں خیرات منتفع می شدند چنانکہ یک آبادانی نو در حدودِ لاہور پدید آمد[۵]

یعنی دورِ غزنویہ میں بلادِ ہند کاشغر، ماوراء النہر، عراق، بخارا، سمرقند، خراسان اور غزنی وغیرہ ممالک سے لوگ گروہ در گروہ لاہور میں آتے اور یہاں کے علم و فضل سے نفع اندوز ہوتے۔

ہمارا موضوع اس ضمن میں تاریخ کی تفصیلات میں جانا نہیں ہے بلکہ صرف یہ عرض

---

۵ بحوالہ آبِ کوثر: از شیخ محمد اکرام (طبع سوم - ۱۹۵۲ء) ص ۷۰

کرنا مقصود ہے کہ لاہور اور پنجاب کے بعض دیگر علاقوں میں سب سے پہلا مسلمان حکمران محمود غزنوی آیا اور یہ حکمران جہاں بڑا شجاع، جرأت مند، صاحبِ بصیرت، باتدبیر، عقلمند، مجاہد اور کشور کشا تھا وہاں جلیل القدر عالم، فقیہ، نیک اور عادل بھی تھا۔ علاوہ ازیں علما و فقہا اور بزرگانِ دین سے بدرجۂ غایت محبت اور تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کے واقعات دلچسپ بھی ہیں اور تحیّر انگیز بھی۔ ہندوستان پر اس نے بار بار حملے کیے۔ باوجودیکہ راجگانِ ہند نے پوری یکجہتی اور طاقت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، لیکن یہ ہر حملے میں کامیاب رہا اور ان سے اپنی فوجی قوت، جنگی صلاحیت اور ذاتی بصیرت کا لوہا منوایا۔

محمود غزنوی کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور متقدمین میں سے متعدد مصنفین نے اپنی تصنیفات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً ابوالنصر محمد بن عبدالجبار عتبی نے اپنی کتاب تاریخ الیمینی میں، علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں، امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی نے مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق میں، ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں، ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں، اور ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں اس کے حالات بیان کیے ہیں۔

طبقات الشافعیہ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق اور وفیات الاعیان کے مصنفین نے تو اس کی تبدیلیٔ مسلک کا واقعہ بھی درج کیا ہے اور وہ سارا قصہ نقل کیا ہے، جو اس کے مسلکِ حنفی ترک کرکے مسلک شافعی اختیار کرنے کا باعث بنا۔ اور بتایا ہے کہ سلطان کے دربار میں، علمائے حنفیہ اور علمائے شافعیہ کی کثیر تعداد کے سامنے، قفال مروزی نے، پہلے شافعی مسلک اور پھر حنفی مسلک کے مطابق نماز پڑھی[۱] مگر اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

---

[۱] اس سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ملاحظہ ہو۔ مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق۔ از ابوالمعالی عبدالملک جوینی (متوفی ۴۷۸ھ) ص ۵۷ تا ۵۹۔

محمود غزنوی بہت سی خصوصیات کا مالک تھا۔ شاہانِ ہند میں اس کی جو خوبی، اس کو سب سے ممتاز کرتی ہے، وہ اس کا علم و فضل اور فقاہتِ دین ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، یہ بہت بڑا فقیہ بھی تھا۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں مسائلِ فقہ سے متعلق اس کی ایک تصنیف کا ذکر بھی کیا ہے جس کا نام التفرید فی الفروع ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

التفرید فی الفروع - للسلطان محمود بن سبکتگین الغزنوی الحنفی ثم الشافعی المتوفی سنة اثنتین وعشرین واربع مائة -
قال الامام مسعود بن شیبة کان السلطان المذکور من اعیان الفقهاء وکتابه هذا مشهور فی بلاد غزنة وهو فی غایة الجودة وکثرة المسائل ولعله نحو ستین الف مسئلة وفی التاتارخانیة نقول منه، ولما رأى ان المذهب الشافعی اوفق لظواهر الحدیث تشفع بعد ان جمع علماء المذهبین کما ذکره ابن خلکان[۵۸]

یعنی التفرید فی الفروع، سلطان محمود بن امیر سبکتگین غزنوی، حنفی ثم شافعی کی تصنیف ہے، جو ۴۲۲ھ میں فوت ہوا۔ امام مسعود بن شیبہ کا کہنا ہے کہ سلطان محمود اعیانِ فقہا میں سے تھا اور اس کی یہ کتاب بلادِ غزنہ میں بڑی مشہور ہے۔ عمدگی اور کثرتِ مسائل میں اس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب تقریباً ساٹھ ہزار مسائل کو محتوی ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں، اس سے مسائل درج کیے گئے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی نے جیسا کہ ابن خلکان نے ذکر کیا ہے، شافعی اور حنفی دونوں مکاتبِ فقہ کے مجمع علما میں، جب یہ سمجھا کہ مذہب شافعی، ظواہر حدیث سے زیادہ موافق ہے تو شافعی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

وفیات الاعیان، ابن خلکان ج ۴، ص ۲۶۲ تا ۲۶۹ - قفال مروزی کی نماز کے لیے ص ۲۶۷ (طبع اول مطبوعہ مصر - ۱۳۶۷ھ - ۱۹۴۸ء) ملاحظہ کیجیے۔

[۵۸] کشف الظنون ج ۱، کالم ۴۲۶ (مطبعۃ البہیہ - ۱۹۴۱ء - ۱۳۶۰ھ)

کشف الظنون کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان محمود غزنوی، فقہ میں بلند مرتبہ رکھتا تھا اور اس باب میں وہ ایک کتاب کا بھی مصنف ہے۔ اس اقتباس سے اور اس کے حالات و واقعات پر مشتمل دیگر کتابوں کے اندراجات سے یہ بھی منقح ہوتا ہے کہ وہ پہلے مسلکِ حنفی کا حامل تھا، بعد میں حلقہ بگوش شافعیت ہو گیا۔ طبقات الشافعیہ میں اس کا تذکرہ اکابر شوافع کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

افغانستان اور سرحد کے علمائے کرام اور اصحابِ تاریخ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی مسلک اہلِ حدیث سے منسلک ہو گیا تھا۔ بہر حال وہ اہلِ حدیث ہو، یا کچھ اور، واقعہ یہ ہے کہ اس کو علمائے اہلِ حدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ وہ ان پر اعتماد کرتا تھا اور بعض مواقع پر اس نے ان کو سفارت کی ذمہ داریاں بھی تفویض کیں۔ چنانچہ جب ایلک خاں نے ماوراء النہر کا علاقہ آلِ سامان سے آزاد کرایا اور مملکتِ خراسان پر قابض ہوا تو اس کی اطلاع اس نے محمود غزنوی کو دی۔ محمود غزنوی بہت خوش ہوا اور اس نے شیخ ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو اس کے پاس بطور سفیر بھیجا اور اس کے ہاتھ مختلف قسم کے قیمتی تحائف ارسال کیے۔ اس ضمن میں فرشتہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

و ایلک خاں ماوراء النہر، یک بارہ از آلِ سامان، متخلص گردانیدہ، و فتح نامہ بسلطان محمود فرستادہ۔ او را باستیلائے مملکت خراسان تہنیت گفت، بنا بر ایں میان ہر دو پادشاہ بنائے دوستی و یگانگی استحکام پذیرفت، و سلطان محمود نیز ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی را کہ از ائمہ اہل حدیث بود برسم رسالت پیش ایلک خان فرستادہ۔[۵۹]

یعنی ایلک خاں نے جب خاندانِ سامان کے قبضے سے ماوراء النہر کو آزاد کرایا، اور خراسان پر فتح حاصل کی تو فتح نامۂ تہنیت سلطان محمود کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس کے نتیجے میں دونوں بادشاہوں کے درمیان اتحاد و دوستی کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ اس کے جواب

۵۹؎ تاریخ فرشتہ جلد اول (فارسی) صفحہ ۲۰ (مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۷ھ - ۱۸۳۲ء)

ہیں سلطان محمود نے ابوالطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو، جو ائمۂ اہلِ حدیث میں سے تھے، اپنا سفیر بنا کر پیغام بر بنا کر ایلک خاں کے پاس بھیجا ......

سلطان محمود غزنوی کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ وہ بزرگانِ دین اور علمائے کرام سے بہت اُنس و مودت رکھتا تھا۔ ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا اور ان سے درخواستِ دعا کرتا۔ اس سلسلے کے متعدد واقعات میں سے ایک واقعہ لائقِ تذکرہ ہے، جو تاریخ بنائے گیتی کے حوالے سے تاریخ فرشتہ میں مندرج ہے:

سلطان، خراسان گیا تو اس کے دل میں، وہاں کے مشہور بزرگ شیخ ابوالحسن خرقانی سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن اس شوقِ ملاقات کے ساتھ ساتھ اس کے نہاں خانۂ خیال میں اس حقیقت نے بھی کروٹ لی کہ خراسان میں وہ اس بزرگ سے ملاقات کی غرض سے نہیں آیا ہے بلکہ مہماتِ ملکی کے سلسلے میں آیا ہے لہٰذا اس طرح ان کی زیارت کو جانا مناسب نہیں، یہ سوئے ادب ہے اور دوستانِ خدا کے وقار کے منافی ہے۔ اس لیے اس نے ان سے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب وہ خراسان سے ہندوستان آیا اور معرکہ آرائیوں میں مصروف ہو گیا۔ پھر غزنی گیا اور غزنی سے صرف شیخ کی زیارت کی غرض سے عازمِ خرقان ہوا۔ وہاں پہنچا تو ایک شخص کو یہ پیغام دے کر شیخ کی خدمت میں بھیجا کہ بادشاہ ملاقات کے لیے غزنی سے آیا ہے اور تقاضائے اخلاق یہ ہے کہ آپ خانقاہ سے باہر تشریف لائیں اور بادشاہ کو زیارت کا موقع دیں۔ اس کے بعد قاصد سے کہا، اگر شیخ باہر آنے سے انکار کریں تو انھیں یہ فرمانِ خداوندی سنا دینا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ [لہ]

[لہ] یہ آیت سورۂ نساء کی ۵۹ ویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی) جو تم میں سے اہلِ حکومت ہیں۔

قاصد نے شیخ کی خدمت میں سلطان کا پیغام پہنچایا مگر شیخ نے خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کیا اور بادشاہ کے ساتھ ملاقات کرنے سے معذرت چاہی۔ اس پر قاصد نے سلطان کی ہدایت کے مطابق، مذکورہ بالا آیۂ کریمہ پڑھ کر سنائی۔ جواب میں شیخ نے فرمایا:

شیخ گفت معذور دار، و بہ محمود بگو کہ در اَطِیْعُوا اللّٰہَ چناں مستغرقم کہ از اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ خجالت می برم و بہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ نپرداختم [سلله]

مجھے معذور گردانو اور محمود سے کہو کہ اب تک میں اللہ کی اطاعت میں اس درجہ مستغرق ہوں کہ رسول اللہ کی اطاعت کا حق ادا نہیں کر سکا، جس کی وجہ سے سخت ندامت محسوس کر رہا ہوں۔ بھلا ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیوں کر عنانِ توجہ مبذول کر سکتا ہوں۔

اس کے آگے فرشتہ لکھتا ہے:

رسول بسلطان محمود باز نمود و سلطان رقت نمودہ و گفت برخیزید کہ ایں نہ آں مرد است کہ با گماں بردہ ایم [سلله]

قاصد واپس آگیا اور اس نے شیخ کا جواب سلطان کو سنایا تو سلطان یہ جواب سن کر بہت رو دیا اور کہا چلو یہ ایسا شخص نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اسے سمجھ رکھا تھا۔

بعد ازاں سلطان، اس انداز سے، شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا کہ خود تو اپنے غلام ایاز کا لباس زیب تن کیا اور اپنا لباس ایاز کو پہنایا اور دس کنیزوں کو غلاموں کے لباس میں ملبوس کر کے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شیخ کی خدمت میں پہنچے اور ان کو سلام کیا تو شیخ نے سلام کا جواب تو دیا مگر تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوئے، اور سلطان (جس نے ایاز کا لباس پہن رکھا تھا) کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی بلکہ ایاز کی طرف ملتفت ہوئے جو کہ سلطان کے لباس میں ملبوس تھا۔ اس پر ایاز نے، جو درحقیقت سلطان تھا، شیخ سے کہا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے

[سلله] تاریخ فرشتہ۔ ج ۱ ص ۶۳ (مطبوعہ بمبئی ۱۸۳۲ء - ۱۲۴۷ھ) [سلله] ایضاً

لیے کھڑے ہوئے اور نہ اس کی طرف التفات کیا۔ کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کر دیا جائے؟ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں! جال تو یہی ہے لیکن تیرا مشارٌ الیہ اس جال میں گرفتار نہیں ہے۔ تو سامنے آ کہ اس جال کا سب سے بڑا شکار تو خود ہے۔ سلطان نے جب دیکھا کہ اصل حقیقت شیخ پر منکشف ہو چکی ہے تو مودب ہو کر شیخ کے سامنے بیٹھ گیا اور کچھ فرمانے کی درخواست کی۔ شیخ نے غلاموں کے لباس میں بیٹھی ہوئی کنیزوں کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا کہ ان نامحرموں کو اس مجلس سے نکال دو۔ سلطان نے ان کو نکال دیا اور عرض کیا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا کوئی واقعہ سنائیے۔ شیخ نے کہا۔ بایزید کا فرمان ہے: "جس نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ ظلم و ستم کی برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔" سلطان نے سوال کیا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا بایزید کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہے۔ حضور کو دیکھنے والوں میں بھی سبھی لوگ اچھے نہ تھے۔ ابوجہل اور ابولہب نے بھی تو آپ کو دیکھا تھا، وہ کافر کے کافر ہی رہے۔ پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں، ہر ظالم کیوں کر اچھا انسان بن سکتا ہے؟ شیخ نے سلطان کی یہ بات سن کر کہا۔

محمود، اپنی بساط سے بڑھ کر بات نہ کرو۔ ادب ملحوظ رکھو۔ دنیائے ولایت میں بے ادبی سے قدم نہ رکھو۔ اس حقیقت کو خوب جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار یاروں اور دیگر صحابۂ کرام کے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی:

وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ [۱۳]

سلطان کو شیخ کی یہ بات بہت پسند آئی اور عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ فرمایا۔ تمھیں چار چیزیں اختیار کرنا چاہییں، جو یہ ہیں:

۱۳؎ یہ آیت سورہ اعراف کی ۱۹۸ ویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اور اُن کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

۱۔ پرہیز گاری

۲۔ نماز باجماعت

۳۔ سخاوت — اور

۴۔ شفقت

اس کے بعد سلطان نے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا۔ میں پانچوں وقت نماز کے بعد یہ دعا کرتا ہوں:

اللّٰھم اغفر للمومنین والمومنات [1]

سلطان نے کہا یہ دعا تو عام ہے، میرے لیے کوئی خاص دعا کیجیے۔ فرمایا۔ "محمود جاؤ! تمھاری عاقبت محمود ہو"

بعد ازاں سلطان نے اشرفیوں کا ایک توڑا شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے جَو کی روٹی اس کے سامنے رکھی اور اسے کھانے کے لیے کہا۔ سلطان نے لقمہ توڑ کر مُنہ میں ڈالا تو محسوس کیا کہ روٹی بہت سخت ہے۔ ہر چند اُسے چبایا لیکن روٹی کا ٹکڑا نہ تو دانتوں سے کٹتا تھا اور نہ حلق سے نیچے اترتا تھا۔ شیخ نے پوچھا۔ کیا یہ روٹی تمھارے حلق میں اٹکتی ہے؟ سلطان نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا۔ جس طرح ہماری یہ جَو کی سوکھی روٹی تمھارے حلق سے نیچے نہیں اُترتی، اسی طرح تمھارا یہ اشرفیوں سے بھرا ہوا توڑا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا لو۔ ہم اس کو ترک کر چکے ہیں۔

سلطان نے، بطور یادگار کے شیخ سے کوئی چیز مانگی تو انھوں نے اپنا خرقہ عنایت فرمایا۔

سلطان، جب شیخ کی مجلس سے رخصت ہونے کے لیے اٹھا تو شیخ بھی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے سوال کیا، اس کی کیا وجہ ہے، جب میں

---

[1] یعنی اے اللہ۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مغفرت فرما۔

آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے میری کوئی پروانہ کی اور اب جانے لگا ہوں تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔؟

فرمایا! جب تم میرے پاس آئے تھے تو خدم و حشم تمھارے ساتھ تھے۔ تم غرورِ بادشاہت میں سرمست تھے اور میرے امتحان کی غرض سے آئے تھے لیکن اب تم عاجزی اور انکساری کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہو۔[۱۵]

غزنی کے اس کشور کشائے اعظم اور فاتح ہند کے بے شمار واقعات کتبِ تاریخ میں منقول ہیں لیکن ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف اس کی فقہی اور دینی حیثیت کا تذکرہ مقصود ہے۔

سلطان محمود غزنوی میانہ قد اور خوش اندام تھا۔ اس کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ ایک مرتبہ سلطان نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو کسی ندیم کے سامنے اپنے خوب رُو نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ندیم نے کہا، گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کی صورت لاکھوں میں سے ایک نے دیکھی اور سیرت و کردار سب کے علم میں آیا۔

یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے اپنے لیے "سلطان" کا لفظ استعمال کیا۔ اس کی فتوحات کی تیزی اور وسعت نے بڑے بڑے بادشاہوں اور جنگ جوؤں کو حیرت و تعجب میں ڈال دیا تھا۔

جمعرات ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ (بعض کے نزدیک ۴۲۲ھ) کو تریسٹھ برس کی عمر پا کر غزنی میں فوت ہوا۔ پینتیس سال حکومت کی۔ شب کو بارش ہو رہی تھی کہ جنازہ اٹھا اور قصرِ فیروز غزنی میں دفن کیا گیا۔

---

[۱۵] اس واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ تاریخ فرشتہ (فارسی) ج ۱، ص ۶۴،۶۳ مطبوعہ بمبئی۔

چھٹی صدی ہجری

الف

۱۔ قاضی اسماعیل بن علی سندھی

اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن یعقوب ثقفی سندھی، بہت بڑے فقیہ تھے۔ علم و فضل میں بے نظیر، فصاحت میں عدیم المثال اور بلاغت میں فقید العصر تھے۔ سندھ کے مشہور شہر، ارور کے منصبِ قضا اور خطابت پر فائز تھے۔ اور یہ قضا و خطابت عرصے سے ان کے خاندان میں چلی آ رہی تھی اور آبا و اجداد کی طرف سے انھیں ورثے میں ملی تھی۔ فلسفہ، ادب اور باقی علوم میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ نیکی کا یہ عالم تھا کہ انوارِ تقدیس ان کی پیشانی پر عیاں تھے۔ چچ نامہ کے مصنف علی بن حامد بن ابوبکر کوفی (متوفی ۶۱۳ھ) نے اپنی کتاب (چچ نامہ) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں ان سے شہر ارور میں ملا۔ ان کے پاس تاریخ سندھ کے اوراق تھے۔ اس نواح میں مسلمانوں کے غزوات اور ان کی فتوحات کے بارے میں کچھ منتشر واقعات دیکھے جو عربی زبان میں مرقوم تھے۔ میں نے ان سے یہ منتشر اجزا لیے اور عربی سے فارسی زبان میں منتقل کر دیے۔ چچ نامہ کے مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

مولانا قاضی الامام الاجل، العالم البارع، کمال الملت والدین، سید الحکام، اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب بن عثمان ثقفی ادام اللہ فضلہ و رحم آباءہ و اسلافہ بحق محمد و آلہ اجمعین کہ در فصاحت کانِ فضل است، و در ملاحت، جانِ عقل است، و در فنونِ علم و زہد، بے نظیر، و در صنوفِ بلاغت، بے ظہیر دیدہ شد، استخبار کردہ آمد۔ وگفت تاریخ این فتح، بجنلہ

آباؤ اجدادِ ما بلغتِ حجازی، در کتاب مسطور است، و از یک دیگر میراث شدہ بورثہ می رسد، فاما چوں در پردۂ تازی و حجاب حجازی بود، درمیانِ اہلِ عجم منتشر نشد۔“ سلہ

ب

۲ - ابوالحسن بختیار بن عبداللہ صوفی ہندی

چھٹی صدی ہجری کے ہندوستان میں بہت سے مشہور محدث و فقیہ موجود تھے۔ رجال و انساب سے متعلق ایک معروف تصنیف، الانساب ہے۔ اس کے مصنف ابوسعید عبدالکریم سمعانی ۵۶۲ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی یہ کتاب اپنے موضوع میں جامع، مفصل اور مستند کتاب ہے۔ اس میں وہ ”السندی،، کے تحت لکھتے ہیں:

فہو منسوب الی بلاد الھند و فیھم کثرۃ و شھرۃ۔

یعنی (چھٹی صدی ہجری کے) ہندوستان میں محدثین و فقہا کی کثیر اور مشہور جماعت موجود ہے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سمعانی نے اس ”کثیر و مشہور جماعت،، میں سے صرف دو ہندی بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ غلام تھے۔ یہ غلام کی حیثیت سے ابھرے اور دنیائے علم کے سامنے حدیث و فقہ کے امام بن کر نمودار ہوئے۔ یہ دونوں، امام سمعانی کے شیخ اور استاذ تھے۔ ان کے نام ایک ہیں اور کنیتیں دو ہیں۔

ان میں سے ایک شیخ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ ہندی ہیں۔ یہ صوفی اور محدث تھے اور قاضی محمد بن اسماعیل یعقوبی کے (جو بوشنگ کے رہنے والے تھے) آزاد کردہ غلام تھے۔ نہایت نیک سیرت عالم تھے۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق، حجاز، اہواز، بغداد، بصرہ، اصفہان، کوہستان اور خوزستان کا سفر کیا۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ جہاں گئے وہاں کے شیوخ و محدثین سے روایات سننے کی سعادت

سلہ چچ نامہ، ص ۱۰۹

سے بہرہ اندوز ہوئے۔ مثلاً بغداد میں ابونصر محمد، ابوالفوارس طراد بن محمد بن علی زینبی اور ابو محمد رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی سے، بصرہ میں ابو علی علی بن احمد بن علی تستری، حافظ حدیث ابوالقاسم عبدالملک بن علی بن خلف بن شعبہ اور ابو یعلیٰ احمد بن محمد بن حسن عبدی سے، اصفہان میں طبقۂ محدثین کی بہت بڑی جماعت سے، اسی طرح بلادِ کوہستان کے اہل الحدیث سے، احادیث و روایات کی سماعت کی۔ سمعانی نے بوشنگ اور ہرات میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان کی وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی ۵۲

۴۔ بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد

یہ ابو محمد بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد ہیں۔ ان کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں: کہ یہ میرے والد ابوبکر محمد سمعانی کے آزاد کردہ ہندی غلام تھے۔ ان کے ساتھ انھوں نے عراق اور حجاز کا سفر کیا اور ان سے بہت سی احادیث کا سماع کیا۔ الفاظ یہ ہیں:

انہ عتق الامام والدی رحمہ اللہ سافر معہ الی العراق والحجاز وسمعہ الحدیث الکثیر وکان عبدًا صالحًا۔

یہ صالح اور پرہیزگار آدمی تھے۔ انھوں نے حصولِ علم کے لیے عراق، ہمدان اور اصفہان وغیرہ ملکوں اور علاقوں کی خاک چھانی اور وہاں کے اساتذۂ فن سے اخذ فیض کیا۔ بغداد میں ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج سے، ابوالفضل محمد بن عبد السلام بن احمد انصاری سے اور ابوالحسین مبارک بن عبدالجبار طیوری سے، ہمدان میں ابو محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن حسن دونی سے اور اصفہان میں ابوالفتح محمد بن احمد حداد اور ان کے طبقہ سے سماعِ حدیث کی۔ خود سمعانی نے ان سے روایات سننے کا شرف حاصل کیا۔ ان کا انتقال ماہِ صفر ۵۴۱ھ میں مرو میں ہوا ۵۳

---

۵۲ الانساب سمعانی ورق ۵۹۲ معجم البلدان ج ۲ ص ۵۰۰۔ ۵۳ الانساب سمعانی ورق ۵۹۲

ع

۴- ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری

لاہور، برصغیر پاک و ہند کا قدیم اور مشہور شہر ہے۔ اس میں بے شمار علماء و فقہاء مفسرین و محدثین اور عباد و زہاد، باہر سے بھی آئے اور خود اس شہر میں بھی پیدا ہوئے۔ سمعانی یعنی ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے اس کو "لوہور" بھی لکھا ہے اور "لاہور" بھی۔ اس نے اس کو "بلادِ ہند" کا "کثیرۃ الخیر" شہر قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں سمعانی کے الفاظ یہ ہیں:

وهی مدینة من بلاد الهند، کثیرة الخیر، ویقال لها لوهور و لاهور، خرج منها جماعة من العلماء۔[۵۴]

یعنی یہ بلادِ ہند کا ایک کثیر الخیر شہر ہے۔ اس کو لوہور بھی کہا جاتا ہے اور لاہور بھی۔ اس میں علمائے کرام کی ایک جماعت نمودار ہوئی۔

سمعانی نے لاہور کے تین علمائے عظام کا ذکر کیا ہے اور وہ ہیں: ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری، ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعثی لاہوری، اور ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں:

یہ ادیب و شاعر بھی تھے اور محدث بھی۔ سخن طراز بھی تھے اور شگفتہ مزاج بھی۔ بہت سی احادیث انھیں زبانی یاد تھیں۔ حافظ ابوعلی منظفر بن الیاس بن سعید سعیدی کے شاگرد تھے۔

سمعانی ان کے متعلق مزید لکھتے ہیں۔ میں خود ان سے نہیں ملا، لیکن حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطے سے مجھے ان کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ ان کا فیضِ علم لاہور سے بغداد تک جاری تھا۔ سمعانی کے الفاظ یہ ہیں:

---

[۵۴] الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۴۹۷۔

ابوالحسن علی بن عمر بن الحکم اللوھوری کان شیخًا، ادیبًا، شاعرًا، کثیر المحفوظ، ملیح المحاورۃ، سمع ابا علی المظفر بن الیاس بن سعید السعیدی الحافظ، لہ الحفتہ و روی لنا عنہ ابو الفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ ببغداد[۵]

۵- عمرو بن سعید لاہوری

شیخ عمرو بن سعید لاہوری، چھٹی صدی ہجری کے لاہور کی عظیم علمی شخصیت تھے۔ یہ بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ تذکروں میں ان کے مفصل حالات نہیں ملتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے تلامذہ کا حلقہ وسیع تھا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کو حافظ ابوموسیٰ مدنی اصفہانی بھی کہا جاتا ہے محمد بن ابوبکر اصفہانی (متوفی ۵۸۱ھ) ان کے شاگرد تھے۔ افسوس ہے، شیخ عمرو بن سعید کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ نہ ان کی ولادت و وفات کے سنین کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کے اساتذہ و تلامذہ کے بارے میں تفصیلات مہیا ہو سکی ہیں[۶]

۶- شیخ محمد بن عبدالملک جرجانی

لاہور کے مشہور اور جلیل القدر علما میں سے شیخ محمد بن عبدالملک خطیر الدین کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور زہد و تقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ اس سلسلے میں اپنے زمانے میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ یہ بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار میں سے چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

گردشِ روزگار پر عبر است　　　نیک داند کسے کہ معتبر است

---

[۵] الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۴۹۷　[۶] معجم البلدان ج ۵، ص ۲۷

چرخ پر شعبدہ است و پر نیرنگ — ہمہ نیرنگہاش کارگر است
بد و نیک زمانہ مختلط است — غم و شادیش مرد منتظر است
ہست حمال آب دریا ابر — خاک راحقہ ہای پر درد است
بار شمشیر برق تیغ کشید! — چوں پلان کوہسار باکر است
اندریں روزگار ناساماں — ہر کہ با عافیت است باہنر است
ہم چو روباہ ہست کشتہ دم؟ — ہم چو طاؤس مبتلای پر است
اختر و آخشیج بے مہر اند — اگر ایں مادر است وآں پدر است
ازچنیں مادر و پدر چہ عجب — کہ موالید ماندہ بے پدر است[57]

افسوس ہے، ان کے حالات کا اس سے زیادہ علم نہیں ہو سکا۔

۷۔ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری

شیخ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری فقیہ اور مناظر تھے۔ سمعانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وابوالقاسم محمود بن خلف اللوھوری فقیہ ومناظر، تفقہ علی جدی الامام ابی المظفر السمعانی وسمع منہ وغیرہ، سمعت منہ شیئا یسیرا، باسفرائن وکان قد سکنہا وتوفی فی حدود سنۃ اربعین وخمس مائۃ[58]

یعنی ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری، فقیہ اور مناظر تھے۔ امام ابوسعید عبدالکریم (مصنف الانساب) کے دادا ابوالمظفر سمعانی سے علم فقہ حاصل کیا۔ ان کے علاوہ دیگر علماء و محدثین سے بھی سماعتِ علم کی۔ سمعانی کہتے ہیں: میں نے اسفرائن میں ان سے کچھ روایات

---

[57] لباب الالباب۔ از نورالدین محمد عوفی، ج ۱، ص ۲۳۲ (مطبوعہ لیدن)

[58] الانساب۔ سمعانی ورق ۴۹۷۔

سننے کا شرف حاصل کیا۔ انھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۵۴۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔

۸۔ مخلص بن عبداللہ ہندی

شیخ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی مہذبی۔ چونکہ مہذب الدولہ ابوجعفر دامغانی کے آزاد کردہ غلام تھے، اس لیے مہذبی کہلائے۔ یہ نسبت مُہَذّب کی طرف ہے، جو اُن کے آزاد کرنے والے کا لقب تھا۔

مخلص بن عبداللہ درحقیقت ہندی تھے، لیکن بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بغداد میں انھوں نے شیخ ابوالغنائم محمد بن علی نرسی، ابوالقاسم بزاز اور ابوالفضل حنبلی وغیرہم سے احادیث سنیں۔ سمعانی کہتے ہیں، میں نے بغداد میں مخلص بن عبداللہ سے کچھ احادیث سنی تھیں۔[۵۹]

ی

۹۔ یوسف بن ابوبکر گردیزی

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سید یوسف بن ابوبکر بن علی بن محمد بن حسین بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن محمد الدیباج بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین۔ ۴۵۰ھ میں مضافاتِ غزنی میں پیدا ہوئے جس کا نام گردیز تھا۔ بچپن ہی میں تحصیل علم میں مصروف ہو گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اپنے باپ سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے شہرۂ آفاق بزرگ حضرت شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے اخذِ فیض کیا۔ یعنی باپ اور دادا کے دو واسطوں سے یہ شیخ ابویزید بسطامی کے شاگرد ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق اپنے دادا سے

---

۵۹ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۱۱، ۱۱۲۔ بحوالہ الانساب۔ سمعانی۔

کسب علم کیا۔ یعنی صرف ایک واسطے سے ان کو حضرت ابویزید بسطامی کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔

بہت بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ حصولِ علم کے بعد گردیز سے ملتان منتقل ہو گئے اور دعوت و ارشاد کو اپنا مقصدِ حیات قرار دے لیا۔ ان سے خلق کثیر نے فیض حاصل کیا اور بے شمار لوگ اُن کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔ انتہائی نیک، بدرجہ غایت عبادت گزار اور ہر آن خشیتِ الٰہی میں رہنے والے تھے۔ ان کی طرف بہت سے کشوف و کرامات منسوب ہیں۔ اکیاسی سال کی عمر پا کر ۱۲ ربیع الاوّل ۵۳۱ھ کو ملتان میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے[۱۰]

---

[۱۰] نزہۃ الخواطر۔ ج ۱، ص ۱۱۹۔ بحوالہ جمال یوسف۔

ساتویں صدی ہجری

الف

۱- شیخ احمد بن محمد ہانسوی

شیخ احمد بن محمد بن مظفر بن ابراہیم خطیب۔ انھیں شیخ جمال الدین نعمانی ہانسوی بھی کہا جاتا ہے۔ شہر ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ جہاں یہ تقویٰ و صالحیت کے اوصاف سے متصف تھے وہاں نامور عالم دین اور فقیہ بھی تھے۔ ان کا شمار، کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا ہے۔ تصوّف و طریقت کے لیے شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھے اور ان کے اعاظم خلفا میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا۔ سلسلۂ سلوک میں اس درجہ اونچے مقام پر پہنچے کہ ان ہی کی وجہ سے شیخ فرید الدین پورے بارہ سال شہر ہانسی میں قیام فرما رہے۔ شیخ فرید الدین کے نزدیک ان کا مرتبۂ سلوک اتنا بلند تھا کہ جب وہ کسی بزرگ کو کسی علاقے کا خلیفہ مقرر فرماتے اور تصوّف و سلوک کے سلسلے کو آگے بڑھانے کی غرض سے اس کو سند و اجازہ تحریر کر کے دیتے تو اس کو پہلے شیخ جمال الدین ہانسوی کی خدمت میں بھیجتے۔ اگر شیخ جمال الدین اس کو لائق خلافت گردانتے اور سند و اجازہ پر اپنی مُہر ثبت کر دیتے تو شیخ فرید الدین اس کی خلافت باقی رہنے دیتے اور اگر وہ مہر نہ لگاتے اور اسے رد کر دیتے تو شیخ بھی اس کو قبول نہ فرماتے اور کہتے، جس کو جمال نے گرا دیا وہ ترقی کی منزلیں طے نہ کر پائے گا۔ نیز فرماتے، "جمال، جمال ما است"۔

شیخ جمال الدین ہانسوی کا عربی میں ایک رسالہ بھی ہے، جو ملہمات کے نام سے موسوم ہے۔ ان کا ایک فارسی دیوان بھی ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

تا حکم سماع را بدانی در حال | در حرمت و حلتش سخن گفت جمال
اصحاب نفوس را حرام است حرام | ارباب قلوب را حلال است حلال

ان کا انتقال ۶۵۹ھ میں ہوا[۱]

۲- شیخ اسحاق بن علی بخاری

شیخ اسحاق بن علی بن اسحاق بخاری- ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی بن حسین سے ملتا ہے- انھیں بدر الدین اسحاق بھی کہا جاتا ہے-- دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی- دہلی میں، اپنے باپ شیخ علی بن اسحاق بخاری سے، جنھیں منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، تحصیل کی- طلبا میں، خوش طبعی اور تیزیٔ ذہن و فکر میں ممتاز تھے- تمام علوم میں ماہر تھے- عظیم فقیہ اور زاہد تھے- تحصیل علم کے بعد طویل عرصہ تک دہلی کے مدرسہ معزیہ میں درس و تدریس میں مشغول رہے- ایک مرتبہ بخارا جانے کا ارادہ کیا، اور دہلی سے چلے تو اثنائے سفر میں اجودھن (پاک پٹن) پہنچے- وہاں جاکر معلوم ہوا کہ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک نیک اور متقی بزرگ ہیں جو اس آبادی میں تشریف فرما ہیں- ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے- شیخ فرید الدین نے ان کے چہرے اور کردار و سیرت میں فضیلت کے آثار دیکھے تو اپنے پاس ہی رہنے کا حکم دیا- اپنی لڑکی ان کے عقد میں دی اور خرقہ ان کے زیبِ تن کیا- پھر تمام عمر حضرت شیخ فرید الدین کی خدمت میں رہے-

بہت بڑے عالم، فقیہ، زاہد، سخی، بہادر اور شاعر تھے اور معارف و علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے- خشیتِ الٰہی کا جذبہ ہر آن قائم رہتا- جب دیکھو اللہ کے ڈر سے آنکھیں اشک بار ہیں-

---

[۱] اخبار الاخیار- از شیخ عبد الحق محدث دہلوی- ص ۶۷- نزہۃ الخواطر- ج ۱، ص ۱۲۲

شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض خلفا اور اصحاب ارادت کو عوام کی رشد و ہدایت کے لیے مختلف علاقوں اور شہروں میں متعین کر رکھا تھا۔ مثلاً کسی کے سپرد کلیر کا علاقہ تھا اور کسی کے دہلی کا۔ ان کو اس ضمن میں کسی علاقے میں بھیجنا چاہا مگر انھوں نے باہر جانے سے معذرت کر دی اور مرشد کی خدمت میں پاک پٹن ہی میں مقیم رہنے پر اصرار کیا۔ حتیٰ کہ وہیں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

ان کی تصنیفات بھی ہیں، جن میں ایک کتاب کا نام اسرار الاولیا ہے، جس میں اپنے شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں۔ ایک کتاب عربی نظم میں، علم صرف سے متعلق ہے۔

۶ر جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ کو پاک پٹن میں فوت ہوئے۔[۲]

ب

۳۔ شیخ بدر الدین دلموی

شیخ بدر الدین علوی حسینی دلموی، بہت بڑے متقی بھی تھے اور جلیل القدر فقیہ بھی۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ شیخ کبیر عثمان ہارونی کی صحبت میں رہنے کی سعادت حاصل کی اور ان ہی سے طریقہ چشتیہ کی تعلیم پائی۔ پھر ہندوستان آئے اور رائے بریلی سے دس میل کے فاصلے پر ایک مقام دلمؤ میں رہائش اختیار کی۔ ۶۴۶ھ میں دلمؤ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ بعض حضرات نے "بدر تم" سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ ان کی لوح قبر پر بھی "بدر تم" مرقوم ہے۔[۳]

۴۔ شیخ بدر الدین سمرقندی

شیخ بدر الدین فردوسی سمرقندی، جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے۔ سرزمین ہند کے

---

[۲] اخبار الاخیار۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص ۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۲۴۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱
[۳] نزہۃ الخواطر۔ ج ۱۔ ص ۱۲۶ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

ان مشہور مشائخ میں سے تھے، جنھوں نے شیخ سیف الدین باخرزی سے علم طریقت حاصل کیا اور خاصا عرصہ ان سے وابستہ رہے۔ بعض حضرات کے نزدیک شیخ باخرزی کی وساطت کے بغیر شیخ نجم الدین کبریٰ سے اخذ طریقت کیا۔ کہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ انھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو دیکھا تو ہے لیکن ان سے طریقت نہیں سیکھی۔ طریقت کے لیے شیخ باخرزی کے سامنے ہی دو زانو ہو کر بیٹھے۔ البتہ شیخ باخرزی نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے اخذ طریقت کیا ہے۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے زمانے میں وارد دہلی ہوئے۔ صورت و سیرت میں نہایت بلند پایہ تھے۔ یہ مشائخ طریقہ فردوسیہ کے پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان آئے اور پھر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

ان سے شیخ رکن الدین دہلوی اور بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔ شیخ نظام الدین کے زمانے میں، دہلی میں وفات پائی[۴]۔ خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق ۶۱۷ھ میں فوت ہوئے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے[۵]۔

۵- شیخ بدرالدین غزنوی

شیخ بدرالدین غزنوی، نیکی اور فقاہت میں ممتاز درجہ کے مالک تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا ہے۔ کم عمری ہی میں، غزنی سے لاہور آ گئے تھے اور یہاں آ کر اپنی تمام کوششیں تحصیل علم کے لیے وقف کر دی تھیں۔ انھوں نے اپنے زمانے کے جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر لاہور سے دہلی منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں اسلامی ممالک تاتاریوں کے دست تظلم کا شکار بنے ہوئے تھے۔ ہر طرف تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ اور اسلامی ملکوں سے، بے شمار علمائے دین، شہزادے اور امراء وزراء ہندوستان آ گئے تھے کیوں کہ اس ملک میں بالکل امن تھا اور اس کے حکمران، علماء و صلحا کی قدر کرتے تھے۔

---

[۴] اخبار الاخیار [۵] نزہۃ الخواطر۔ ج ۱ ص ۱۲۷

شیخ بدرالدین غزنوی دہلی پہنچے تو اُن لوگوں کی معرفت انھیں اسلامی ممالک کا حال معلوم ہوا اور پتا چلا کہ یہ فتنہ ان کے آبائی شہروں میں بھی پہنچ گیا ہے اور ان کے ماں باپ اس ہنگامے میں قتل کر دیے گئے ہیں۔ یہ الم ناک خبر سُن کر شیخ بدرالدین نہایت پریشان ہوئے اور دہلی ہی کو اپنا مستقل وطن قرار دے لیا۔ دہلی میں ان دنوں تصوف و طریقت میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی کا بہت شہرہ تھا۔ یہ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ تمام عمر اُن سے وابستہ رہے اور اُن کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔ ان کے دورِ خلافت میں شیخ امام الدین نے ان سے علم طریقت حاصل کیا۔

۶۵۷ھ میں دارالخلافہ دہلی میں وفات پائی[۶]۔

۶۔ مولانا بُرہان الدین بزاز

شیخ علامہ برہان الدین بزاز حنفی دہلوی، ہندوستان کے مشہور حکمران سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے کبار فقہا میں سے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ غیاث الدین بلبن ان کی بے حد تکریم کرتا تھا[۷]۔

ان کا شمار بھی ان ہی اہلِ علم حضرات میں ہوتا ہے، جن کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۷۔ شیخ برہان الدین بلخی

شیخ برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی، عہدِ سلطان غیاث الدین بلبن کے

---

[۶] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۲۶ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔ نیز دیکھیے تاریخ فیروز شاہی برنی۔ ص ۱۱۲

[۷] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۲۸

اکابر علما و فضلا میں سے تھے۔ فقیہ و محدث، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، ماہر فنون رسمیہ و عرفیہ، صاحب شریعت و طریقت اور شاعر تھے۔ شعر عارفانہ کہتے۔ انھوں نے مشارق الانوار (مصنفہ حسن بن محمد صغانی) براہِ راست اس کے مصنف علام سے باسناد سُنی۔

سلطان غیاث الدین بلبن ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دیر تک ان کے پاس بیٹھتا۔

فرماتے ہیں، مَیں چھ سات سال کی عمر کا بچہ تھا اور اپنے والد کے ساتھ جارہا تھا کہ سامنے سے صاحب ہدایہ حضرت شیخ برہان الدین مرغینانی کی سواری آئی۔ میں ہجوم میں باپ سے الگ ہوگیا۔ اتنے میں شیخ کی سواری قریب آگئی تو میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ انھوں نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ "در من تیز بدید"۔ اور فرمایا۔ اللہ مجھ سے یہ کہلواتا ہے کہ یہ چھوٹا سا بچہ اپنے زمانے میں علامہ ہوگا۔ الفاظ یہ ہیں:۔

خدا مرا چنیں می گویا ند کہ ایں کودک در روزگارِ خویش علامہ عہد شود۔

مَیں نے یہ بات اپنے کانوں سے سُنی اور شیخ کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔

پھر فرمایا۔ خدا مجھ سے یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اس مرتبے کا حامل ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر حاضری دیں گے۔ خدا مرا چنیں می گویا ند کہ ایں کودک چناں شود کہ بادشاہ بر دَرِ او بیایند۔

اس کے بعد شیخ برہان الدین بلخی نے اپنے بارے میں فرمایا کہ اللہ مجھ سے ایک گناہ کبیرہ کے سوا کسی گناہ کے بارے میں باز پرس نہ کرے گا۔

لوگوں نے سوال کیا، وہ کونسا گناہ کبیرہ ہے، جس کے بارے میں اللہ کی طرف سے آپ سے باز پرس کی جائے گی۔

جواب دیا۔ سماعِ چنگ است کہ چنگ را بسیار شنیدہ ام۔ یعنی وہ گناہ کبیرہ سماعِ چنگ ہے، جو مَیں نے بہت دفعہ سُنی ہے۔

ان کی تاریخ وفات ۶۸۷ھ میں ہوئی ۔ قبر دہلی میں حوضِ شمسی کے مشرقی جانب

ہے، جس کو تختۂ نور کہتے ہیں۔ "محدث فہیم" تاریخ وفات ہے[۸] وہاں کے اکثر لوگ ان کی قبر کی مٹی بچوں کو کھلاتے ہیں تاکہ ان کے ذہن میں تیزی پیدا ہو اور وہ زیادہ علم حاصل کریں[۹]

۸۔ مولانا برہان الدین نسفی

شیخ برہان الدین نسفی، عظیم المرتبت عالم تھے۔ فقہ، اصول اور علوم عربیہ میں کامل عبور رکھتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں ان کی مسند درس بچھی ہوئی تھی، جس سے لوگوں کی کثیر تعداد فیض یاب ہوئی اور بے شمار علما و مشائخ نے استفادہ کیا۔

ان کی خدمت میں، حصول علم کے لیے کوئی طالب علم حاضر ہوتا تو تین شرطیں اس کے سامنے رکھتے، جن پر عمل کرنا ضروری قرار دیتے۔

اول یہ کہ جو کھانا اس کا جی چاہے، کھائے، لیکن دن اور رات میں ایک ہی وقت کھائے تاکہ پیٹ کھانے ہی سے نہ بھر جائے بلکہ اس میں علم کے لیے بھی جگہ باقی رہے۔

دوم یہ کہ درس میں روزانہ حاضر ہوگا، کسی دن بھی غیر حاضری نہیں کرے گا۔ اگر ایک مرتبہ بھی غیر حاضر رہا تو وہ اسے کبھی نہیں پڑھائیں گے۔

---

[۸] تذکرہ علمائے ہند میں ۸۸۷ھ لکھا گیا ہے، جو غلط ہے۔ الفاظ یہ ہیں: "بسال ہشت صد و ہشتاد و ہفت ہجری وفات یافتہ" (ص ۳۰۲)۔ یہ اس لیے بھی غلط ہے کہ غیاث الدین بلبن کی وفات ۶۸۶ھ میں ہوئی اور یہ اس کے عہد کے عالم و فقیہ ہیں۔ اردو ترجمہ میں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (دیکھیے تذکرہ علمائے ہند۔ اردو ترجمہ۔ ص ۱۳۰)

[۹] اخبار الاخیار۔ ص ۷۴، ۷۶ —— تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، ص ۳۲۔ اردو ترجمہ ص ۱۴۰۔ حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی مطبوعہ نول کشور۔ لکھنؤ، ص ۶۳، ۶۴۔ انڈین کنٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر۔ ڈاکٹر محمد اسحاق، ص ۵۲

سوم یہ کہ جب کبھی وہ انھیں راستے میں ملے گا تو صرف سلام مسنون کہنے پر اکتفا کرے گا، اس سے آگے ہرگز نہیں بڑھے گا اور ہاتھ پیر چومنے کی قطعاً کوشش نہیں کرے گا۔[۱۰]

ج

۹- قاضی جلال الدین کاشانی

قاضی جلال الدین کاشانی ساتویں صدی ہجری کے جید عالم اور ممتاز فقیہ تھے۔ دارالملک دہلی میں منصب قضا پر فائز تھے۔ لیکن معزالدین بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ میں اس شبہے کی بنا پر ان کو معزول کر دیا تھا کہ وہ اس کو بادشاہت سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ بعدازاں وہ اودھ چلے گئے، جہاں عہدۂ قضا پر متعین رہے۔

بہرام شاہ کے بعد علاء الدین مسعود شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے اتوار کے روز ۱۱ ربیع الاول ۶۴۱ھ میں ان کو اودھ سے بلا کر بسلسلۂ سفارت لکھنوتی بھیج دیا اور وہاں بھیجنے سے پہلے ان کو خلعت اور چتر عنایت کر کے ان کی قدر و منزلت کی۔

"و از حضرت قاضی جلال الدین کاشانی کہ قاضی اودھ بود، در ایں عہد با تشریف و چتر لعل، نامزد لکھنوتی شد۔"

بعدازاں بروز دوشنبہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۶۴۷ھ کو سلطان ناصرالدین محمود کے زمانے میں انھیں دوبارہ منصب قضا عطا کیا گیا۔ ان کی وفات جمعہ کے روز ۲۷ ذی قعدہ ۶۴۸ھ کو ہوئی۔[۱۱]

---

[۱۰] فوائد الفواد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیا۔ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۴۶، ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۸، نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۳۲

[۱۱] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۱۔ طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۶۴، ۶۷، ۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۴۲ بزم مملوکیہ ص ۱۷۴، تکملہ علمائے ہند ص ۲۶۳

ح

۱۰۔ شیخ حسام الدین ملتانی

شیخ حسام الدین ملتانی، بدرجہ غایت متقی تھے اور ان حضرات عالی مقام میں سے تھے جو علم و معرفت کے اعتبار سے امتیاز و انفرادیت کے حامل ہیں۔ صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ طریقت بھی تھے، اور اس سلسلے میں ان کو شیخ صدر الدین محمد بن زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہونے کا فخر حاصل تھا۔ ملتان سے بدایوں تشریف لے گئے تھے، وہیں سکونت اختیار کرلی تھی اور وفات بھی وہیں ہوئی۔

منقول ہے کہ ان کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دیکھتے ہیں کہ شہر سے باہر حوض پر وضو کر رہے ہیں۔ اسی وقت آنکھ کھل گئی۔ جلدی سے اس مقام کی طرف دوڑے، جو خواب میں نظر آیا تھا۔ دیکھا تو اس میں تازہ پانی کا اثر ہے۔ وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد انھیں اسی مقام پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات ۷۰۰ھ میں ہوئی [۱۲]

۱۱۔ خواجہ حسن معین الدین اجمیری

حضرت خواجہ معین الملت والدین کا اسم گرامی حسن اور لقب معین الدین تھا۔ سلسلۂ نسب سولہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ عالم و فاضل، محدث و فقیہ، عابد و زاہد اور مشہور ولی اللہ تھے۔

۵۲۷ھ میں بلدۂ سجستان میں پیدا ہوئے۔ بارہ یا پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد نے ان کے لیے ایک باغ ورثے میں چھوڑا تھا۔

---

[۱۲] نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۴۴۔ بحوالہ فوائد الفواد و خزینۃ الاصفیا۔

عرصہ تک اس کی آمدنی سے گزر اوقات ہوتی رہی۔ باغ کی نگاہ داشت خود ہی کرتے تھے۔ ایک دن حسبِ معمول باغ میں بیٹھے تھے کہ ایک مجذوب قلندر، جن کا نام ابراہیم تھا، باغ میں آئے۔ حضرتِ خواجہ نے آگے بڑھ کر ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے، لیکن مجذوب نے انگور نہ کھایا اور کھلی کا ایک ٹکڑا دانتوں سے چبا کر خواجہ کے منہ میں ڈالا۔ اِدھر کھلی کا یہ ٹکڑا حلق سے نیچے اترا اور اُدھر قلب نورِ الٰہی سے روشن ہو گیا۔ اسی وقت معاملاتِ دنیوی کو چھوڑ کر طلبِ خدا میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند جا پہنچے۔ وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور علومِ ظاہری حاصل کیے۔ سمرقند سے عراق کا رُخ کیا اور چلتے چلتے قصبۂ ہارون تشریف لے گئے، جو علاقہ نیشاپور میں واقع تھا۔ وہاں حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے تو مرشد نے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر قبلہ رو ہو کر سورۂ بقرہ کی تلاوت کرائی۔ بعد ازاں اکیس مرتبہ درود شریف پڑھایا۔ پھر مرید کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اپنا چہرہ اٹھایا اور فرمایا:

"ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم"

کچھ عرصہ بعد شیخ عثمان ہارونی کی معیت میں سیوستان کا سفر کیا اور ان کے ساتھ مدینہ منورہ بھی گئے اور حجِ بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ بھی پہنچے۔ سیر الاقطاب اور مونس الارواح کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ ہی میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہندوستان جانے کا اشارہ ہوا۔

ہندوستان آئے تو پہلے لاہور کو اپنا مسکن بنایا۔ کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنے کے بعد ملتان گئے اور وہاں پانچ سال مقیم رہے۔ ملتان میں ہندوؤں کی زبان، سنسکرت بھی سیکھی۔ ملتان سے دہلی کا قصد کیا اور دہلی سے روانہ ہوئے تو ۱۰ محرم الحرام ۵۶۱ھ کو اجمیر پہنچے۔ اس دور میں چوہان خاندان کا راجپوت راجہ جس کا نام پتھورا تھا، اجمیر اور دہلی کا حکمران تھا۔ راجہ اور اس کے حکام یہ نہیں چاہتے

تھے کہ حضرت خواجہ اجمیر میں قیام پذیر ہوں، مگر وہ ان کو اجمیر سے نکل جانے پر مجبور نہ کر سکے۔ بالآخر ہندو جوگیوں کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ اپنے جادو اور منتروں کے زور سے ان پر غلبہ پائیں اور انھیں اجمیر کے حدود سے باہر نکال دیں۔ اس سلسلے میں ایک ہندو جوگی، جے پال نے پوری کوشش کی مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور آخر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کے علاوہ شیخ کی تعلیم سے راجہ پتھورا کے متعدد حکام اور ملازمین بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

اجمیر اور اس کے نواح میں تبلیغ اسلام کی یہ پہلی کوشش تھی جو ایک عابد و زاہد فقیہ کی طرف سے شروع کی گئی تھی۔ بے شمار ہندو اسلام قبول کرنے لگے تو راجہ پتھورا نے حضرت شیخ کو اجمیر سے جبراً نکال دینے کی دھمکی دی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا:

"پتھورا را زندہ گرفتیم و بہ مسلمانان دادیم"۔

ہم پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ میں یکے بعد دیگرے پتھورا پر دو حملے کیے اور وہ آخری حملے میں گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد اجمیر اور اس کا گرد و نواح اسلام کی شمع فروزاں سے روشن ہوگیا۔

سیرالاولیا میں ہے کہ:

بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہلِ یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمتِ ایں دیار بنورِ اسلام روشن و منور گشت۔

کہ اس سرزمین پر اس آفتاب اہلِ یقین کے قدم پڑتے ہی، جو واقعۃً معین الدین تھا ان دیار کی ظلمت، نور اسلام سے روشن و منوّر ہوگئی۔

جدھر نکل جاتے، غیر مسلم اس درجہ متاثر ہوتے کہ ان کو دیکھتے ہی مسلمان

ہو جاتے ۔ اس ضمن میں خزینۃ الاصفیا کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

ہزار در ہزار از اصفیا و کبار بخدمت آں محبوبِ کردگار حاضر شدہ ، مشرف بشرفِ اسلام و ارادتِ آنحضرت شدند بحدیکہ چراغِ اسلام در ہند بطفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت ۔

یعنی ہزاروں بڑے چھوٹے ، اس محبوبِ خدا کے حضور ، حاضر ہو کر مذہب اسلام اور ان کی عقیدت سے بہرہ ور ہوتے ۔ یہاں تک کہ اس خاندان عالی مرتبت کی بدولت ، ہندوستان نورِ اسلام سے جگمگا اُٹھا ۔

فقاہت میں ان کا درجہ کتنا بلند تھا ۔ اس کا اندازہ ان کے ان اقوال و تشریحات سے کیجیے ، جو نماز ، روزہ ، حج ، تلاوتِ قرآن پاک اور دیگر عبادات کے سلسلے میں ، ان سے منقول ہیں ۔

یہی وہ بزرگانِ اسلام اور علمائے کرام ہیں ، جن کی تبلیغی مساعی سے ظلمت کدۂ ہند نورِ اسلام سے منور ہوا ۔

پیر کے روز ۶ رجب ۶۲۷ھ کو فوت ہوئے ۔ بعض تذکرہ نگاروں نے سالِ وفات ۶۳۱ھ ، بعض نے ۶۳۲ھ ، اور بعض ۶۳۳ ہجری بھی لکھا ہے [۱۳]

۱۲ - شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری

ابو الفضائل حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی عدوی عمری صغانی لاہوری ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے ۔ کنیت ابو الفضائل اور

---

[۱۳] تفصیلات کے لیے دیکھیے ، سیر العارفین ، سیر الاقطاب ، مونس الارواح ، خزینۃ الاصفیا ، دلیل العارفین ، فوائد السالکین ، اخبار الاخیار ، تاریخ فرشتہ ، اکبرنامہ ، تزکِ جہانگیری ، نزہۃ الخواطر جلد اول ، بزم صوفیہ ۔

لقب رضی الدین ہے۔ اصل وطن صغان تھا، جسے فارسی میں چغان کہا جاتا ہے۔ یہ شہر علاقہ ماوراء النہر میں واقع ہے۔ ان کے آباو اجداد صغان سے لاہور آ گئے تھے۔ ان کی ولادت بعہدِ خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی ۱۵ صفر ۵۵۷ھ میں، (ایک روایت کے مطابق ۵۷۰ھ میں) لاہور میں ہوئی، اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد سے تحصیلِ علم کی۔ یوں تو تمام علوم میں ماہرِ کامل تھے، مگر حدیث، فقہ اور لغت میں اپنے دَور کے امام مانے جاتے تھے۔ نہایت نیک کم گو، متین اور صادق القول تھے۔

عمر میں کچھ آگے بڑھے اور علمی شہرت پھیلی تو سلطان قطب الدین ایبک نے لاہور شہر کا منصبِ قضا پیش کیا، لیکن قبول نہ فرمایا اور غزنی چلے گئے۔ وہاں تدریس اور افادۂ عام میں مشغول ہو گئے۔ غزنی سے عازمِ عراق ہوئے اور وہاں کے علمائے عظام سے اخذِ علم کیا، اور بہت سے علمائے عراق سے سند و اجازہ حاصل کیا۔ پھر مکہ مکرمہ گئے اور سعادتِ حج سے بہرہ اندوز ہوئے۔ وہاں خاصی مدت تک قیام کیا اور وہاں کے اور عدن کے محدثین سے علمِ حدیث کی سماعت کی۔

عباسی خلیفہ، الناصر لدین اللہ کے ایامِ خلافت یعنی ۶۱۵ھ میں پھر عراق گئے۔ اس نے ان کو خاص طور سے اپنے ہاں دعوت دی، خلعت سے نوازا اور ۶۱۷ھ میں شاہِ ہند سلطان شمس الدین ایلتتمش کے نام ایک مکتوب دے کر اس کے پاس بطور سفیر بھیجا۔ اس سلسلے میں ایک عرصہ تک ہند میں سکونت پذیر رہے۔

پھر ۶۲۴ھ میں ہندوستان سے نکلے (مکہ مکرمہ پہنچے) حج کیا اور وہاں سے یمن گئے۔ یمن سے وارد بغداد ہوئے۔ اس زمانے میں المستنصر باللہ بغداد کے تخت خلافت پر متمکن تھا، اور سلطان شمس الدین ایلتتمش کی بیٹی سلطانہ رضیہ ہندوستان کی حکمران تھی۔ المستنصر باللہ نے ان کو سندِ سفارت دے کر رضیہ کے پاس بھیجا۔ اس مرتبہ تیرہ سال ہندوستان میں رہے اور ۶۳۷ھ

ہیں، مراجعت فرمائے بغداد ہوئے۔

ان کے تلامذہ کی فہرست بھی بڑی وسیع ہے جس میں شیخ شرف الدین دمیاطی، نظام الدین محمود بن عمر ہروی، محی الدین ابوالبقا صالح بن عبداللہ بن جعفر بن علی بن صالح اسدی کوفی المعروف بہ ابن الصائغ، شیخ برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں

شیخ حسن بن محمد صغانی، جہاں بہت بڑے محدث، فقیہ اور لغوی تھے، وہاں کثیر التصانیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ، حدیث وفقہ اور لغت تینوں مضامین کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوتے ہے۔ ان کی تصانیف میں سے درج ذیل کتابیں خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں:

مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ، مصباح الدجی من صحاح احادیث المصطفیٰ، شمس المنیرہ من الصحاح الماثورہ، تبیین الموضوعات، عقلۃ العجلان، وفیات صحابہ، زبدۃ المناسک، کتاب الفرائض، درجات العلم والعلماء، کتاب الشوارد، کتاب الافتعال، کتاب العروض، کتاب العباب، شرح صحیح بخاری، شرح القلادۃ السمیطیۃ فی توشیح الدریہ، کتاب التکملہ، مجمع البحرین، کتاب نوادر لغت، کتاب اسماء الفادۃ، کتاب اسماء الاسد، کتاب اسماء الذئب، کتاب شرح ابیات المفصل، کتاب بغیۃ الصدیان۔

یہ ان کی مشہور تصانیف ہیں، ورنہ ان کے علاوہ ان کی اور کتابیں بھی ہیں۔ جو اُن کے علمی تبحر پر دلالت کناں ہیں۔ مشارق الانوار کو تو حلقہ اہل علم میں بہت ہی شہرت حاصل ہے۔ یہ عرصہ تک درس میں شامل رہی اور طلبا و علما اس کو باقاعدہ اساتذہ سے پڑھتے اور استفادہ کرتے رہے۔

ان کی وفات ۶۵۰ھ میں بغداد میں ہوئی، اور انھیں اپنے مکان حرم طاری

(بغداد) میں بطور امانت دفن کیا گیا۔ پھر ان کی وصیت کے مطابق اسی سال، ان کے بیٹے ان کی میت مکہ مکرمہ لے گئے اور وہاں دفن کیے گئے۔ بغداد سے مکہ مکرمہ میت لے جانے والوں کو ان کے بیٹوں نے پچاس دینار عطا کیے۔

"محدث زیب فصحا"، تاریخِ وفات ہے[۱۴]

شیخ حسن صغانی کے بارے میں تذکرہ علمائے ہند کے اردو مترجم جناب محمد ایوب قادری کے الفاظ بھی قابلِ ذکر ہیں:

"مولانا حسن صغانی لاہوری کا تعلق، بدایوں سے بھی تھا۔ حضرت نظام الدین بدایونی نے لکھا ہے: "او از بداؤں است۔" اور ان ہی کی روایت ہے کہ وہ کول کے نائب شرف بھی رہے۔ اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے اور انھوں نے رضی الدین صغانی بدایونی اور رضی الدین صغانی لاہوری کو دو جداگانہ شخصیتیں قرار دیا ہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر اور انڈین کنٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر کے مؤلف کو بھی تسامح ہوا ہے۔"[۱۵]

۱۳۔ شیخ حسین بن علی بخاری

سید حسین بن علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبید اللہ بن علی بن

---

[۱۴] ابجد العلوم۔ نواب صدیق علی خاں مرحوم، ص ۸۹۱،۸۱۰۔ اتحاف النبلاء۔ از نواب صدیق حسن خاں مرحوم ص ۲۴۴،۲۴۳۔ حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی، ص ۲۵۳ تا ۲۵۵۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۸، ۲۹۔ مآثر الکرام۔ ج ۱، ص ۱۸۰ تا ۱۸۲۔ تذکرۂ علمائے ہند (فارسی) مولوی رحمان علی ص ۴۸۔ تذکرہ علمائے ہند۔ (اردو ترجمہ۔ محمد ایوب قادری، ص ۱۶۱۔ نزہتہ الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی لکھنوی جلد اول، ص ۱۳۷ تا ۱۴۱۔

[۱۵] تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ۔ از محمد ایوب قادری ص ۱۶۲۔

جعفر بن علی بن محمد بن امام علی رضا - ان کا سلسلۂ نسب دسویں پشت سے حضرت علی رضا رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ انھیں جلال الدین حسین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بخارا میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما پائی۔ اپنے والد شیخ علی بن جعفر سے تحصیل کی اور علم و معرفت میں اونچے درجے تک پہنچے۔

اپنے والد اور دادا کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ بھکر پہنچے تو وہاں کے ایک عالم بدرالدین بن صدرالدین حسینی بھکری کے ہاں قیام کیا۔ انھوں نے ان کے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ سے متأثر ہو کر اپنی بیٹی زہرہ، ان کے عقد میں دے دی۔ وہاں سے عازم ملتان ہوئے اور ۶۳۵ھ میں وہاں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ ان کی صحبت و ملازمت میں رہے، سلوک و تصوف کا علم حاصل کیا اور واپس بھکر تشریف لے گئے۔

شیخ بدرالدین بھکری کو ان سے اس درجہ تعلق خاطر تھا کہ ان کی اہلیہ محترمہ زہرہ وفات پا گئیں تو اپنی دوسری بیٹی فاطمہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ یہ بھکر میں ایک مدت تک مقیم رہے۔ پھر ایک خاندانی منازعت کی بنا پر وہاں سے اُچ تشریف لے گئے۔

عالم دین، عارف باللہ، فقیہ، زاہد اور مرد صالح تھے۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو درس و افادۂ عام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ علما و مشائخ کی کثیر تعداد نے ان سے اخذ علم کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی نیک اولاد کے عمل و کردار میں بھی بڑی برکت پیدا کی اور انھوں نے اپنے علم و صلاحیت سے آفاق ہند کو مالا مال کر دیا۔[۱]

۱۴- شیخ حسین بدایونی

شیخ حسین بن ابو الحسن بدایونی قتال - عالم، نیک اور عارف باللہ تھے۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۴۴۔ بحوالہ تذکرۃ السادۃ البخاریہ از علی اصغر گجراتی۔

ساتویں صدی ہجری کے فحول علما میں سے تھے۔ رسیاں بانٹ کر گزر اوقات کرتے تھے، اس لیے "رسن تاب" کے نام سے مشہور تھے، جس کا معنی فتال یعنی رسیاں بانٹنے والا ہے۔ قاضی حسام الدین ملتانی مدفون بہ بدایوں سے تحصیل علم کی اور قاضی حمید الدین محمد بن عطا ناگوری سے اخذ فیض کیا اور ایک عرصہ تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی یہاں تک کہ مرتبۂ کمال پر فائز ہو گئے۔

خود ان سے ان کے بڑے بھائی شیخ بدر الدین ابو بکر نے کسب فیض کیا۔ بدایوں میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ ؎۱۷

د

۱۵۔ داؤد بن محمد اودھی

ساتویں صدی ہجری کے علمائے فقہ کی عظیم جماعت میں شیخ داؤد بن محمود چشتی اودھی بھی شامل ہیں۔ یہ فقاہت کے ساتھ ساتھ طریقت میں بھی کامل تھے۔ کہتے ہیں، انھوں نے علم طریقت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ شیخ فرید الدین جب بلادِ اودھ کے سفر پر نکلے تو دو مرتبہ ان کے گاؤں گئے۔

شیخ داؤد کا مرتبۂ علمی اور درجۂ تصوف اس درجہ بلند تھا کہ شیخ نظام الدین اولیا بہترین انداز سے ان کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ ان کی قبر پاہی متو نامی گاؤں میں ہے۔ ؎۱۸

ر

۱۶۔ قاضی رفیع الدین گاذرونی

قاضی رفیع الدین حنفی گاذرونی، عہدِ غیاث الدین بلبن کے بہت بڑے عالم و فاضل

؎۱۷ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۲۱۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

؎۱۸ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۲۶۔

شخص تھے۔ درس و تدریس ان کا مشغلہ تھا۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ دہلی کے عظیم القدر اساتذہ میں سے تھے۔[19]

۱۷۔ شیخ رکن الدین دہلوی

شیخ رکن الدین فردوسی دہلوی بہت نیک اور اپنے دور کے مشہور فقیہ تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں علم فقہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ عہدِ طفولیت ہی میں شیخ بدر الدین سمرقندی دہلوی سے وابستہ ہو گئے تھے۔ عرصہ تک ان سے منسلک رہے اور طریقہ فردوسیہ کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ بدر الدین نے شیخ سیف الدین باخرزی سے اور انھوں نے شیخ کبیر نجم الدین کبریٰ (صاحب طریقہ کبرویہ) سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔

شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے قائم مقام مقرر ہوئے اور ان سے بے شمار لوگوں نے استفاضہ کیا۔

شیخ نظام الدین اولیا دہلوی کے زمانے میں وفات پائی۔

خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق ان کا سالِ وفات ۷۲۴ھ ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔[20]

۱۸۔ قاضی رکن الدین سامانوی

قاضی رکن الدین سامانوی عہدِ سلطان غیاث الدین بلبن کے کبار فقہا میں سے تھے۔ غیاث الدین بلبن ان کی بانتہائی تکریم کرتا تھا۔ یہ عظیم فقیہ ہمیشہ درس و تدریس

---

[19] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۱۱۱ ۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۶۶۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۵۵،

[20] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۵۶

میں مشغول رہے اور بے شمار حضرات نے ان سے علم حاصل کیا۔[۲۱]

ز

۱۹۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی

ان کا نام زکریا۔ والد کا نام محمد اور دادا کا نام علی تھا۔ حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا لقب بہاء الدین، والد کا وجیہ الدین اور دادا کا کمال الدین تھا۔ شیخ بہاء الدین کی کنیت، ابو محمد تھی۔

حضرت کمال الدین علی، قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے خوارزم اور خوارزم سے ملتان آکر سکونت اختیار فرمائی۔ ملتان ہی میں ان کے لڑکے وجیہ الدین محمد پیدا ہوئے۔ وجیہ الدین بڑے ہوئے تو ان کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے کر دی گئی، جو تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ملتان کے نواح، قلعہ کوٹ کروڑ میں متوطن تھے۔ مولانا وجیہ الدین بھی شادی کے بعد، خسر کے ساتھ، کوٹ کروڑ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ پھر وہیں جمعہ کے دن، ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ، ایک روایت کے مطابق ۵۷۸ھ کو شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ہوئی۔

شیخ بہاء الدین بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار انتقال کر گئے۔ والد کی وفات کے بعد قرأتِ سبعہ کے ساتھ قرآنِ مجید حفظ کیا۔ پھر حصولِ علم کی غرض سے بخارا تشریف لے گئے، جو اس زمانے میں مرکزِ علم و فضل اور مسکنِ علماء و محدثین تھا۔ وہاں کے کبار علماء سے استفادہ کیا۔ شروع ہی سے اس درجہ نیک اور متقی تھے کہ زمانۂ طالب علمی میں باشندگانِ بخارا ان کو بہاء الدین

---

[۲۱] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۵۔
نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۵۵

فرشتہ کہا کرتے تھے۔ بخارا کے مختلف علما و فضلا سے تقریباً آٹھ سال تک اخذِ علم میں مصروف رہے۔

بخارا سے سوئے حجاز روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچے اور سعادتِ حج حاصل کی۔ پھر مدینہ منورہ کے لیے رختِ سفر باندھا۔ وہاں پانچ سال اقامت گزیں رہے اور اس عہد کے جلیل القدر محدث شیخ کمال الدین محمد یمانی سے علمِ حدیث پڑھا۔ مولانا شیخ کمال الدین محمد یمانی نے پورے ترپن سال حرمِ نبوی میں درسِ حدیث دیا اور بے شمار فقہا و محدثین ان سے مستفید ہوئے۔

شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس گئے اور وہاں سے بغداد روانہ ہوئے۔ بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور خرقۂ خلافت کے مستحق قرار دیے گئے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں سترہ روز قیام فرمایا اور تمام نعمائے باطنی سے سرفراز کیے گئے۔

اس قدر مختصر مدت میں اس درجہ مرتبہ بلند پر فائز ہو جانا، شیخ الشیوخ سہروردی کے بعض مریدوں کو ناگوار گزرا، اور ان کے دل میں رشک بلکہ حسد کی تخلیق کا باعث بنا۔ انھوں نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم ایک عرصے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں مگر ہم کو ابھی تک اتنی بڑی نعمت میسر نہیں آئی۔ لیکن ایک ہندوستانی آیا اور بہت قلیل مدت میں شیخ ہو گیا، یہ اس کے لیے ایک عظیم شی ہے۔

شیخ نے جواب دیا۔ تم لوگ گیلی لکڑیوں کی مانند ہو، جس میں آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے۔ بہاء الدین زکریا، خشک لکڑی کی مثل تھے، جس میں آگ بہت جلد اثر کرتی ہے۔

خرقۂ خلافت پانے کے بعد، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے واپس ملتان جا کر قیام کرنے، اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچانے

کا حکم ملا، جس پر انھوں نے پورا عمل کیا۔

شیخ بہاء الدین زکریا، جہاں روحانی دولت سے مالا مال تھے، وہاں مادی اعتبار سے بھی اللہ نے ان کو بہت کچھ دے رکھا تھا۔ نہایت فیاض، ہمدردِ خلائق، مستغنی المزاج، حلیم الطبع اور بُردبار تھے۔ فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ملتان میں سخت قحط پڑا۔ والیٔ ملتان ناصر الدین قباچہ کو، عوام میں تقسیم کرنے کے لیے غلّے کی ضرورت محسوس ہوئی تو بھاری مقدار میں اپنے ہاں سے غلہ بھجوایا۔ والی نے غلّے کا جائزہ لیا، اس میں نقرئی ٹکے کے سات کوزے بھی تھے۔ والی نے شیخ کو اطلاع دی۔ شیخ نے فرمایا۔ غلّے کے ساتھ، اس رقم کو بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ان کا مطبخ ہر وقت پُر نعمت کھانوں سے بھرا رہتا۔ مہمانوں اور مسافروں اور درویشوں کے ساتھ، خود بھی کھاتے۔ جو شخص زیادہ رغبت سے کھانا کھاتا، اس کو بہت محبوب گردانتے۔ ایک مرتبہ درویشوں اور عقیدت مندوں کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر جمع تھی۔ شیخ نے ہر شخص کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ شوربے میں روٹی بھگو کر کھا رہا ہے، اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: سبحان اللہ! سب سے بہتر کھانے کا طریقہ یہی شخص جانتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ نان تر کو، دیگر کھانوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھ کو تمام انبیائے کرام پر اور عائشہ رض کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے۔

طبیعت میں انکسار اور تواضع بہت زیادہ تھا۔ یعنی اپنی تعظیم و تکریم کا زیادہ خیال نہ فرماتے تھے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

ایک مرتبہ خانقاہ میں، حوض کے کنارے کچھ مرید وضو کر رہے تھے کہ شیخ بھی ادھر آ نکلے، ان کو دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا۔ مگر ایک مرید بدستور بیٹھا وضو کرتا رہا۔ وضو مکمل کر کے اٹھا اور آدابِ تعظیم بجا لایا۔ اس کو

مخاطب کر کے فرمایا۔ تم سب درویشوں سے زیادہ عابد و زاہد ہو، جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مقدم گردانتے ہو۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بہاء الدین کے درمیان گہری مودت تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے دونوں کو خالہ زاد بھائی بھی لکھا ہے اخبار الاخیار میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا نے ایک مرتبہ کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے، ان کو لکھا:

"میان ما و شما عشق بازی است"

حضرت شیخ فرید الدین نے جواب دیا:

"میان ما و شما عشق است، بازی نیست"

شیخ بہاء الدین زکریا، خاصی مدت تک سلطان شمس الدین التمش کی استدعا پر ہندوستان میں شیخ الاسلام کے منصب پر بھی فائز رہے اور یہ منصب ایک عرصے تک ان کے خاندان میں باقی رہا

ان سے متعلق متعدد سبق آموز واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں۔ یہاں ان سب کا استقصا مطلوب نہیں، عرض کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ بہت بڑے عالم، محدث، فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔

سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ راحت القلوب میں ۶۵۶ھ، اخبار الاخیار میں ۶۶۱ھ، تاریخ فرشتہ اور سفینۃ الاولیا میں ۶۶۶ھ اور مرآۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ منقول ہے۔ بعض تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ ۷ صفر ۶۶۶ھ کو سو سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ قبر ملتان میں ہے

حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، راحت القلوب میں مذکور ہے کہ جس وقت شیخ بہاء الدین زکریا کا انتقال ہوا، اس وقت اجودھن (پاک پٹن) میں حضرت بابا فرید الدینؒ بے ہوش ہو گئے۔ پھر بڑی دیر کے بعد

ہوش آیا تو فرمایا:

"برادرم بہاء الدین زکریا را از بیابانِ فنا بہ شہرستان بقا بردند۔"

یعنی برادرم بہاء الدین زکریا کو لوگ بیابان فناء سے شہرستانِ بقا میں لے گئے ہیں۔

پھر وہ اٹھے اور مریدوں کے ساتھ غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی[۲۲]

ان کے حالات بہت سی کتابوں میں مرقوم ہیں[۲۳]

۲۰۔ شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری

لاہور کے ساتویں صدی ہجری کے علمائے کرام میں شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری کا نام نامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بہت بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔

مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی، نزہۃ الخواطر میں "شیخ الاسلام وقدوۃ العلماء الکرام زکی الدین" کے پُر تکریم الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔

ان کی تاریخِ وفات اور سنِ وفات وغیرہ کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ یہ لاہور میں درس دیتے اور افادۂ عام میں مصروف رہتے تھے۔ حج بیت اللہ اور زیارتِ حرمین کی غرض سے لاہور سے نکلے تو ہرات بھی گئے۔ وہاں کے سرکردہ حضرات اور اہلِ علم نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور شعرا نے ان کے لیے مدحیہ اشعار کہے، جن میں امام فریدالدین محمود بن بشار ہروی بھی تھے۔ انھوں نے جن اشعار میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا، ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

---

۲۲ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائل تھے۔

۲۳ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: فوائد الفواد، سیر العارفین، راحت القلوب، اخبار الاخیار، سفینۃ الاولیاء، تاریخ فرشتہ، فوائد السالکین، مراۃ الاسرار، نزہۃ الخواطر اور بزم صوفیہ۔

نہے زخاطر تو لشکر سخن منصور | خجستہ ہمت تو کشور ہنر معمور
سزد کہ خطۂ غلامی مستاند از آفاق | چو ہست مسکن تو خواجہ خطۂ لاہور
ز روح پاک تو شاہ زمانہ جوید روح | چو آفتاب کہ از عرش دائم خواہد نور
اگر نہ در بیں تو بودی حکم شدی مدروس | گر نہ عون تو بودی ادب شدی مہجور[۲۴]

یعنی آپ کے افکار سے لشکرِ سخن فتح یاب ہے اور تیری کوششوں سے اقلیم ہنر معمور ہے۔

تیرا مسکن خطۂ لاہور ہے اس لیے پورے عالم کو اسی پر فخر کرنا چاہیے۔

تیری روح پاک سے شاہِ زمانہ اسی طرح زندگی کی تلاش کر رہا ہے جیسا کہ آفتاب عرش سے روشنی کا متلاشی ہے۔

اگر تیرا ارشاد نہ ہو تو حکمِ شاہی ختم ہو جائے۔ اگر تیری مدد نہ ہو تو ادب متروک ہو جائے۔

۲۱- مولانا زین الدین بدایونی

ساتویں صدی ہجری میں، خطۂ بدایوں میں، جن علمائے عظام نے شہرت پائی ان میں مولانا زین الدین ادیسی بدایونی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ اپنے عہد کے ممتاز عالم دین تھے اور بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ شہر بدایوں میں، بڑی جامع مسجد کے عقب میں مدرسۂ معزیہ میں درس دیتے تھے۔ ان کے علم و فضل سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد میں بڑے احترام سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں[۲۵]۔

---

۲۴ لباب الالباب، ج اول- نور الدین محمد بن محمد عوفی بخاری، ص ۳۴، ۹۲، ۲۰۲، ۲۴۸، ۳۵۱، ۳۵۲- و نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۵۹

۲۵ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۰

س

۲۲- مولانا سدید الدین دہلوی

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں، جو نامور علمائے کرام درس و تدریس اور اشاعت علم و فن میں مصروف تھے، ان میں ایک شیخ قاضی سدید الدین دہلوی تھے۔ یہ حنفی المسلک تھے اور فقہ، اصولِ فقہ اور علوم عربیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں دار الحکومت دہلی میں فرائضِ تدریس انجام دیتے تھے[۲۶]۔

ش

۲۳- مولانا شرف الدین ولوالجی

شیخ قاضی شرف الدین ولوالجی دہلوی، سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے کے کبار علما اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ دار السلطنت دہلی میں درس و تدریس اور افادۂ عام ان کا کام تھا۔ فقہ کے عدیم المثال عالم تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا[۲۷]۔

۲۴- قاضی شرف الدین اصفہانی

قاضی شرف الدین اصفہانی اپنے زمانے کے ممتاز اور منفرد عالم دین تھے۔ فقہ میں بہت دسترس رکھتے تھے۔ ناصر الدین قباچہ کے دور میں ملتان کے قاضی تھے۔ ناصر الدین کے بعض احکام کو ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تو اس نے ان کو قتل کر دیا۔ واقعۂ قتل کا پس منظر سمجھنے کے لیے، ناصر الدین قباچہ کے بارے میں چند سطریں

---

۲۶ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶- نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۱

۲۷ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۶۷ و ۱۱۱- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶- نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۳

بیان کرنا ضروری ہے۔
ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین ایلتتمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے۔ سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ سلطنتوں کے مالک ہوئے۔ ایلتتمش دہلی کے تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہوا اور قباچہ کا دارالسلطنت اوچ قرار پایا۔ اس کی مملکت میں، ملتان بھی شامل تھا۔ اس نے ۶۰۷ھ سے ۶۲۵ھ (۱۲۱۰ء سے ۱۲۲۸ء) تک اٹھارہ سال حکومت کی۔ مگر دونوں میں شدید قسم کی چپقلش پیدا ہوگئی تھی۔ دونوں طرف کی رعایا، ایلتتمش کی حامی تھی، کیونکہ وہ قباچہ کی نسبت زیادہ دیندار تقویٰ شعار اور نیک تھا۔ ملتان میں، قباچہ کی طرف سے قاضی شرف الدین اصفہانی، عہدۂ قضا پر متمکن تھے اور ادھر شیخ بہاء الدین زکریا ملتان کی مسند رشد و ہدایت پر فائز تھے۔ ان دونوں بزرگوں کا قلبی رجحان ایلتتمش کی طرف تھا۔
ناصر الدین قباچہ نے ایلتتمش کی بڑھتی ہوئی قوت و سطوت اور خواص و عوام میں اس کے اثر و رسوخ کی مضبوط گرفت کو دیکھا تو اس کے خلاف معاندانہ سازشوں کا سلسلہ وسیع کر دیا۔ یہ چیز ملتان کے قاضی شرف الدین اصفہانی اور شیخ بہاء الدین زکریا کے نزدیک قطعی ناپسندیدہ تھی۔ قاضی شرف الدین اصفہانی ایک متدین عالم تھے، انھوں نے دین کی فلاح اسی میں سمجھی کہ ایلتتمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیا جائے۔ شیخ بہاء الدین زکریا سے بات کی تو انھوں نے بھی تائید فرمائی۔ دونوں نے سلطان شمس الدین ایلتتمش کو خطوط لکھے۔ مگر یہ خطوط قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے اور انھوں نے قباچہ کو پہنچا دیے۔ قباچہ یہ خطوط پڑھ کر بہت مشتعل ہوا۔ اور ایک محضر کے ذریعے، دونوں کو طلب کیا۔ جب دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لائے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور خط ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین نے خط پڑھا اور خاموش ہو گئے۔ قباچہ غصے میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے جلاد کو حکم دیا کہ ان کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ اشارہ پاتے ہی جلاد آگے بڑھا اور سر قلم کر دیا۔ اب وہ

شیخ بہاء الدین زکریا کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کے ہاتھ میں خط دیا تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا۔ بے شک یہ میرا خط ہے۔ میں نے ہی لکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ آپ جو چاہے کریں، میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہوں۔ قباچہ نے یہ الفاظ سنے تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور مزید استفسار کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد کھانا لانے کا حکم دیا۔ اس کو معلوم تھا کہ شیخ، دوسرے کے یہاں کھانا تناول نہیں فرماتے۔ قباچہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر انھوں نے کھانے میں شریک ہونے سے انکار کیا تو اسی بہانے ان کو ایذا پہنچانے کا موقع مل جائے گا۔ مگر جب کھانا آیا تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا اور کھانے میں شریک ہو گئے۔ یہ دیکھ کر قباچہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور معذرت کر کے عزت و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔[۲۸]

۲۵۔ مولانا شمس الدین خوارزمی

شیخ شمس الدین خوارزمی جلیل القدر عالم تھے اور علوم عربیہ میں عبور رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف سے دہلی میں، منصب صدارت پر فائز تھے اور ساتھ ہی درس و تدریس کے ذریعے لوگوں کو علم کی روشنی سے منور کرتے تھے۔ ان کے تلامذہ کی فہرست میں عظیم المرتبت حضرات شامل ہیں، جن میں شیخ نظام الدین اولیا، شیخ قطب الدین ناقلہ اور شیخ برہان الدین عبدالباقی ایسے افاضل اور اعاظم رجال کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

سیر الاولیا میں مرقوم ہے کہ شیخ نظام الدین اولیا نے ان سے عربی ادب کی معروف کتاب مقاماتِ حریری پڑھی اور اس کے چالیس مقالے حفظ کیے۔ وہ اپنی مجالس

۲۸۔ فوائد الفواد، ص ۱۱۹ و ۱۲۰۔ سیر الاولیا، ص ۷۹ ۵ بزم مملوکیہ ص ۳۷۔ سیر العارفین، ص ۲۸، ۲۹۔

میں نہایت ادب سے ان کا تذکرہ فرماتے۔ اس ضمن میں سیر الاولیا کے الفاظ یہ ہیں:

"حضرت پیش شمس الملک (یعنی مولانا شمس الدین) مقامات حریری تلمذ کردہ بود و حقوق آں نگاہ داشت"

مولانا شمس الدین خوارزمی کے علم و فضل کے علاوہ ان کے حسنِ اخلاق، لطافتِ طبع اور عذوبتِ لسان کی بھی بڑی شہرت تھی۔ سیر الاولیا میں ہے:

عجب لطافتے و طبع لطیف داشت کہ در شہر مثل او نبود

یعنی بڑے خوش مزاج اور شائستہ طبع تھے۔ شہر میں کوئی شخص ان کے مثل نہ تھا۔

سیر الاولیا میں ان کا یہ لطیفہ بھی مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کسی دوست نے بہت ہی شکستہ حروف میں ان کو ایک رقعہ لکھا جو ان سے پڑھا نہ گیا، اس کی پشت پر عربی میں چند الفاظ لکھ کر ان کو بھیج دیے۔ جن کا مفہوم یہ تھا کہ تمھارا خط ایسا ٹیڑھا ہے جیسے دریا کے کنارے بطخ کی چال۔ اس اندازِ خط میں آئندہ لکھنے کی زحمت گوارا نہ فرمایے۔

سیر العارفین میں مرقوم ہے کہ دہلی میں بے شمار علما و فقرا جمع تھے۔ لیکن سرآمد علمائے روزگار اور اجلا و فضلائے کبار، اس وقت شیخ شمس الدین خوارزمی تھے۔ تمام علما کے گویا مرجع و مآب تھے اور اصول و فروع اور معقول و منقول کے جامع تھے۔

شیخ نظام الدین اولیا اپنے وطن بدایوں سے مزید تعلیم کے لیے دہلی آئے تو مولانا شمس الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مولانا نے ان کے اوصاف دیکھ کر ان کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ وہ اپنے عزیز شاگردوں کو حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ قطب الدین ناقلہ، شیخ برہان الدین عبدالباقی اور شیخ نظام الدین اولیا کو یہی شرف حاصل تھا۔

ان کا کوئی شاگرد درس سے غائب ہوتا تو اس کے آنے پر، اس سے مذاقاً پوچھتے۔ میں نے تمھاری کیا خطا کی تھی کہ تم درس میں حاضر نہ ہوئے۔ بتا دو تاکہ پھر وہی غلطی کر دوں اور تم آئندہ بھی حاضر نہ ہو سکو۔ لیکن جب شیخ نظام الدین نہ آتے تو خود اُن کے

پاس جاتے اور انھیں دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

آخر کم از آن کہ گاہ گاہے آئی و بما کنی نگاہے

سلطان غیاث الدین بلبن کے دل میں مولانا شمس الدین خوارزمی کی اس درجہ قدر و منزلت تھی کہ اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا اور اپنی حکومت کا مستوفی الملک (یعنی آڈیٹر جنرل) بنایا۔ جب ان کو یہ اعزاز ملا تو اس عہد کے مشہور شاعر تاج الدین ریزہ نے ان کی مدح میں یہ شعر کہا:

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی
مستوفی ممالک ہندوستان شدی[۲۹]

۲۶-قاضی شمس الدین مراجی

قاضی شمس الدین مراجی، سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشہور عالم دین اور معروف فقیہ اور اصولی تھے۔ ہمیشہ دار السلطنت دہلی میں، درس و افادہ میں مصروف رہے[۳۰]

۲۷-قاضی شمس الدین مارہروی

قاضی شمس الدین مارہروی عہد سلطان معز الدین بہرام شاہ کے فاضل اور معروف عالم و فقیہ تھے۔ اس زمانے میں سلطان پر ایوب ترکمانی کا اثر غالب تھا اور اس کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ایک مرد زاہد اور گلیم پوش ترک درویش تھے۔ طبقات ناصری کے مصنف، مولانا منہاج ان کا ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں:

درویشے ترکمان بود، ایوب نام، مردے زاہد و گلیم پوش، مدتے در قصر حوض

---

[۲۹] تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۰۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۶۔

[۳۰] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۴۷

سلطان با عتکاف نشستہ، واز آں جا او را بخدمت سلطان معز الدین تقرب افتاد سلطان را بدو ارادتے پیدا شدہ و آں درویش در کابہ (ہائے) ملک شروع کردن گرفت، و پیش ازیں در قصبہ مہر پورہ بود و از قاضی شمس الدین مہر، کوفتہ شدہ۔ دریں وقت چوں سخن او نزدیک سلطان معتبر شد، قاضی شمس الدین مہر را، در پائے فیل انداختند[۳۱]

یعنی یہ ایک ترک درویش تھے، ایوب نام تھا، زاہد اور گلیم پوش تھے۔ عرصے سے قصرِ حوضِ سلطان میں اعتکاف نشین اور گوشہ گیر تھے۔ وہیں سے ان کو سلطان معز الدین کا تقرب حاصل ہوا اور سلطان کے دل میں ان کے لیے عقیدت و ارادت کے جذبات ابھرے۔ سلطان کی گرویدگی ان سے اور بڑھی تو وہ معاملاتِ سلطنت میں دخیل ہونے لگے۔ وہ قاضی شمس الدین مارہروی سے برگشتہ خاطر تھے اور ان ہی کے اشارے سے سلطان نے قاضی شمس الدین مارہروی کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوادیا۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ حرکت شانِ درویشی کے بالکل منافی ہے۔ ایک عالم دین کو اس طرح موت کے گھاٹ اتروا دینا انتہا درجہ کی قساوتِ قلبی کے ذیل میں آتا ہے[۳۲]

۲۸- قاضی شمس الدین بہرائچی

قاضی شمس الدین بہرائچی، عالم و فاضل اور باکمال انسان تھے۔ محمود بن سلطان شمس الدین التمش اپنے بھتیجے علاء الدین مسعود بن فیروز بن التمش کی طرف سے جب بہرائچ کا والی مقرر تھا تو اس نے شیخ شمس الدین کو وہاں کا قاضی مقرر کر دیا تھا، کیونکہ وہ ان کے علم و فضل سے بہت متاثر تھا۔ لیکن جب وہ بادشاہ ہند

---

[۳۱] طبقاتِ ناصری، ج ۱، ص ۲۲۴۔ طبقاتِ ناصری میں قاضی شمس الدین مہر لکھا ہے۔
[۳۲] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۷۔

ہوا تو اس نے ۲۷ رجب ۶۵۱ھ میں ان کو اپنے پاس دہلی بلا کر قاضی ممالک کا عہدہ تفویض کیا جس کا نتیجہ ہوا کہ وہ اس کے تمام اہم ملکی امور میں معتمد و مشیر کی حیثیت اختیار کر گئے۔ مگر دوسرے امرا و حکام کو یہ بات ناگوار گزری اور وہ ان کو حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ انھوں نے سلطان کے پاس ان کی شکایات بھی کیں۔ سلطان نے اتوار کے دن ۲۳ ربیع الاوّل ۶۵۳ھ کو انھیں منصب قضا سے الگ کر دیا۔ ۶۵۵ھ میں بعض ارکان سلطنت نے سلطان کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کیا تو انھوں نے اس پر قاضی شمس الدین کو متہم کیا اور کہا کہ اس بغاوت پر انھوں نے ہی ان کو آمادہ کیا تھا۔ اس الزام کی بنا پر سلطان نے بروز اتوار ۲ جمادی الاخریٰ ۶۵۵ھ کو انھیں دہلی سے شہر بدر کر کے بہرائچ بھیج دیا، جہاں وہ آخر عمر تک مقیم رہے ۳۳

۲۹- مولانا شہاب الدین اجودھنی

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ، مشہور بزرگ حضرت بابا فرید الدین مسعود عدوی عمری (پاک پٹن) کے فرزند گرامی قدر تھے۔ بڑے متدین اور عالم و فاضل تھے۔ پاک پٹن میں پیدا ہوئے، اپنے عہد کے جیّد علما سے تحصیل کی اور افتا و تدریس کی مسند بلند پر فائز ہوئے۔ پھر اپنے والد مکرم بابا فرید الدینؒ کے حکم سے تصوف و طریقت کے لیے بعض مشائخ چشتیہ کے حضور دو زانو ہو کر بیٹھے۔

سیر الاولیا کی روایت کے مطابق، جلیل القدر عالم، صاحب وقار اور عفیف و پاک باز تھے۔ زیادہ وقت اپنے باپ کی خدمت میں گزارتے اور ان سے علم و طریقت کے دقیق معانی اور گہرے مطالب سمجھنے کی سعی کرتے۔ پھر یہ باتیں نہایت

---

۳۳ طبقات ناصری، ج ۱، ص ۴۸۷ و ۴۹۲۔ نیز دیکھیے۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۷، ۱۶۸۔

فصاحت و بلاغت کے ساتھ دوسروں تک پہنچاتے۔ ان کے اور شیخ نظام الدین اولیا کے درمیان سچی محبت اور مضبوط دوستی تھی اور وہ ان کے بے حد مداح اور ان کی گوناگوں قابلیت کے معترف تھے۔[۳۴]

ص

۳۰- مولانا صمصام الدین فرغانی

شیخ صمصام الدین فرغانی، فقہ اور اصولِ فقہ کے نامور علما میں سے تھے۔ واردِ ہند ہوتے ہی بنگال چلے گئے۔ وہاں سلطان محمد بن بختیار خلجی حکمران تھا۔ اس نے ان کی گوناگوں صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ان کو اپنے حلقۂ خاص میں داخل کر لیا، ان کی بے حد پذیرائی کی، بڑے احترام سے پیش آیا اور ان کے لیے بہت ہی مال و دولت خرچ کیا۔ پھر دونوں نے مل کر کفارِ ہند سے جنگیں لڑیں۔ ان کے ایک بھائی نظام الدین فرغانی تھے، انھوں نے ان کی معیت میں محمد بن بختیار خلجی کے پاس ارضِ بنگال ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۶۴۱ھ میں طبقاتِ ناصری کے مصنف، قاضی منہاج الدین عثمان بن محمد جوزجانی نے ان سے ملاقات کی اور ان سے محمد بن بختیار خلجی کے حالات معلوم کیے، جو طبقاتِ ناصری میں درج ہیں۔[۳۵]

ظ

۳۱- قاضی ظہیر الدین دہلوی

قاضی ظہیر الدین دہلوی، فقہ و اصول اور علومِ عربیہ کے ممتاز و منفرد علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں، دار الخلافہ دہلی میں منصبِ درس و تدریس

---

۳۴ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۸۔

۳۵ طبقاتِ ناصری، ج ۱، ص ۴۲۲ تا ۴۳۲

پر فائز تھے اور تشنگانِ علوم کی علمی تشنگی دور کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اخذِ علم کیا۔[۳۱۶]

ع

۳۲- قاضی عثمان بن محمد جوزجانی لاہوری

ساتویں صدی ہجری کے کبار علمائے لاہور میں شیخ قاضی ابوعمرو عثمان بن محمد بن عثمان بن ابراہیم بن عبد الخالق جوزجانی کا اسم گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ یہ تاریخ کی مشہور کتاب طبقات ناصری کے مصنف ہیں اور قاضی منہاج الدین کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کے والد گرامی قدر کا نام محمد بن عثمان جوزجانی ہے جو سراج الدین کے لقب سے متعارف تھے اور جن کے حالات صفحاتِ گزشتہ میں چھٹی صدی ہجری کے فقہائے کرام کی فہرست میں بیان ہو چکے ہیں۔

قاضی عثمان بن محمد کے سالِ ولادت کی صراحت صاف الفاظ میں کہیں نہیں ملتی۔ البتہ اپنی کتاب طبقاتِ ناصری میں انھوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ ۶۰۷ھ میں اُن کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اسی سال ان کے والد قاضی سراج الدین محمد بن عثمان لاہور سے بامیان گئے اور بہاء الدین سام بن محمد بامیانی نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور انھیں قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ منہاج الدین عثمان بن محمد نے ابتدائی تربیت اپنے باپ کے سایۂ عاطفت میں حاصل کی اور ان سے اخذِ علم کیا۔ لیکن باپ کی وفات کے بعد منہاج الدین کو حالات کی رفتار ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرتی رہی۔

قاضی منہاج الدین عثمان نے اس دور کے چوٹی کے علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی۔ یہاں تک کہ وہ ایک ممتاز عالم کی حیثیت اختیار کر گئے۔ وہ منگل کے روز ۲۶ر

---

[۳۱۶] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱، ۲۸۹، ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۸۔

جمادی الاولیٰ ۶۲۴ھ کو شہر اوچ میں داخل ہوئے، اور والئ سندھ ناصر الدین قباچہ کے مقربین کی جماعت میں شمولیت کا اعزاز حاصل کیا۔ ناصر الدین قباچہ نے ان کی علمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انھیں مدرسۂ فیروزیہ کے مدرس مقرر کر دیا۔ پھر اس کے لڑکے بہرام شاہ نے قاضی عسکر کا عہدہ تفویض کیا۔

جب سلطان شمس الدین التتمش سندھ پر قابض ہوا اور اس نے قلعہ اوچ کا محاصرہ کیا تو ۶۲۵ھ میں قاضی منہاج قلعہ سے نکل کر سلطان التتمش سے جا ملے۔ التتمش نے ان کی بہت قدر کی اور ۶۳۰ھ میں شہر گوالیار کے مختلف محکمے مثلاً قضا، خطابت، امامت اور احتساب وغیرہ ان کے سپرد کیے، جن پر وہ ۶۳۵ھ تک متمکن رہے۔

سلطان التتمش کی بیٹی رضیہ کے دورِ حکومت میں دہلی آئے تو اس نے گوالیار کے منصبِ قضا کے ساتھ ساتھ دہلی کے مدرسۂ ناصریہ کے اوقاف کی تولیت بھی ان کے حوالے کر دی۔

بعد ازاں معز الدین بہرام شاہ، تختِ حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے ہفتے کے روز ۱۰ ؍جمادی الاولیٰ ۶۳۹ھ کو دہلی میں ان کو قاضی ممالک کا منصبِ بلند عطا کیا۔ پھر اس کا بھتیجا مسعود شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے ۸ ؍ذی القعدہ ۶۳۹ھ کو انھیں مسندِ قضا سے الگ کر دیا۔ بعد ازاں وہ جمعہ کے روز ۹ ؍رجب ۶۴۰ھ کو دہلی سے نکلے اور بدایوں پہنچ گئے۔ وہاں سے اودھ گئے، پھر کڑہ اور لکھنوتی میں داخل ہوئے۔ یہ اتوار کا دن تھا، ۷ ؍ذی الحجہ ۶۴۰ھ تھی۔ وہاں اس علاقے کا امیر عز الدین طغرل، طغان خاں ان سے بہت اعزاز کے ساتھ پیش آیا اور بہترین ہدایا و تحائف سے نوازا۔ لکھنوتی میں دو سال مقیم رہے۔ وہاں سے پھر دہلی کو مراجعت کی اور سوموار کے دن ۴ ؍صفر ۶۴۳ھ میں واردِ دہلی ہوئے۔ اب جمعرات کے دن ۱۷ ؍صفر ۶۴۳ھ کو الغ خاں (جو اس وقت امیر حاجب تھا اور بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہِ ہند بنا) کی سفارش پر گوالیار کی مسندِ قضا و خطابت پر فائز کیے گئے اور ساتھ ہی دہلی

کے مدرسۂ ناصریہ کے اوقاف کی تولیت عطا کی گئی۔

۶۵۸ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کے غزوات کے بارے میں بصورتِ نظم "ناصری نامہ" تصنیف کیا اور امیر حاجب غیاث الدین بلبن کی طرف سے بہترین اور عمدہ صلہ عطا کیا گیا۔ اس نے ان کو تعلقہ ہانسی میں ایک گاؤں بھی عطا کیا اور دوسری مرتبہ دہلی میں قضائے ممالک کا منصب بھی مرحمت کیا۔ یہ بروز اتوار ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۴۹ھ کا واقعہ ہے۔

بعد ازاں ۲۷ رجب ۶۵۱ھ کو اس منصب سے علیحدہ کیے گئے اور ۶۵۲ھ میں صدر جہاں کے لقب سے ملقب ہوئے۔ بروز اتوار ۲۳ ربیع الاول ۶۵۳ھ کو تیسری مرتبہ پھر قاضی ممالک مقرر کیے گئے۔

قاضی منہاج متعدد اوصاف کے حامل تھے۔ فقہ، اصول، سیرت، تاریخ اور شعر و شاعری کے بہت بڑے عالم تھے۔ قضا کے بارے میں ان کے علم و تجربہ کی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اس کے چند الفاظ سنتے تو شروع سے آخر تک پوری حقیقت فہم و فکر کی گرفت میں آجاتی۔ وہ نہایت متواضع منکسر المزاج اور سخی تھے۔ بہترین واعظ بھی تھے۔ وعظ میں انتہا درجے کا اثر تھا۔ شیخ نظام الدین اولیا فوائد الفواد میں ان کے حسنِ بیان اور پُر تاثیر مواعظ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ ان کو بھی ان کی مجالسِ وعظ میں شرکت کا موقع ملا ہے

شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے ان کو دوشنبہ کے روز مجلسِ وعظ و تذکیر میں یہ رباعی پڑھتے ہوئے سنا:

لب برلب لعل دلبراں خوش کردن
وآہنگ سرِ زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست
خود را چو خسے طعمۂ آتش کردن

شیخ لکھتے ہیں، یہ رباعی سنتے ہی میں بے خود ہو گیا اور ایک ساعت تک عالم

بے خودی میں رہا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"من چوں ایں بیت شنیدم بے خود گونہ گشتم، ساعتے باقیست تا بخود باز آمدم" رحمہ اللہ تعالیٰ [۳۷]

ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں تاریخ سے متعلق طبقاتِ ناصری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب انھوں نے سلطان شمس الدین التتمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں اور اسی کے لیے تصنیف کی تھی۔ یہ فارسی زبان میں تاریخ کی نہایت اہم کتاب ہے جو انبیائے کرام سے لے کر تاریخ کے مختلف ادوار کو محیط ہے اور تیئیس طبقات پر مشتمل ہے۔

مشہور ایرانی عالم و محقق سعید نفیسی کی تحقیق کے مطابق قاضی منہاج الدین نے ۶۹۸ھ میں وفات پائی [۳۸]

۳۲- شیخ عزیز الدین لاہوری

شیخ عزیز الدین حسینی بغدادی ثم ہندی لاہوری علم و معرفت کی دنیا میں خاص شہرت کے حامل تھے۔ ۵۷۴ھ میں واردِ ہند ہوئے اور لاہور میں اقامت اختیار کی۔ اس شہر میں انھوں نے چھتیس سال تک درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۶۱۲ھ میں وفات پائی۔ [۳۹]

۳۴- خواجہ عزیز کڑکی

شیخ عزیز کڑکی بدایونی، بہت نیک، عارف باللہ، عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔

---

[۳۷] اخبار الاخبار، ص ۸۰۔ لیکن فوائد الفواد میں دوسرے شعر کا مصرع اول اس طرح ہے:

ع: امروز خوش است لیک فردا ست زیاں

[۳۸] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات ناصری، ج ۲، ص ۲۳۹ تا ۲۹۵۔ سالنامہ فارسی

[۳۹] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۹ بحوالہ خزینۃ الاصفیاء

شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی، ان کا ذکر نہایت احترام سے کرتے اور ان کے کشوف و کرامات کی تفصیلات بتاتے ہیں۔ ۶۶۷ھ میں، کرٹک کے مقام پر فوت ہوئے، جو اعمالِ بدایون میں ایک گاؤں ہے۔[۴۰]

۳۵- شیخ علاء الدین علی اصولی بدایونی

شیخ علاء الدین علی اصولی بدایونی، صالح بزرگ تھے۔ علوم ظاہری کے بھی شناور تھے اور علوم باطن کے بھی۔! شیخ نظام الدین اولیا ان کے شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرے استاذ شیخ علاء الدین علی اصولی، اصحابِ شیخ جلال الدین تبریزی میں سے تھے اور خصالِ حمیدہ میں، اپنے استاد کے مثل تھے۔ ان کے صبر و رضا کا یہ حال تھا کہ اپنی حالت و کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اپنا تمام تر وقت افادۂ عام اور عبادتِ الٰہی میں گزرتے۔[۴۱]

۳۶- شیخ علی بن اسحاق بخاری

شیخ منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری دہلوی، ساتویں صدی ہجری کے مشہور ہندی علما و فضلا میں سے تھے۔ مدرسۂ معزیہ میں درس اور افادۂ عام میں مصروف رہتے۔ ان کے پوتے شیخ بدر الدین اسحاق بن علی بخاری اور بہت سے علما نے ان سے اخذِ علم کیا۔ دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔[۴۲]

۳۷- علی بن حامد کوفی

شیخ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی اوچی سندھی، فاضل آدمی تھے اور علم و معرفت میں

---

۴۰ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۰۸ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

۴۱ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۰۴۔ بحوالہ فوائد الفواد۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۱

۴۲ ایضاً۔ نزہۃ الخواطر، ص ۹۲

یگانۂ روزگار۔ اُوچ میں پیدا ہوئے اور ۶۱۳ھ میں، جب کہ ان کی عمر اٹھاون (۵۸) برس کی تھی، اُوچ سے نکلے اور بھکر اور ارور کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہاں ان کی ملاقات، قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ طائی سے ہوئی۔ ان کے پاس عربی زبان میں، تاریخ سندھ اور سرزمینِ سندھ میں مسلمانوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کے کچھ واقعات دیکھنے کا اتفاق ہوا، جو مختلف اوراق میں منتشر تھے۔ انھوں نے یہ اجزائے تاریخی، ان سے حاصل کیے اور وزیر حسن بن ابوبکر بن محمد اشعری عین الملک کے لیے، فارسی زبان میں منتقل کیے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ (ہندوستان) میں یہ مخطوطہ اب بھی موجود ہے[۴۳]

۳۸ قاضی علی بن عمر محمودی

شیخ امام علی بن عمر محمودی جو قاضی حمید الدین افتخار الافاضل کے لقب سے معروف تھے، وسعتِ علم اور عمقِ تحقیق میں، علمائے مشاہیر میں سے تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک، ان کی از حد تکریم کرتا تھا۔ اس نے مختلف اوقات میں ان کو بے شمار ہدایا و تحائف سے نوازا تھا۔ اس عالمِ دین کی تصنیفات میں سے کچھ رسائل بھی ہیں جو دیارِ ہند کے حلقۂ اہلِ علم میں مشہور ہیں۔ یہ شاعر بھی تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تا چند بارم ای زلبت گشتہ زاد لعل
آب از دو دیدہ در غم آں آبدار لعل
نے نے چو یافت بالب و دندانت نسبتی
ناقص شد ست لؤلؤ و گشتست خوار لعل[۴۴]

---

۴۳ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۸۲۔

۴۴ لباب الالباب، ج ۱، از نور الدین محمد عوفی، ص ۲۰۳ تا ۲۰۵۔

افسوس ہے، ساتویں صدی ہجری کے اس عالم دین کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

ق

۳۹- قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی

قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی، بہت بڑے عالم تھے۔ مدت مدید تک ملتان کے ایک مدرسہ میں ان کا سلسلۂ درس و تدریس جاری رہا اور بے شمار لوگوں نے ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا۔ ساتویں صدی ہجری کی ارض ہند میں یہ دنیائے تدریس کے بادشاہ تھے۔ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ تدین و اتقا کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا روزانہ ان کے مدرسہ میں تشریف لے جاتے، ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے اور فرماتے، جس شخص نے پرہیز گار عالم دین کے پیچھے نماز پڑھی، اس نے گویا پیغمبر کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

ملتان میں وفات پائی اور ملتان کے قدیم شہر میں دفن کیے گئے۔ سال وفات ۶۳۳ھ ہے[۴۵]

ک

۴۰- قاضی کمال الدین جعفری

قاضی کمال الدین جعفری بدایونی، فضل و کمال میں یکتا تھے اور اپنے عصر کے کبار علما میں سے تھے۔ بدایوں میں نائب حکومت تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ درس و تدریس اور افادۂ عام ان کا اصل کام تھا۔ مسائل فقہ سے متعلق کتاب المغنی ان کی تصنیف ہے۔ بدایون میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فوائد الفواد میں بہترین انداز سے ان کا

---

۴۵ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۹۸- بحوالہ اخبار الجمال و سیر الاولیا

ذکر کرتے ہیں۔[۴۶]

۴

۱۔ شیخ محمد بن احمد ماریکلی دہلوی

شیخ محمد بن احمد بن محمد ماریکلی، جو امام کمال الدین زاہد کے لقب سے ملقب تھے، بہت بڑے عالم، محدث اور عابد و زاہد تھے۔ فقہ و حدیث میں انھیں کمال درک حاصل تھا۔ شیخ برہان الدین محمود بلخی سے، فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ برہان الدین محمود بلخی علم فقہ میں، صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے اور علم حدیث میں صاحب مشارق الانوار شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری کے شاگرد ہیں۔ شیخ کمال الدین یعنی محمد بن احمد ماریکلی کو مؤلف آثار النیرین فی اخبار الصحیحین سے بھی شرفِ اجازہ حاصل ہے، جنھوں نے یہ کتاب شیخ حسن سے روایت کی۔ پھر انھوں نے شیخ نظام الدین اولیا کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے مشارق الانوار پڑھی۔

وہ علم و فضل میں بے مثل، درک و تحقیق میں عدیم النظیر، زہد و ورع میں بہت آگے نکلے ہوئے، اور حدیث و فقہ میں متبحر کامل تھے۔ ان کے یہ اوصاف سن کر سلطان غیاث الدین بلبن حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمالیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ممکن ہے آپ کی امامت کی برکت سے بارگاہِ خداوندی میں میری نمازیں بھی قبولیت کا درجہ حاصل کرلیں۔ یہ سن کر شیخ کمال الدین زاہد نے تکدر اور برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا۔ میرے پاس اعمال صالحہ میں سے نماز کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ اب بادشاہ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ شیخ کے الفاظ یہ ہیں:

ولم یبق لی عمل من الاعمال الصالحۃ غیر الصلوٰۃ والسلطان یرید ان یبطلہا ایضاً۔

بلبن نے یہ سنا تو خاموش ہوگیا اور معذرت کرکے واپس چلا گیا۔

---

[۴۶] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۰۱۔

اس جلیل المرتبت محدث و فقیہ اور عظیم القدر عابد و زاہد نے دہلی میں ۶۸۴ھ کو وفات پائی۔[۴۶]

۴۲- شیخ محمد بن احمد مدنی

شیخ الامام، بدر الملت محمد بن احمد مدنی کا سلسلۂ نسب چودھویں پشت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہوتے تھے۔ قطب الدین لقب تھا۔ ۵۸۱ھ میں بمقام بغداد پیدا ہوئے۔ جن فحول علمائے عصر اور نامور اساتذۂ گرامی قدر سے تعلیم حاصل کی، ان میں ان کے والدِ محترم حضرت شیخ سید احمد مدنیؒ، شیخ عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور شیخ عارف باللہ ابو الخباب نجم الدین کبریٰ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

فتنہ تاتار کے زمانے میں ان کے والد بغداد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ بغداد سے نکلے اور غزنی آگئے۔ وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے۔ پھر عازم ہند ہوئے۔ اس وقت تختِ ہند پر سلطان قطب الدین ایبک متمکن تھا۔ نہایت نیک اور شجاع تھے۔ سلطان ایبک کی معیت میں مخالفینِ اسلام کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو گئے۔ اللہ نے بڑی فتوحات عطا کیں۔ قلعہ گڑھ، مانکپور اور مہوہ وغیرہ کے مضبوط و مستحکم قلعے فتح کیے۔ سلطان قطب الدین، ان کی بہادری اور تدیّن کی بنا پر اُن کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کو وہ صدرِ مجلس میں بٹھاتا، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا، اور ان سے تبرک و تیمن حاصل کرتا۔

معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں یہ شہر دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ جن امرائے سلطنت اور اعمالِ حکومت نے بہرام شاہ کو معزول کیا تھا ان کو سمجھانے کے لیے ۶۳۹ھ

---

[۴۶] اخبار الاخیار، ص ۴۸۔ سیر الاولیا، ص ۱۰۵ و ۱۰۶۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۷۳
نزہتہ الخواطر، ج ۱، ص ۲۰۴

میں سلطان نے ان کو لاہور بھیجا۔ انھوں نے ان کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور دہلی واپس آ گئے۔

بدھ کے روز ۱۳ رجب ۶۵۳ھ کو سلطان ناصر الدین محمود کے دورِ حکومت میں منصب شیخ الاسلامی اور مسندِ مشیخت سے الگ ہو گئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بھی ان کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ سب سے بڑے نظام الدین تھے، جو ہر اعتبار سے اپنے باپ کی مانند تھے۔ دوسرے قوام الدین محمود تھے، جن کے محاسن سے متاثر ہو کر سلطان شمس الدین ایلتمش نے اپنی بیٹی اُن کے عقد میں دے دی تھی۔ تیسرے قاضی تاج الدین تھے جو پہلے شہر کڑھ کے اور پھر بدایوں کے قاضی مقرر کیے گئے۔ شیخ نظام الدین کے لڑکے قاضی رکن الدین تھے، جو شہر کڑھ کی مسندِ قضا پر متمکن ہوتے۔ امیر المجاہدین حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ان ہی قاضی رکن الدین رحمۃ اللہ کی اولاد سے ہیں۔

شیخ محمد بن احمد یعنی شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ۳ رمضان المبارک ۶۷۷ھ کو شہر کڑھ میں فوت ہوئے[۱۴۵]

ان کے حالات میں تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی کے الفاظ قابلِ مطالعہ ہیں۔ وہ سید قطب الدین الحسنی کڑوی کے عنوان سے لکھتے ہیں:

شاہ قطب الدین محمد ابن شاہ رشید الدین احمد غزنوی۔ ان کے والد مکرم کا سلسلۂ نسب حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ وہ عالم متبحر، فقیہ فاضل صاحبِ ولایت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں پیدا ہوئے۔ سلطان قطب الدین ایلتمش کے زمانے میں غزنی سے دہلی آئے اور دہلی سے اٹھ کر موضع کڑا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کڑا، قصبہ ہسوہ کے قریب اس سے نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے جو

---

[۱۴۵] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۰۴ تا ۲۰۷ بحوالہ طبقاتِ ناصری۔ تاریخ فیروز شاہی۔ وفیات الاعلام اور ہدایۃ السعدا۔

کڑا سادات کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں سے غزوہ وجہاد کی نیت سے کڑا پہنچے، جو مانک پور کے بالمقابل دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ وہاں راجہ جے چند سے جہاد کیا اور فتح یاب ہوئے۔ چھیانوے سال کی عمر میں بمقام کڑا، ۳ رمضان ۶۷۷ھ (۱۲۷۹ء) کو انتقال ہوا۔ تین بیٹے، سید نظام الدین، سید قوام الدین مقیم دہلی اور سید تاج الدین قاضی بدایوں، یادگار چھوڑے۔ سید موصوف علیہ الرحمہ کی اولاد کڑا، نصیر آباد، ردولی کوندھن پٹی، اجھوا، رسول پور، کرولی، منتہم آباد، راجو پور، گوالیار، کرٹی، جہیز، دہلی، بدایوں اور مسوہ میں سکونت رکھتی ہے اور یہ لوگ سادات قطبیہ کے لقب سے مشہور ہیں۔[۴۹]

۴۳۔ شیخ محمد بن مامون لاہوری

شیخ محمد بن مامون بن رشید بن ہبۃ اللہ مطوعی لاہوری، ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ حصول علم کے لیے لاہور سے نکلے اور خراسان جا پہنچے۔ مختلف مقامات کے اساتذہ وائمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں مہارت پیدا کی۔ نیشاپور میں اصحاب ابوبکر شیرازی اور اصحاب ابو نصر قشیری سے سماعت حدیث وفقہ کی۔ بعد ازاں بغداد گئے تو ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ علاقہ آذر بائیجان میں وعظ و ارشاد کے سلسلے میں گھومتے رہے تھے کہ ۶۰۳ھ میں ملاحدہ کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔[۵۰]

۴۴۔ شیخ محمد بن محمد بھکری سندھی

سید محمد بن محمد بن محمد بن شجاع بن ابراہیم حسینی بھکری سندھی، جمعرات کے دن ۲۵ شعبان ۶۳۰ھ میں بمقام بھکر پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ پاک باز اور ذی علم بزرگ تھے۔ اپنے والد مکرم سے تعلیم حاصل کی۔ لقب بدر الدین تھا۔ ان کی دو لڑکیاں

---

[۴۹] تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۶۷۔ وار دو ترجمہ (محمد ایوب قادری)، ص ۳۸۹۔

[۵۰] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۲۳۔

تھیں، ایک کا نام سیدہ زہرہ تھا اور دوسری کا سیدہ فاطمہ۔ زہرہ کی شادی سید جلال الدین حسین بن علی حسینی بخاری سے کی، جو بڑے عالم و فاضل تھے۔ زہرہ وفات پاگئیں تو دوسری لڑکی سیدہ فاطمہ ان کے عقد میں دے دیں۔

ایک لڑکا تھا جس کا نام سید علی بن محمد تھا۔ علی بن محمد باپ کی وفات کے بعد بھکر سے جھانسی منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ان کی اولاد و احفاد کثیر تعداد میں موجود ہے۔ سید محمد پچاس سال کی عمر پا کر ۶۸۰ھ کو بھکر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔[۵۱]

۴۵۔ شیخ محمد شقور قانی

شیخ محمد شقور قانی، شیخ عماد الدین شقور قانی کے نام سے معروف تھے۔ جید عالم اور ارضِ ہند کے عظیم فقیہ تھے۔ ۴ر ذی الحجہ ۶۲۹ھ میں سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے زمانے میں قاضی ممالک کے منصب پر فائز ہوئے اور خاصی مدت تک اس عہدہ پر متمکن رہے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں بھی کچھ عرصہ اس عہدہ پر مامور رہے۔ لیکن بعض سیاسی الزامات کی بنا پر سلطان ناصر الدین محمود نے انھیں جمعہ کے روز ۹ر ذوالحج ۶۴۶ھ کو اس منصب سے معزول کر کے بدایوں بھیج دیا تھا۔ جہاں عماد الدین ریحان حاجب کے حکم سے سوموار کے دن ۱۲ر ذی الحجہ ۶۴۶ھ کو شہید کر دیے گے۔[۵۲]

۴۶۔ شیخ محمد ترکمانی

شیخ محمد بن ابو محمد ترکمانی، اصحابِ علم و معرفت میں سے تھے۔ شیخ عثمان ہارونی کے مرید خاص تھے۔ ہندوستان آئے اور نارنول میں مقیم ہو گئے۔ بہت بڑے عالم اور مبلغ اسلام تھے۔ ان کی تبلیغ کے اثر سے بے شمار ہندو اور غیر مسلم ان کے دستِ حق پرست

---

[۵۱] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۲۳۔ بحوالہ منبع الانساب۔

[۵۲] طبقات ناصری، ج ۱، ص ۴۸۲۔ بزم مملوکیہ ص ۱۹۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۲۶

پردائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہندوؤں کا ایک گروہ ان سے سخت برہم ہوا اور اس نے ۳۳۴ھ میں ان کو شہید کر دیا[۵۳]۔

۴۷۔ شیخ مسعود فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ

چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں جن شخصیتوں نے جنم لیا اور جو مشاہیر اس سرزمین سے ابھرے، تصوف و طریقت، زہد و عبادت اور علم و فضل میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ ان ہی عالی مرتبت حضرات میں، حضرت شیخ مسعود فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی شامل ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب دینوی اور دینی اعتبار سے بڑا عالی ہے، جس میں بادشاہ کابل فرخ شاہ اور مشہور عالم صوفی حضرت ابراہیم بن ادہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں اور آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام نامی درج ہے۔

ان کے جدّ امجد شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ، فتنۂ تاتار کے زمانے میں، جب کہ ہندوستان میں شہاب الدین غوری کا عہد تھا، کابل سے لاہور آئے۔ لاہور سے قصور چلے گئے اور وہاں سے ملتان تشریف لے گئے۔ شیخ شعیب چونکہ عالم دین تھے، اس لیے علاقہ ملتان کے ایک مقام کھتی وال (جسے کھتوال بھی کہا جاتا ہے) میں قاضی بنا دیے گئے۔ اسی جگہ شیخ مسعود جو بعد میں، شیخ فریدالدین گنج شکر کے نام سے معروف ہوئے، ۵۶۹ھ یا ۵۸۴ھ میں پیدا ہوئے[۵۴]۔ بچپن ہی میں حصول علم کے لیے ملتان چلے گئے۔ وہاں ایک مسجد میں قرآن مجید حفظ کیا۔ منقول ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیتے۔ اس کے علاوہ علوم و فنون سے

---

[۵۳] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۲۷۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

[۵۴] کہتے ہیں، ولادت تو ۵۶۹ھ میں ہوئی لیکن شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ۵۸۴ھ میں ہوئی اور اسی سال ان کے ساتھ دہلی چلے گئے۔

متعلق کچھ کتابیں ملتان کے مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ علم فقہ کی کتاب النافع ملتان کی اسی مسجد میں مولانا منہاج الدین ترمذی سے پڑھی۔

اسی اثنا میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ورود مسعود ملتان میں ہوا۔ جس مسجد میں شیخ فرید الدین تعلیم حاصل کرتے تھے، بختیار کاکی اس مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے تو فرید الدین دیکھتے ہی اس شمع معرفت کے پروانے ہو گئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ساتھ جانا چاہا لیکن ایک روایت کے مطابق شیخ نے ان کو ساتھ جانے سے روک دیا اور تکمیل علوم کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ طلب علم کی غرض سے ملتان سے قندھار کا سفر کیا۔ وہاں پانچ سال مقیم رہے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ سفر قندھار کے دوران میں متعدد بلاد و امصار کی سیر کی۔ اور اس دوران میں شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی، شیخ سیف الدین باخرزی شیخ سعد الدین حموی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور بہت سے حضرات کی زیارت و ملاقات کا موقع ملا۔

بعد ازاں دہلی جا کر شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی صحبت اختیار کر لی۔ پھر ہانسی تشریف لے گئے۔ وہاں بارہ سال مقیم رہے اور ریاضت و مجاہدہ کی کٹھن منزلیں طے کیں۔ ہانسی سے اپنے وطن کھتی وال کا قصد کیا اور بہت عرصہ تک وہاں اقامت اختیار کیے رکھی۔ اس کے بعد عازم اجودھن (پاک پٹن) ہوئے۔ جہاں گئے عقیدت مندوں کا ایک ہجوم حاضر خدمت رہا اور بے شمار لوگوں نے فوائد روحانی حاصل کیے۔

ارض ہند کے اس عظیم عالم و صوفی کی طرف بے شمار کشوف و کرامات منسوب ہیں اور ایسے ایسے واقعات منقول ہیں کہ انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ افسوس ہے، تنگ دامانی صفحات تفصیل کی اجازت نہیں دیتی۔

نہایت سخی اور وسعت قلب کے مالک تھے۔ امرا و حکام اور ملوک و سلاطین کے درباروں میں جانے کے بالکل عادی نہ تھے۔ دل کے بدرجۂ غایت نرم تھے۔

عذوبتِ لسان اور لینتِ کلام میں سب سے بڑھ کر تھے، گفتگو میں انتہائی اثر تھا۔ یادِ الٰہی میں ہمہ وقت مشغول رہتے اور اس باب میں کسی چیز کو سدِّ راہ نہ ہونے دیتے۔ تواضع اور انکساری میں لاثانی تھے۔ ایک مرتبہ پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لیے مجلسِ مریدین میں مجبوراً چارپائی پر بیٹھنا پڑا۔ یہ مقامِ نشست چوں کہ عام مریدوں سے اونچا تھا لہٰذا اس پر حاضرین سے معذرت خواہ ہوئے، اپنی تکلیف بیان کی اور چارپائی پر بیٹھنے کی وجہ بتائی۔ حاضرینِ مجلس نے دعا کی اور کہا:

"حیاتِ شمامی باید وحیاتِ ما متعلق حیاتِ شما است۔"

یعنی آپ کی صحت کی ضرورت ہے، ہماری صحت کا تعلق آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بھی، جو حضرت بابا فرید کے مریدِ خاص تھے، اس مجلس میں موجود تھے، انھوں نے یہ شعر پڑھا:

جانِ جہانیان توئی دشمنِ جان بود کسے
اے ہمہ دشمنان تو دشمنِ جانِ خویشتن

ایک مرتبہ خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں سوائے جوار کے اور کچھ نہ تھا۔ خود ہی جوار کا آٹا پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے لیے لائے۔

منقول ہے کہ الغ خاں (جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہِ ہند ہوا) کی لڑکی بی بی ہزیرہ، حضرت شیخ فرید الدین کے نکاح میں تھیں، مگر اس کے بادشاہ بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اس سے شانِ بے نیازی ہر دور میں قائم رہی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ بلبن جب بادشاہ ہوا تو ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے بلبن کے پاس کسی معاملے میں کوئی سفارش کرانا چاہی۔ حضرت شیخ نے بادشاہ کے نام سفارشی مکتوب اس طرح تحریر فرمایا۔

میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اگر آپ اس کو کچھ دے دیں گے تو درحقیقت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے۔

علم کے بغیر تصوف و طریقت کو غلط قرار دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا دہلویؒ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔ جب تک علومِ شرعیہ میں کامل دست گاہ نہیں ہوگی، خدا کی محبت و معرفت اور قربت حاصل نہیں ہوسکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، دل میں پوری طرح پیوست تھی۔ مجلس میں آنحضرتؐ کا ذکر مبارک آجاتا تو زارو قطار رونا شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ رسولِ اکرم کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا اور بات ختم کر چکے تو آہ کھینچی اور روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا، جس کے واسطے تمام عالم پیدا کیا گیا، جب اسی کو عالم سے اٹھا لیا گیا ہے تو دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے کہ زندگی کی خواہش کریں۔ ہم کو چاہیے کہ اپنے آپ کو جانے والوں ہی میں شمار کریں۔ غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھادیں اور زادِ راہ کی فکر میں لگے رہیں۔

تلاوتِ قرآنِ حکیم کثرت سے کرتے اور فرماتے، قرآنِ مجید کی تلاوت سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں ہے۔ قرآن کی تلاوت سے بندہ، اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے زیادہ اور کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

ان کی کوشش اور تبلیغ سے، ایک طرف تو بے شمار مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی گرفت مضبوط ہوئی اور دوسری طرف غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوگئی۔ قیامِ اجودھن کے ابتدائی دنوں میں ایک ہندو جوگی شمبھوناتھ، بابا فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ جوگی اس نواح میں، جادو منتر اور ٹونے وغیرہ کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ باباصاحب کو دیکھتے ہی اس پر ان کی اس درجہ ہیبت طاری ہوئی کہ زبان سے کچھ نہ بول سکا۔ پھر ان کے کشوف و کرامات سے ایسا متاثر ہوا کہ قدموں میں گر پڑا، اور اپنے تمام چیلوں اور ساتھیوں سمیت ان کے ہاتھ پہ مسلمان ہوگیا۔ تذکروں میں مرقوم ہے کہ پاک پٹن کے اطراف و جوانب میں، جو مسلم آباد ہیں، وہ زیادہ تر حضرت باباصاحب کی تبلیغی مساعی سے مسلمان ہوئے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی بے شمار اوصافِ

حمیدہ کی مالک تھی۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کے مختلف سنینِ وفات بیان کیے ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ۵ محرم ۶۶۴ھ میں چورانوے یا پچانوے سال کی عمر پاکر اجودھن میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

مغل حکمران جلال الدین اکبر کو حضرت بابا فرید الدین سے بہت عقیدت تھی اور وہ ان کے مدفن سے بڑی محبت رکھتا تھا، اس لیے اس نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا[۵۵]

۴۸۔ مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی

ساتویں صدی ہجری میں جن علمائے کرام نے ارضِ ہند میں بساطِ علم بچھائی اور مسندِ تدریس آراستہ کی، ان میں مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ فقہ و اصول کے چوٹی کے علما میں سے تھے۔ ملتان میں ان کا سلسلۂ درس جاری تھا، جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان کی فضیلتِ علمی کا یہ حال تھا کہ مشہور بزرگ و صوفی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے فقہ کی مشہور تصنیف کتاب النافع پڑھی[۵۶]

ت

۴۹۔ شیخ نجم الدین صغریٰ

شیخ نجم الدین صغریٰ، دیارِ ہند کے مشہور فقیہ اور نامور عالم دین تھے۔ سلطان شمس الدین التتمش ان کی بے پناہ عزت کرتا تھا اور اس کے عہدِ حکومت میں، یہ

---

[۵۵] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیر العارفین، سیر الاقطاب، خزینۃ الاصفیا، سیر الاولیا، راحت القلوب، اسرار الاولیا، فوائد الفواد، خیر المجالس، اخبار الاخیار، مرأۃ الاسرار، شمائل الاتقیاء وغیرہ۔

[۵۶] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۳

دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ ان کے حالات میں بعض ایسے واقعات بھی مرقوم ہیں، جو ایک عالم و فقیہ کی ذات کے ساتھ بظاہر چنداں مناسبت نہیں رکھتے، مگر چونکہ اپنی تمام خوبیوں اور اوصاف کے باوجود وہ انسان بھی تھے، اس لیے اگر کچھ اس قسم کی باتیں بھی، ان کی ذات میں دکھائی دیتی ہیں جو بظاہر مستحسن نہیں معلوم ہوتیں تو اس میں متعجب یا متحیر ہونے کی ضرورت نہیں۔

شیخ نجم الدین صغریٰ کے زمانے میں، شیخ جلال الدین تبریزی ایک مشہور بزرگ تھے، جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں سلوک و تصوف کی منزلیں طے کرتے رہے تھے اور حضرت سہروردی کے ہاں سے یہ دونوں بزرگ ایک ساتھ ہی تشریف لے گئے تھے، لیکن شیخ جلال الدین تبریزی نیشاپور میں، شیخ بہاء الدین زکریا سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے۔ سلطانِ ہند شمس الدین التمش ان کی عظمت و بزرگی کی شہرت سُن چکا تھا اور ان سے بہت متاثر تھا۔

شیخ جلال الدین تبریزی کچھ عرصہ تک علاقۂ خراسان میں مقیم رہنے کے بعد دہلی تشریف لائے تو سلطان نے علما و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور اُن کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ تعظیم و تکریم کا یہ انداز شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو ناگوار گزرا اور ان کے دل میں شیخ جلال الدین تبریزی کے خلاف رشک و حسد کے جذبات اُبھر آئے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے خواہش ظاہر کی کہ شیخ جلال الدین تبریزی، ان کی (یعنی شیخ نجم الدین صغریٰ کی) قیام گاہ کے قریب ہی فروکش ہوں۔ اور قیام کے لیے ایک مکان بھی تجویز کر دیا، جو "بیت الجن" کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے اس عزیز اور معزز مہمان کو اس مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا کیونکہ مشہور تھا کہ اس میں جنات کا ٹھکانا ہے۔ اس پر شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہا۔ اگر شیخ جلال الدین تبریزی درویش کامل ہوں گے تو جنات خود ہی مکان چھوڑ کر

چلے جائیں گے اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب دہی کی سزا پائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدگی میں ہوئی تھی، مگر شیخ جلال الدین تبریزی نے اسی مکان میں قیام کا اعلان کر دیا۔ جب انھوں نے مکان کے اندر قدم رکھا تو وہ ایذا رسانیوں کی تمام صورتوں سے پاک ہو گیا اور انھیں کوئی گزند نہ پہنچا۔

دوسرے روز شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں سے ہو کر چلے تو حضرت خواجہ کو اُن کی آمد کا کشف ہو گیا اور وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے اور راستے میں قران السعدین ہوا۔ سلطان التتمش، شیخ تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر اُن کا پہلے سے بھی زیادہ معتقد ہو گیا۔ اس سے شیخ نجم الدین صغریٰ کا حسد اور زیادہ بڑھا۔

ایک روز موسم بہار میں، سلطان التتمش نے نمازِ فجر سے پہلے شیخ نجم الدین صغریٰ کو محل میں بلایا اور ان کو نماز کے لیے امام بنایا۔ نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی چھت کے سامنے شیخ جلال الدین تبریزی کی قیام گاہ تھی۔ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر صحنِ خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ صورت سے بھی نوازا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ نجم الدین صغریٰ نے خیال کیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی، نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں۔ اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، آپ اس قسم کے دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں۔ یہ سونے کا کون سا وقت ہے۔ دیکھیے ایک حسین و جمیل غلام بھی پاس بیٹھا ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی کو نورِ باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی کا علم ہو گیا۔ اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ سلطان نادم ہوا اور نجم الدین سے کہنے لگا، تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو، نیک و بد کی بھی تمھیں پہچان نہیں۔ مگر شیخ نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہونے کے بجائے، اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہوئے اور شیخ جلال الدین تبریزی سے پرخاش مزید بڑھ گئی۔

اس ناکامی کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ نے ان کے خلاف ایک اور حربہ استعمال کیا وہ یہ کہ دہلی کی ایک خوب رو مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کرکے شیخ جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگانے پر آمادہ کیا۔ وہ سلطان کے پاس گئی اور شیخ الدین پر اتہام لگایا۔ سلطان نے سنا تو حیران رہ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ غلط الزام اور کذب بیانی ہے۔ وہ مطربہ کو اس دروغ گوئی کی پوری سزا بھی دے سکتا تھا کیونکہ مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر شیخ جلال الدین تبریزی پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا۔ مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیق بھی ضروری تھی، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علما و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ جن میں شیخ بہاء الدین زکریا بھی شامل تھے۔ انھوں نے یہ دعوت قبول فرمائی اور ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ اس محضر میں ملک کے دو سو علمائے کرام اور صوفیائے عظام شریک ہوئے اور محضر دہلی کی جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

نجم الدین صغریٰ نے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے شیخ بہاء الدین زکریا کو حکم مقرر کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی شیخ جلال الدین تبریزی کو طلب کیا گیا۔ وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو تمام علما و اولیا ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان ایلتمتش اس سے بہت متاثر ہوا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا:

"میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ یہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے ہیں، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کرکے ان کے عیب پر پردہ

ڈال دیا ہے، تو یہ حقیقت اہل اللہ پر بخوبی واضح ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل و بیّنہ کا اظہار ضروری ہے، لہٰذا مدعیہ مطربہ کو سامنے لایا جائے۔"

اب مطربہ کو شیخ بہاء الدین کے سامنے پیش کیا گیا مگر اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا اور بتا دیا کہ نجم الدین صغریٰ نے اس کو اتنی رقم دے کر، شیخ جلال الدین تبریزی پر الزام لگانے کو کہا تھا۔ اس سازش کے افشا پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ مجلس ہی میں بے ہوش ہو گئے اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔

سلطان شمس الدین التمش نے اس کذب بیانی اور اتہام طرازی کی سزا میں نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے منصب سے الگ کر کے شیخ بہاء الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی درخواست کی، جو انھوں نے منظور فرمالی اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں قائم رہا۔[۵۷]

۵۰۔ شیخ نجیب الدین متوکّل

شیخ نجیب الدین بن سلیمان بن شعیب عدوی عمری دہلوی، متوکل کے نام سے مشہور تھے۔ عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ عالم ربانی اور نیک نفس تھے۔ خطۂ ہند میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں نشو و نما پائی۔ اپنے بڑے بھائی شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے اخذِ علم کیا۔ پھر دہلی میں سکونت اختیار کر لی اور اسی سرزمین میں وفات پائی۔

زاہد و عفیف، پاک باز و متوکل علی اللہ اور قناعت پیشہ تھے۔ حرص و طمع سے طبیعت پاک تھی۔ اور ملوک و امرا کے دروازے پر جانے کے عادی نہ تھے۔

۵۷؎ فوائد السالکین مجلس ششم و سیر العارفین ج ۲ ص ۳۱ تا ۳۷۔ نزہۃ الخواطر: ج ۱ ص ۲۳۵ بزمِ صوفیہ ص ۹۷ تا ۱۰۰

۹ رمضان ۶۶۹ھ کو دہلی میں فوت ہوئے[۵۸]

۵۱۔ شیخ نصیر الدین دہلوی

عالم اجل شیخ نصیر الدین دہلوی، کاسہ لیس کے نام سے معروف تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتتمش کے عہد میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے[۵۹]

۵۲۔ شیخ نظام الدین فرغانی

شیخ نظام الدین فرغانی، فقہ و اصول کے متبحر علما میں سے تھے۔ ہندوستان آنے کے بعد بنگال گئے اور سلطان محمد بن بختیار خلجی حاکم بنگال (متوفی ۶۰۲ھ) کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ محمد بن بختیار خلجی ان کے علم و فضل، عقل و خرد، قوت فہم اور شجاعت و بہادری سے بہت متاثر ہوا اور ان کے اوصاف جمیلہ دیکھ کر اس نے ان پر بہت مال و دولت خرچ کیا۔ اس کی معیت میں انھوں نے کفار ہند کے ساتھ متعدد جنگوں میں حصہ لیا اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی بہادری اور عقل مندی کے جوہر دکھائے۔ انھوں نے ارض بنگال ہی کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ان کے بھائی شیخ صمصام الدین فرغانی بھی اُن کے ساتھ تھے۔ صاحب طبقات ناصری قاضی منہاج الدین جوزجانی نے ۶۴۱ھ میں ان سے ملاقات کی[۶۰]

و

۵۳۔ قاضی وجیہ الدین کاشانی

قاضی وجیہ الدین کاشانی اپنے دور کے جلیل القدر امام تھے۔ ان کا شمار

---

۵۸ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۵۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

۵۹ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۶۔ بحوالہ طبقات ناصری۔

۶۰ طبقات ناصری، ج ۱، ص ۴۲۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۷

فقہ، اصول، کلام اور علوم عربیہ کے ماہر علما میں ہوتا تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد سلطنت میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے۔[۵۶۱]

ی

۵۴۔ شیخ یعقوب بن احمد نہروالی

شیخ ابو یوسف یعقوب بن احمد نہروالی، ساتویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ تھے اور ہندوستان کے علاقہ گجرات کے ایک شہر نہروالا میں اقامت گزیں تھے۔ علوم عربیہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ شافعی المسلک تھے اور فقہ شافعی میں مہارت رکھتے تھے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے پوتے تھے۔ الف خاں کے ساتھ گجرات گئے، جن کو سلطان سنجر نے ستر ہزار گھڑ سواروں اور پیدل جنگ جوؤں کے ساتھ نہروالا کی طرف روانہ کیا تھا۔ انھوں نے نہروالا کا محاصرہ کرلیا اور وہاں کے باشندوں کو سخت تنگ کیا۔ جب مدت محاصرہ نے اتنا طول کھینچا کہ وہ پانچ یا چھ سال کو پہنچ گئی تو شیخ یعقوب نے شہر سے باہر نہایت ہموار طریقے سے تراشے ہوئے پتھروں کی مسجد تعمیر کردی۔ پھر جب سلطان سنجر کی موت کی اطلاع آئی تو الف خاں تو واپس چلا گیا، مگر شیخ یعقوب اسی مسجد میں مقیم ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا، جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ یہ مسجد ۶۵۵ھ میں تعمیر کی گئی تھی۔[۵۶۲]

۵۵۔ شیخ ابوبکر یوسف بن حسین سقرانی

علامہ شیخ ابو بکر یوسف بن حسین سقرانی یعنی امام سراج الدین سجزی۔ فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے کبار علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن

---

۵۶۱ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۹۔

۵۶۲ ایضاً۔ بحوالہ مرآۃ احمدی

اور اس سے قبل کے بادشاہوں کے دَور میں، طویل عرصہ تک ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی میں بساطِ تدریس بچھائے رکھی اور افادۂ عام میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں ان سے بے شمار علما نے اخذِ علم کیا۔

غیاث الدین بلبن، ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا۔ ہر جمعہ کے روز، نماز جمعہ کے بعد، ان کی خدمت میں حاضری دیتا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا[۶۳]

---

[۶۳] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱۔ تاریخ فرشتہ (فارسی)، ج ۱۔ (حالات سلطان غیاث الدین بلبن)

آٹھویں صدی ہجری

الف

۱۔ قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی

قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی، اپنے دور کے مشہور علما میں سے تھے۔ سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں شہر بھکر کے قاضی تھے۔ محمد بن بطوطہ اپنی سیاحت کے دوران ۷۳۴ھ میں بھکر آیا تو ان سے بھی ملا۔ اس ملاقات کا ذکر اس نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔ ابن بطوطہ اس شہر میں تین علمائے کرام سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وانصرفت عنه الى مدينة بكار، وهى مدينة حسنة، يشقها خليج من نهر السند، وفى وسط ذلك الخليج زاوية حسنة، فيها الطعام للوارد والصادر، عمّرها كشلوخان، ايام ولايته على بلاد السند، وسيقع ذكره، ولقيت بهذه المدينة الفقيه الامام صدر الدين الحنفى، ولقيت بها قاضيها المسمى بابى حنيفة، ولقيت بها الشيخ العابد الزاهد شمس الدين محمد الشيرازى، وهو من المعمرين، ذكر لى ان سنه تزيد على مائة وعشرين عاماً[۱]

یعنی میں (لاہوری سے) بھکر گیا۔ یہ شہر بڑا خوب صورت ہے۔ دریائے سندھ کی ایک شاخ

---

[۱] رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲، ص ۱۰، مطبع امیریہ۔ قاہرہ (۱۹۳۴ء)

اس کے بیچ میں سے گزرتی ہے اور اس کے وسط میں ایک خانقاہ ہے۔ وہاں مسافروں اور آنے جانے والوں کو کھانا ملتا ہے۔ یہ خانقاہ اپنے ایام حکومت میں کشلو خاں نے تعمیر کی تھی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس شہر میں میری ملاقات امام فقیہ صدرالدین حنفی، قاضی شہر ابوحنیفہ اور عابد و زاہد شیخ شمس الدین محمد شیرازی سے ہوئی۔ شیخ شمس الدین محمد کی عمر اس وقت، ان کے اپنے بیان کے مطابق ایک سو بیس برس سے زائد تھی۔

۲۔ شیخ ابو علی قلندر پانی پتی

شیخ ابو علی قلندر کا نام شرف الدین تھا۔ سیرالاقطاب کی روایت کے مطابق یہ امام ابوحنیفہؒ کی اولاد سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ شیخ شرف الدین ابو علی قلندر بن سالار فخرالدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمن بن عبدالرحیم بن محمد بن دانک بن امام ابوحنیفہ۔

شیخ شرف الدین کے والد مکرم سالار فخرالدین بڑے متبحر اور جید عالم تھے وہ ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی لڑکی سے ہوئی تھی جو اولاد سے محروم رہیں اور وفات پا گئیں۔ بعد ازاں مولانا سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی بہن بی بی حافظہ جمال سے نکاح ہوا، جنھوں نے حضرت شیخ شرف الدین ابو علی قلندر کی ماں بننے کا شرف حاصل کیا۔

شیخ ابو علی قلندر ۶۰۵ھ کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ذہانت و فطانت میں اس درجہ تیز تھے کہ چھوٹی عمر ہی میں تمام علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے اور دہلی میں قطب مینار کے پاس درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ تدریس کا یہ چشمۂ فیض بیس برس تک جاری رہا۔ اپنی کتاب حکمت نامہ میں اپنے مشاغل علمیہ کے بارے میں خود ہی لکھتے ہیں کہ میں بیس برس تک درس و افتا میں مشغول رہا۔ اس کے بعد کوچۂ تصوف و طریقت میں قدم رکھا، طبیعت پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی، علوم و فنون کی کتابیں دریا میں ڈالیں اور جنگل کی راہ لی۔ پانی پت کے مضافات

باگھونی اور کرنال کے نواح بڑھا کھیڑہ میں آخر وقت تک مقیم رہے۔

جذب و سکر کے زمانے میں عجیب حالت ہو گئی تھی، مونچھیں بڑھ گئی تھیں اور انھیں ان کی کوئی پروا نہ تھی۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

وقتے کہ موئے شوارب او بغایت دراز شدہ بود، ہیچ کس را مجال آں نہ بود کہ بوی امر بقصِ آں ہا کند، مولانا ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ کہ جوش شریعت در بود اشت، بمقراض بر گرفت و محاسنِ شریفش در دست گرفتہ، قصِ شوارب کرد۔ گویند کہ بعد ازاں، شیخ ہمیشہ محاسنِ خود بوسیدی و گفتی کہ ایں در راہِ شریعتِ محمدی گرفتہ شدہ است۔[1]

یعنی سکر اور جذب و مستی کی حالت میں جب مونچھیں، حدودِ شرعی سے بڑھ گئیں تو کسی کو ان کے تراشنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ان کے ہم عصر مولانا ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ احکام شریعت کی پابندی میں پُرجوش تھے۔ انھوں نے قینچی ہاتھ میں لی اور شیخ کی ریش پکڑ کر حدودِ شرعی کے مطابق مونچھوں کو تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ اپنی داڑھی پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے جو شریعتِ محمدی کی راہ میں پکڑی گئی۔

اس زمانے کے ایک مشہور بزرگ خواجہ شمس الدین ترک تھے۔ وہ بھی پانی پت میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ ان کا شیخ ابو علی قلندر کے بارے میں ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ شمس الدین ترک کا نزولِ اجلال پانی پت میں ہوا تو انھوں نے دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ، خادم کے ہاتھ شیخ ابو علی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ خادم کو دیکھ کر مسکرائے۔ گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے۔ ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر، اسے حضرت خواجہ شمس الدین ترک کے پاس واپس کر دیا۔ حضرت خواجہ نے پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر تبسم فرمایا۔ حاضرین نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا، شیخ ابو علی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۲۹

بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے، جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے۔ شیخ ابو علی قلندر نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے، جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ ابو علی قلندر سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ چنانچہ دونوں بزرگوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت کا مضبوط رشتہ قائم رہا۔

سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان علاء الدین خلجی کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ سلطان علاء الدین خلجی نے، ان کی خدمت میں کچھ نذر پیش کرنا چاہی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ شیخ کسی کی نذر قبول نہیں کرتے۔ امرائے دولت نے مشورہ دیا کہ نذر اگر حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی وساطت سے بھیجی جائے تو ضرور قبول کرلیں گے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے امیر خسرو کو شیخ نظام الدین کی خدمت میں اپنی اس خواہش کے اظہار کے لیے بھیجا۔ شیخ نظام الدین نے پہلے تو تامل فرمایا، پھر اجازت دے دی اور نصیحت کی کہ قلندر جو کچھ بھی کہیں۔ اس کو مان لینا اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا۔ امیر خسرو تین دن میں پانی پت پہنچے اور شیخ ابو علی قلندر کی قیام گاہ پر خادم کے ذریعے حاضری کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو اندر گئے۔ شیخ نے پاس بٹھایا اور کچھ سنانے کے لیے کہا: امیر خسرو نے اپنی حسبِ ذیل غزل سنائی:

اے کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراقِ یار نیست — گر امیدِ وصل باشد آں چناں دشوار نیست
عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار — زانکہ ایں انگشتہا بر دستِ من ہموار نیست
خلق را بیمار باید بود از آسیبِ چشمِ من — ایں عجب کاں وقت میگریم کہ کس بیدار نیست
یک قدم بر نقشِ خود نہ وانگہ گو کہ دوست — ہر چہ بینی دوست بیں با ایں و آنت کار نیست
چند گوئی بیہدہ زنار بند اے بت پرست — بر تنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

یہ غزل سن کر شیخ بہت خوش ہوئے اور خسرو سے مخاطب ہو کر کہا، خسرو! خوش نہ ہوگے اور خوش ہو جاؤ گے۔ پھر خود ہی یہ غزل پڑھی:

دیہیم خسروان بہ نعل استر است — خسرو کسے کہ حلقۂ تجرید بر سر است

گفتم بعلم و عقل بملک دگر شدم — ملکم ز عقل و دین چو دیدم فزون تر است

سیمرغ دار دی نہفتم بقافِ عشق — کو عارفی کہ منظرِ او عرش اکبر است

عقل کُل است علم لدنی بعارفاں — این عقل و علم جسمے و رسمے مختصر است

درسِ شرف نبود ز الواح ابجدی — لوحِ جمالِ دوست مرا در برابر است

امیر خسرو شیخ ابو علی قلندر کی زبان سے یہ غزل سن کر بہت روتے۔ شیخ نے پوچھا، کچھ سمجھے بھی؟ عرض کیا، اسی بات کا تو رونا ہے کہ کچھ نہ سمجھا۔ اس جواب سے شیخ بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول کر لی، اور فرمایا۔ اگر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو ہرگز نذر قبول نہ کرتا۔ پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز واکرام سے خانقاہ میں ٹھہرایا جائے۔ وہ تین دن وہاں رہے۔

سلطان غیاث الدین تغلق بھی شیخ ابو علی قلندر کا بہت معتقد تھا۔ ایک مرتبہ اپنے لڑکے شہزادہ جوناخاں اور پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ شیخ نے خدام کو حکم دیا کہ ان تینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ خدام تینوں کے لیے ایک پیالے میں کھانا لائے۔ بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالے میں کھانا شروع کیا۔ شیخ نے فرمایا، تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں۔ یہ گویا شہزادہ جوناخاں اور شہزادہ کمال الدین کے لیے بادشاہت کی خوش خبری تھی۔ چنانچہ آگے چل کر سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد یہ دونوں سلطان محمد خاں تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے نام سے ہندستان کے تختِ بادشاہت پر متمکن ہوئے۔

اس رفیع المنزلت عالم و صوفی کی تبلیغِ اسلام اور علوِ کردار سے متاثر ہو کر پانی پت اور اس کے نواح کے بے شمار غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ اس علاقے میں جو مسلمان راجپوت آباد ہیں یا آباد تھے، انھوں نے ان ہی کے ارشاد و ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ ایک مشہور راجپوت امیر سنگھ بھی ان کی تبلیغ سے ایمان لایا اور پھر اس خاندان سے مسلمان راجپوت پورے علاقے میں پھیل کر اسلام کی مضبوط

طاقت بنے۔

انھوں نے ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ کو وفات پائی۔ تاریخ وفات "باشرف ابن ابدال"، نکلتی ہے۔[۳]

شیخ ابو علی قلندر شاعر بھی تھے۔ یہ شعر ان ہی کا ہے:

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن　　از گلِ رعنا بگو با ما سخن

۳۔ شیخ احمد بن یحییٰ مُنیری

شیخ احمد بن یحییٰ مُنیری ۲۶ شعبان ۶۶۱ھ کو مُنیر (ضلع پٹنہ۔ صوبہ بہار۔ ہند) میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش "شرف آگین" ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا تاج محمد فقیہ بن ابوبکر بن ابوالفتح بن ابوالقاسم بن ابوالصائم بن ابو دہر بن ابو اللیث بن ابو سہمہ بن ابوالدین بن ابو سعید بن ابو ذر بن زبیر (المکنّٰی بابی الصعب) بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ والدہ مکرمہ کا نسب نامہ چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

شیخ احمد بن یحییٰ مُنیری کے خاندان کا تعلق درحقیقت بیت المقدس سے تھا۔ وہاں سے آ کر کسی زمانے میں یہ خاندان ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں مُنیر میں آباد ہوا۔ یہ خاندان علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں ہمیشہ ممتاز رہا۔ مُنیر کے گرد ونواح میں اسی خاندان کی تبلیغی مساعی سے اسلام کی نشر واشاعت ہوئی۔

شیخ احمد کا لقب شرف الدین تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں پائی۔ اس زمانے میں مصادر، مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں زیر درس رہیں۔ مفتاح اللغات زبانی یاد کی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو والد یا جد نے مزید تعلیم کے لیے مولانا شرف الدین

---

[۳] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیا، تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، دعوتِ اسلام، مرآۃ الکونین، سیر الاقطاب، مرآۃ الاسرار وغیرہ۔

ابو توامہ کے پاس موضع سنارگاؤں بھیج دیا۔ یہ اس عہد کے ممتاز علما میں سے تھے۔ شیخ احمد نے ان کے علم و فضل اور اسلوب تدریس کی بہت تعریف کی ہے۔

اپنے اس شفیق و مہربان استاذ سے، انھوں نے قرآن مجید، تفسیر حدیث اور فقہ کے علاوہ، منطق، فلسفہ، ریاضی اور دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی۔ علاوہ ازیں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مصروف رہے۔ اور ساتھ ہی تصوّف و طریقت کی کتابیں بھی پڑھیں۔

استاذ نے اپنے اس شاگرد کی گوناگوں صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی ان کے عقد میں دے دی، جس سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ دو صغرسنی ہی میں انتقال کر گئے اور ایک زندہ رہے، جن کا نام زکی الدین تھا۔ ان ہی سے اس خاندان کی نسل آگے چلی۔

سنارگاؤں کے زمانۂ قیام میں حصولِ علم میں اس قدر منہمک رہتے کہ گھر یا دیگر اعزہ و اقارب اور دوستوں کی طرف سے خطوط آتے تو ان کو کھول کر نہ دیکھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو، ان میں کوئی تشویش ناک اور ذہنی اعتبار سے اذیت رساں بات درج ہو، اور وہ تعلیم کے راستے میں رکاوٹ کا باعث بن جائے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھول کر پڑھا تو ایک خط میں والد محترم کے انتقال کی خبر مرقوم تھی۔ اس خبر سے دل پر سخت چوٹ لگی اور شدتِ تاثر سے بے چین ہو گئے۔ اسی وقت گھر کی طرف لوٹے۔ گھر کے دورانِ قیام میں دل میں طلب الٰہی کی آگ شعلہ زن ہوئی اور مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چھوٹے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ساتھ ہو گئے۔

اس زمانے میں دہلی اور اس کے اطراف کو بزرگانِ دین اور مشائخ اسلام کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ احمد بھی دہلی جا پہنچے اور مختلف عباد و زہاد سے ملاقات کی۔ شیخ نظام الدین اولیا کے دربار میں بھی حاضری دی، مگر ان کے حلقۂ ارادت میں شامل نہیں ہوئے۔ البتہ ان کی ہدایت

پر شیخ نجیب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مرشد نے بیعت لی اور کچھ نصیحتیں کیں۔ بیعت سے بعد عبادت و زہد کی لگن میں علاقہ بہار کے مختلف جنگلوں اور صحراؤں میں ایک عرصہ تک گھومتے رہے۔ اس اثنا میں بعض ہندو جوگیوں سے بھی ملاقات ہوئی اور اسلامی تعلیمات کے بعض پہلوؤں پر ان سے بحثیں کیں۔ ان سفروں میں بہت سے لوگ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔

بالآخر جنگل کی زندگی ترک کر کے آبادی کی طرف رخ کیا تو نماز جمعہ کے لیے صوبہ بہار کے قصبہ بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار پر اس قصبے میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جہاں کم و بیش ساٹھ سال تک اپنے چشمۂ فیض سے لوگوں کے قلب و ذہن کو سیراب کرتے رہے۔

اس زمانے میں سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنتِ ہندوستان تھا۔ وہ ان کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل سے بہت متاثر تھا۔ لیکن انھوں نے ہمیشہ ملوک و سلاطین اور امرا و حکام سے ملنے سے گریز کیا۔ طبیعت میں بے نیازی و استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگر کچھ ملتا بھی تو فوراً غربا و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔

سلطان محمد تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق، ہندوستان کی مسندِ حکومت پر متمکن ہوا۔ وہ بھی ان کا انتہائی احترام کرتا اور ان کے زہد و اتقا سے مستفیض ہوتا تھا۔

ہر حلقے میں اُن کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ علما، فقہا، محدثین اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین ان کی مجلس میں آتے اور اُن کے فیوض سے فائدہ اٹھاتے۔ بادشاہوں کو عمدہ ترین الفاظ میں خوفِ خدا، اتباعِ سنتِ رسول اور رعیت سے حسنِ سلوک کی تلقین فرماتے۔

باطنی تعلیمات کے ساتھ، ظاہری اخلاق کو سنوارنے کی تاکید کرتے اور فرماتے کہ جو شخص شریعت کا علم حاصل نہیں کرتا، وہ تصوف و طریقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شریعت سے بے بہرہ صوفی، گمراہی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

دیارِ ہند کے یہ عظیم عالم و محدث اور معروف صوفی و فقیہ ایک سو بیس برس کی عمر

پاکر شب پنجشنبہ کو عشا کی نماز کے وقت ۶ رشوال ۷۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ تاریخ وفات "شرف" (۷۸۲) ہے۔

وصیت تھی کہ نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارکِ مملکت ہو اور حافظِ قرآن مع قراءتِ سبعہ ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا کہ عین اس وقت حضرتِ اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں لہٰذا نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت ان ہی کے حصے میں آئی۔ قبر ہندوستان کے صوبہ بہار کے قصبہ بہار شریف میں ہے۔[۴]

۴۔ سید احمد غزنوی

سید مفتی احمد بن ابو احمد غزنوی آٹھویں صدی ہجری میں دیارِ ہند کے کبار علمائے دین میں سے تھے۔ دکن گئے تو علاء الدین حسن بہمنی ان سے انتہائی عزت و اکرام سے پیش آیا اور انھیں گل برگہ کی مسندِ تدریس پر فائز کیا۔ تمام عمر اس منصب پر متمکن رہے۔ گل برگہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔[۵]

۵۔ شیخ اسحاق مغربی

شیخ اسحاق مغربی ۶۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ عابد و زاہد، عالم و فقیہ اور ارضِ ہند کے مشہور اولیائے کرام میں سے تھے۔ علمِ طریقت میں بھی ممتاز و منفرد تھے۔ یہ علم انھوں نے شیخ محمد مغربی سے حاصل کیا۔ شیخ محمد مغربی نے ابو العباس احمد قرشی سے، انھوں

---

[۴] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، سیر العارفین، وفات نامہ حضرت مخدوم الملک، سیرۃ الشرف، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر جلد ثانی۔

[۵] محبوب الوطن۔ تذکرہ سلاطین دکن۔ حصہ اول۔ در بیان سلاطینِ بہمنیہ۔ تالیف ابو تراب محمد عبد الجبار خاں صوفی۔ (مطبوعہ مطبع نامی فخر نظامی۔ حیدرآباد) ص ۹۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳

نے ابو محمد صالح دکالی سے، انھوں نے امام طریقت شیخ ابو مدین مغربی سے حاصل کیا۔
شیخ اسحاق مغربی کو اپنے استاذ شیخ محمد مغربی سے اس درجہ محبت تھی کہ جب تک وہ زندہ رہے انھوں نے ان کے ساتھ ملازمت و وابستگی اختیار کیے رکھی۔ ان کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک ان کی قبر پر بیٹھے رہے۔ پھر ہندوستان آگئے اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اجمیر تشریف لے گئے۔ وہاں طویل مدت تک قیام پذیر رہے۔ اجمیر سے موضع کھتو گئے، جو اعمالِ ناگور میں واقع ہے۔ وہاں سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ ۱۷ر شعبان ۷۰۶ھ میں فوت ہوئے۔[۵۶]

۶- اسماعیل فقیہ

ابن بطوطہ اپنی سیاحتِ ہند کے دوران میں مالابار کے علاقے میں بھی گیا تھا۔
اس علاقے کے ایک شہر ہنور میں یہ گیا تو دیکھا کہ اس شہر کے تمام لوگ شافعی المذہب ہیں، نیک اور دین دار ہیں اور ان کے دل ولولۂ جہاد سے معمور ہیں۔ علاوہ ازیں وہ طاقت اور قوت کے بھی مالک ہیں۔ وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے:

واھل المدینۃ ھنور شافعیۃ المذھب لھم صلاح و دین و جھاد فی الحرب والقوۃ[۵۷]

وہاں اس کی ملاقات ایک شخص اسماعیل سے ہوئی جو اس علاقے کے فقیہ تھے۔
اور باشندگانِ علاقہ کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتے تھے۔ پرہیزگار، حسنِ اخلاق کے مالک اور کریم النفس تھے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

ولقیت بھا الفقیہ اسماعیل معلم کتاب اللہ تعالیٰ وھو ورع حسن الخلق کریم النفس[۵۸]

---

۵۶ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳۔ بحوالہ مجمع الابرار۔

۵۷ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۱۷۷ ۵۸ ایضاً۔

۷۔ شیخ اسماعیل بن محمد ملتانی

شیخ اسماعیل بن محمد بن زکریا قرشی، شیخ عماد الدین ملتانی کے لقب سے مشہور تھے۔ مسندِ مشیخت پر فائز تھے اور اپنے دَور کے نامور عالم و فقیہ تھے۔

ملتان میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے اور اپنے والدِ ماجد اور بڑے بھائی شیخ ابو الفتح رکن الدین ملتانی سے فیضِ علم و صلاح حاصل کیا۔ پھر فقہ اور اصول فقہ کی طرف عنانِ توجہ مبذول فرمائی اور اس میں اس درجہ ممتاز مقام پر پہنچے کہ افتا و تدریس کی مسندِ علیا پر فائز ہوئے اور اس باب میں مرجع خلائق قرار پائے۔ جب ان کے بڑے بھائی وفات پا گئے تو ان کی جگہ مسندِ ارشاد و ہدایت پر بیٹھے۔ ان کا سالِ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ گلزارِ ابرار میں ان کے حالات کے اختتام پر "عماد الدین عماد قصرِ دین بود" مرقوم ہے، جس کے عدد ۷۵۵ نکلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سالِ وفات ۷۵۵ھ ہے[۹]۔

۸۔ مولانا افتخار الدین رازی

مولانا افتخار الدین رازی ثم ہندی دہلوی۔ عہدِ علاء الدین خلجی کے اکابر اور نامور علما میں سے تھے۔ فقہ، اصولِ فقہ، علمِ کلام اور علومِ عربیہ کے زبردست عالم تھے۔ تمام عمر دار السلطنت دہلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بے شمار لوگوں نے ان کے فیوضِ علمیہ سے استفادہ کیا[۱۰]۔

۹۔ مولانا افتخار الدین برنی

شیخ افتخار الدین برنی، کبار علما و اساتذہ میں سے تھے۔ عہدِ علاء الدین خلجی میں

---

۹ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳، ۱۴۔ بحوالہ گلزار ابرار

۱۰ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۔

دارالحکومت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔[11]

۱۰- مولانا افتخار الدین گیلانی

شیخ افتخار الدین گیلانی کا شمار، فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے چوٹی کے علما کی جماعت میں ہوتا ہے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانۂ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں درس دیتے اور لوگوں کی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ ان کی فراوانیٔ علم و فضل کا اندازہ اس سے کیجیے کہ شیخ عبدالکریم شروانی کی وفات کے بعد، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے کتب درسیہ ان ہی سے پڑھیں۔[12]

۱۱- شیخ امام الدین دہلوی

شیخ امام الدین دہلوی قرن ہشتم کے ہندوستان کے فقہائے نامدار اور علمائے عظام میں سے تھے۔ ابدال کے لقب سے معروف تھے۔ شیخ بدر الدین غزنوی سے تحصیل کی اور ان کے شیخ کے شیخ نے قطب الدین بختیار کاکی سے اخذ فیض کیا اور ایک عرصہ تک ان سے لزوم والسلاک اختیار کیے رکھا۔ ۷۰۸ھ میں فوت ہوئے۔[13]

ب

۱۲- مولانا بدر الدین مُعبَرِی

شیخ بدر الدین معبری شافعی، اپنے عصر کے مشاہیر افاضل میں سے تھے۔ شافعی

---

[11] تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۵

[12] تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۵

[13] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

المسلک تھے اور فقہِ شافعی پر عمیق نظر رکھتے تھے۔ شہر منگرور کے قاضی تھے۔ یہ شہر مالابار کے علاقے میں ساحل سمندر پر خلیج کے کنارے واقع ہے۔ محمد بن بطوطہ سیاحتِ ہند کے دوران میں اس شہر میں بھی گیا تھا۔ اس شہر میں اس نے مولانا بدرالدین معبری شافعی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے[۱۴]۔

۱۳۔ مولانا بدرالدین اودھی

شیخ بدرالدین اودھی حنفی، عہد علاءالدین خلجی کے مشہور واعظ تھے۔ علم و دیانت، زہد و ورع اور تقویٰ و صالحیت میں اپنے دور کے بے نظیر شخص تھے۔ خطۂ اودھ میں رہائش پذیر تھے۔ کبھی کبھی دہلی بھی تشریف لے جاتے۔ وہاں کئی روز قیام فرماتے اور مجالسِ وعظ و تذکیر منعقد کرتے۔ ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ قول و عمل میں تصنع اور تکلف سے بالکل پاک تھے۔ وہی بات زبان سے نکالتے جو صداقت کی میزان پر پوری اترتی۔ ہر فکر و عقیدہ کے لوگ ان کی مجالسِ وعظ میں شرکت کرتے اور بہت متاثر ہوتے۔ اللہ کے ڈر سے روتے روتے لوگوں کی ہچکی بندھ جاتی۔ مفتی بھی تھے۔ کسی کی رعایت کیے بغیر صحیح صحیح فتویٰ دیتے[۱۵]۔

۱۴۔ مولانا برہان الدین بھکری

شیخ برہان الدین بھکری سندھی، حنفی المسلک تھے۔ فقہ و اصول اور علومِ عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان علاءالدین خلجی کے عہد میں دارالملکت دہلی میں مسندِ تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے اخذِ علم کیا[۱۶]۔

---

[۱۴] رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۱۸۳۔

[۱۵] تاریخ فیروز شاہی۔ قاضی ضیاالدین برنی، ص ۳۵۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶

[۱۶] تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷

۱۵۔ قاضی بہاء الدین اُوچی

آٹھویں صدی ہجری کے علمائے ہند میں شہر اُوچ کے قاضی بہاء الدین اُوچی کا اسمِ گرامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ فضل و صلاح میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ پنجاب کے علاقہ بہاول پور کے مشہور شہر اُوچ میں بساطِ تدریس بچھا رکھی تھی۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اخذِ علم کیا۔ اُوچ کے معروف عالمِ دین شیخ جلال الدین بن حسین بن احمد حسینی بخاری اوچی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شروع سے آخر تک تمام کتبِ درسیہ ان ہی سے پڑھیں [۱۷]۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے فقہ کی چوٹی کی کتاب ہدایہ بھی ان ہی سے پڑھی۔ انھوں نے اپنا ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا، جس کا نام ان کے نام کی مناسبت سے مدرسۂ بہائیہ تھا۔ اس مدرسے میں متعدد بلند پایہ علمائے کرام نے تعلیم حاصل کی۔

ان کے بارے میں مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں:

مولانا بہاء الدین قاضی میرے استاذ تھے۔ میں ان سے پڑھتا تھا۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے فرمایا: "سر اونچا کر کے سلام کیا کرو، کیونکہ سر نیچا کر کے سلام کرنا مکروہ ہے [۱۸]"

۱۶۔ امیر تاتار خاں دہلوی

امیر تاتار خاں دہلوی علم و فضل، تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ان کو خانِ اعظم کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے حالات مختلف کتابوں

---

[۱۷] نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۸۔ بحوالہ جامع العلوم۔

[۱۸] خطۂ پاک اُوچ، ص ۱۸۹۔ بحوالہ الدر المنظوم، ص ۳۶۔

میں درج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی میں سراج عفیف لکھتے ہیں:

نقل ہے کہ خانِ اعظم خدا کی درگاہ میں بندۂ مقبول اور بادشاہ کا دست گرفتہ تھا۔ صاحبِ سیف و قلم تھا۔ واضح ہو کہ یہ امیر باعتبار نسل ترک تھا۔ معتبر روایت ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت میں خراسان کے ایک صاحبِ جاہ و حشم فرماں روا نے ملتان اور دیپال پور پر حملہ کر کے اس نواح کو تاخت و تاراج کیا۔ یہ حملہ آور بادشاہ اپنی ایک بیوی پر، جو بے حد حسین و جمیل تھی، اس درجہ شیدا و فریفتہ تھا کہ اس کو اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ اس مہم میں یہ بیوی بادشاہ کے ہمراہ تھی اور حاملہ تھی۔ ملتان و دیپال پور کے علاقے میں قدم رکھتے ہی اس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس شب سلطان تغلق نے خراسانی لشکر پر شب خون مارا اور قتلِ عام شروع کر دیا۔ خراسانی لشکر نے شکست کھائی۔ ان میں سے ہر شخص نے راہِ فرار اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں اس بچے کو گہوارہ ہی میں چھوڑ گئے۔

سلطان تغلق کا لشکر ہر جانب مالِ غنیمت تلاش کر رہا تھا کہ ان کی نظر گہوارہ پر پڑی۔ گہوارہ مع بچے کے بادشاہ کے روبرو لایا گیا۔ سلطان تغلق نے اس نونائیدہ بچے کو دیکھ کر بے حد پسند کیا اور اس کی بیٹوں کی طرح پرورش شروع کی۔

سلطان تغلق نے اس لڑکے کو تاتار ملک کے نام سے موسوم کیا، جو اس عہد میں خورد سال تھا۔ بچہ جوان ہوا اور سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں مشہور زمانہ ہوا۔ یہ لڑکا دلاوری اور زور آزمائی اور شجاعت و بہادری میں یکتائے زمانہ ہوا اور محمد تغلق کے عہد حکومت میں لشکر کشی و فتوحاتِ ملکی میں نادرِ روزگار خیال کیا جانے لگا۔ اس نے اپنے زورِ بازو سے بہترین ممالک فتح کیے۔

معتبر روایت ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق، اس سے آزردہ ہوا اور اس نے اس امیر کو بُرے الفاظ سے یاد کیا اور اپنے سے جدا کر کے دور دراز علاقے میں بھیج دیا۔ وہاں سے تاتار ملک نے چند اشعار بادشاہ کے حضور بھیجے۔ سلطان محمد تغلق نے یہ اشعار پڑھ کر اس کی بے حد تعریف کی اور اس کو اپنے پاس بلا کر اس کی

بڑی تکریم کی۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس امیر کو تاتار خاں کا لقب عطا ہوا اور چتر قطیفہ کے عطیہ سے سرفراز کیا گیا۔ اس پر مستزاد نوازش یہ ہوئی کہ چتر کے اوپر بجائے ہمائے زریں کے، زریں طاس رکھا گیا۔ جو صرف سلاطین کے لیے مخصوص ہے۔

فیروز شاہ صحن گلبن کے محل میں دربار لگاتا اور بادشاہ کے دائیں جانب جو وزرا کے لیے مخصوص تھا، تاتار خاں کو جگہ عطا ہوئی اور بائیں جانب خاں جہاں مقبول کی جگہ مقرر ہوئی۔ اگرچہ خان جہاں مقبول وزیر تھا، لیکن بادشاہ کے دائیں جانب تاتار خاں ہی کو جگہ عنایت کی گئی۔ تاتار خاں کے انتقال کے بعد یہ جگہ خان جہان مقبول کو عطا کی گئی۔

فیروز شاہ تغلق کو تاتار خاں پر کلی اعتماد تھا اور وہ امورِ ملکی میں ہمیشہ تاتار خاں سے مشورہ لیا کرتا اور اس امیر کی رائے کے مطابق مہماتِ ملکی کا فیصلہ کرتا اور ان کی بابت احکام جاری کرتا۔ تاتار خاں بھی بادشاہ کا بہی خواہ اور خیر اندیش تھا اور عمدہ و سلیم فطرت کا مالک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بے شمار صفات سے آراستہ کیا تھا۔

تاتار خاں نے سفرِ حجاز بھی کیا اور حرمین شریفین کی زیارت اور سعادت حج سے بھی بہرہ اندوز ہوا۔ اس کی صحبت میں ہمیشہ علما و فضلا کا مجمع رہتا اور وہ اس پاک باز گروہ کی بہت تعظیم کرتا۔ تفسیر تاتار خانی جو بہترین اور مشہورِ زمانہ تفسیر ہے، اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔ اس نے ایک مفصل تفسیر مرتب کرنے کا ارادہ کیا، اس کے لیے تمام تفاسیر جمع کیں اور علما کی ایک جماعت کو جمع کر کے سب ائمہ تفسیر کے اختلافات نقل کر کے ہر آیت کے متعلق، تمام اقوال اپنی تفسیر میں جمع کیے۔ پھر اختلافاتِ مطالب کے سلسلے میں ہر مفسّر کی رائے اور تفسیر کا حوالہ دیا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس تفسیر میں تمام تفسیروں کا مواد جمع ہو گیا ہے۔ اس تفسیر کو اس نے تفسیر تاتار خانی کے نام سے موسوم کیا۔

اسی طرح اس نے ایک مجموعۂ فتاویٰ بھی مرتب کیا، جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے شہر دہلی کی تمام کتبِ فتاویٰ جمع کیں اور اس کے بعد خود ایک کتاب ترتیب دی، جس میں ہر مسئلے کے بارے میں مفتیانِ شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحبِ فتویٰ کی طرف منسوب کر کے، فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔

تاتار خاں علم شریعت میں مرتبہ عالی رکھتا تھا۔ وہ شریعت کے اتباع و تبحر سے طریقت اور طریقت سے علم حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔ اس امیر نے ان تینوں علوم کے نکات و معارف حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی۔

مختصر یہ کہ تاتار خاں عالم دین، حاجی، پرہیزگار اور احکام شریعت کا پابند تھا۔ امور شرع سے سرِمو تجاوز نہ کرتا اور سفر و حضر میں شریعت پر کاربند رہتا۔ جنگ کے لیے روانہ ہوتا تو دیگر امرا کی طرح عورتوں کو ساتھ نہ لے جاتا۔ غرض ہر معاملے میں احکام شریعت کی پابندی کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کی خوبیوں سے آراستہ کیا تھا۔ اس نے فیروز شاہ تغلق کے تخت نشین ہونے کے چند سال بعد وفات پائی۔[۱۹]

نزہۃ الخواطر میں مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے تاتار خاں کا جن الفاظ میں تعارف کرایا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے:

امیر تاتار خاں دہلوی ان معروف حضرات میں سے تھا جو فضل و صلاح اور ریاست و سیاست میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ابھی یہ ایک دن کا بچہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو ایک میدانِ جنگ میں گرا ہوا پایا اور اٹھا لیا۔ سلطان نے امارت و سیادت کی گود میں اس کی پرورش کی اور اس کو اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل کیا۔ پھر جب محمد شاہ تغلق سریر آرائے سلطنتِ ہند ہوا تو اس نے اس کو اپنا مقرب بنا لیا اور مناصبِ جلیلہ پر فائز کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

۱۹؎ تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف۔ (اردو ترجمہ) ص ۲۶۳ تا ۲۶۷۔

یہ امیر ارکانِ سلطنت میں سے ایک اہم رکن گردانا گیا - فاضل و عادل، شجاع و بہادر، سخی، بہترین اخلاق کا مالک، اونچے کردار کا حامل، شریعتِ مطہرہ کا سخت پابند اور ملوک و امرا کا شدید محاسبہ کرنے والا تھا - اللہ کے معاملے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتا اور نہ کسی کی توقیر کرتا - ایک مرتبہ مے نوشی کے سلسلے میں اس نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو ٹوک دیا تھا اور فیروز شاہ نے اس کو حصارِ فیروزہ کے مقام پر ایک جاگیر دے کر اپنے سے الگ کر دیا تھا - اسی طرح سلطان محمد شاہ تغلق اس سے ناراض ہو گیا تو اس نے محمد شاہ کو مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیجے:

وہ ندانم از کجا رنجیدۂ	بے سبب از دوستان ببریدۂ
بانگِ نے خوش می زند جانانِ من	نالہ بے چارگان نشیندۂ
در تو بارے ہرگز ایں عادت نبود	از طریقِ خود مگر گردیدۂ
گو گناہے کردہ ام مارا ببخش	زانکہ تو چندیں گنہ بخشیدۂ
از تتارِ خستہ باللہ العظیم	نیست جرمی بے سبب رنجیدۂ

سلطان محمد شاہ تغلق نے یہ اشعار پڑھے تو بہت خوش ہوا، اس کے مقام مرتبہ میں اضافہ کیا اور اس کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی - مگر وہ اس کے باوجود زیارتِ حرمین شریفین کے لیے چلا گیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوا -

اس امیر نے ایک تفسیر قرآن تصنیف کی جس کا نام تفسیر تاتارخانی رکھا - اسی کے حکم سے عالم بن علا دہلوی نے فتاویٰ تاتارخانیہ تصنیف کیا جو ایک بہت بڑا ذخیرہ علم فقہ ہے - تاتار خان نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں وفات ہوئی[۳۲]

قاضی ضیاء الدین برنی نے بھی اپنی کتاب "تاریخ فیروز شاہی" میں "ملوک فیروز شاہی" کے عنوان سے امیر تاتار خاں کی بہت تعریف کی ہے اور سلطان فیروز شاہ

---

[۳۲] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰-۱۹

تغلق کے امرا و ندما میں اس کو خاص اہمیت دی ہے۔ برنی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

ان امرا میں سے جن کو (سلطان فیروز شاہ تغلق کی) درگاہ عالی میں بہت زیادہ خصوصیت حاصل ہے، دوسرا امیر اعظم تاتار خاں بہادر بندۂ امیر المومنین ہے۔ خدا اس کی عزت دو بالا کرے۔ بادشاہ سے خلوص و ہوا خواہی اور اس کی خدمت میں وہ جملہ ملوک سے سبقت لے گیا ہے۔ شاہ عالم پناہ کے عواطف خسروانہ کی وجہ سے وہ نہایت بلند مرتبے پر فائز ہے اور بادشاہ کے دربار میں اس کو جو خصوصیت حاصل ہے، اس کا درجہ دوسرے جملہ ملوک کی خصوصیات سے بلند ہے۔ خان کے بلند مرتبہ کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ جو دنیاداری کا معدن و خزانہ ہے، وہ دینداری، عبادت گزاری، عفت و پاک نفسی، علم حدیث و فقہ سے دلچسپی اور قلبی لگاؤ، اصابت رائے اور لطافتِ طبع کے لحاظ سے بھی خوانین و ملوکِ سلف و خلف میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ وہ شخص جس نے دنیا کے ساتھ، دین کو بھی اپنی ذات میں جمع کر رکھا ہے، تاتار خاں ہے۔ اللہ اس کو تقویت بخشے[۱۲]

۱۷- قاضی تاج الدین کڑوی

قاضی تاج الدین بن شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد حسنی حسینی مدنی کڑوی اونچے مرتبے کے عالم و فقیہ اور اپنے زمانے کے مشہور شیخ تھے۔ شہر کڑہ کے قاضی تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے ان کو کڑہ سے بدل کر بدایوں بھیج دیا تھا اور ان کی جگہ ان کے بھتیجے رکن الدین بن نظام الدین کڑوی کو شہر کڑہ کے قاضی مقرر کر دیا تھا۔ بدایوں آنے کے بعد یہ تمام عمر وہیں رہے اور وہاں ان کی اولاد بھی ہوئی، اور اولاد بھی بدایوں ہی میں سکونت پذیر رہی اور سب نے علم و عمل کے میدان میں شہرت حاصل کی۔

قاضی تاج الدین کڑوی، سادات کڑہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس خاندان

---

۱۲ تاریخ فیروز شاہی - ضیاء الدین برنی - ص ۵۷۹

کے نیک اور پرہیزگار بزرگ تھے۔[۲۲]

قاضی ضیاءالدین برنی اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

ان سادات میں سے جن کے مبارک وجود سے اس علاقے کو عظمت و بزرگی حاصل ہوئی، ایک سید تاج الدین بن شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے اور یہ سید تاج الدین، بدایوں کے قاضیوں میں سے، سید قطب الدین کے والد اور سید اعزالدین کے دادا تھے۔ وہ برسوں اودھ کے قاضی رہے۔ سلطان علاءالدین خلجی نے ان کو اودھ سے علیحدہ کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ سید تاج الدین علیہ الرحمۃ والغفران بہت بزرگ سید تھے۔ ان سادات میں ہر ایک بزرگی، علم، بردباری، سخاوت اور دوسرے عمدہ اوصاف میں بے نظیر ہے۔[۲۳]

تذکرہ علمائے ہند میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔[۲۴]

۱۸- مولانا تاج الدین کلاہی

شیخ تاج الدین کلاہی، عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ سلطان علاءالدین خلجی کے عہد میں، دارالخلافہ دہلی میں مسندِ تدریس پر متمکن تھے۔ ان کا اندازِ تدریس عمدگی اور حسن و خوبی میں بہت مشہور تھا۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔[۲۵]

۱۹- مولانا تاج الدین مقدم دہلوی

شیخ تاج الدین مقدم دہلوی، علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ فقہ و اصول

۲۲ھ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۹ ۲۳ھ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاءالدین برنی ص ۳۴

۲۴ھ ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۳۔

۲۵ھ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاءالدین برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۹، ۲۰

اور علومِ عربیہ میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ عہدِ علاء الدین خلجی میں دہلی کی مسندِ تدریس پر فائز تھے۔ ان سے اخذِ علم کرنے والوں کی فہرست بہت وسیع ہے اور اس میں نہایت بلند مرتبہ حضرات شامل ہیں، جن میں شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی کا نام نامی بھی مرقوم ہے جو گلبرگہ میں مدفون ہیں۔ انھوں نے ان سے بعض کتب درسیہ پڑھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے علمائے کرام نے ان سے علمی استفادہ کیا۔[۲۶]

ج

۲۰۔ مولانا جلال الدین رومی

شیخ جلال الدین، علم و فضل میں درجۂ امامت پر فائز تھے سلسلۂ درس و افادۂ عام کے مشہور علما میں سے تھے۔ شیخ قطب الدین رازی سے اخذِ علم کیا جو شمسیہ کے شارح تھے۔ جب یہ روم سے ہندوستان آئے تو سلطان فیروز شاہ تغلق، تختِ ہند پر متمکن تھا۔ اس نے ان کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر دار السلطنت دہلی کے مدرسۂ فیروز شاہی میں ان کو مدرس مقرر کر دیا اور یہ طلبائے علم کو تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم پڑھانے لگے۔ اس اثنا میں ان سے بے شمار لوگوں نے فیوضِ علمیہ حاصل کیے، جن میں شیخ یوسف بن جمال ملتانی بھی شامل ہیں۔

شیخ جلال الدین رومی، جس مدرسے کی مسندِ تدریس پر فائز تھے وہ مدرسہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کیا تھا اور دہلی میں حوضِ علائی پر واقع تھا۔ اس کی چھت نہایت عمدہ تھی، صحن بہت وسیع تھا۔ طول و عرض اور خوب صورتی کے اعتبار سے کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اور اسلامی ہند کا یہ عظیم مدرسہ ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔[۲۷]

۲۶ھ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۰

۲۷ھ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۴

تاریخ فیروز شاہی کے مصنف قاضی ضیاء الدین برنی مدرسہ فیروز شاہی کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

"سلطان فیروز شاہ تغلق کی تعمیر کردہ عمارات میں دوسری عمارت مدرسہ فیروز شاہی ہے۔ یہ عجیب و غریب عمارت ہے جو حوضِ علائی پر تعمیر کی گئی ہے۔ مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت، اپنے گنبدوں کی بلندی، تعمیرات کی خوبی، صحنوں کے توازن نشست گاہوں کی لطافت، استعمال میں آنے والے کمروں اور ستونوں کی دلآویز قطاروں کی وجہ سے دنیا کی مشہور عمارتوں سے سبقت لے گئی ہے۔ یہ عمارت ایسی عجیب و غریب ہے کہ یہاں کے مقامی باشندوں اور سیاحوں میں سے جو شخص بھی اس مدرسہ میں آتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا جنت میں پہنچ گیا ہے اور فردوس میں مقیم ہے۔ اس میں داخل ہوتے ہی دل سے غم دور ہو جاتا ہے۔ مدرسے کی دلکش عمارتوں کو دیکھ کر مغموم لوگوں کے دل کھل جاتے ہیں۔ اس کے روح افزا نظارے سے خستہ جانیں شگفتہ ہو جاتی ہیں اور دیکھنے والے پرانے سے پرانے صدمے کو بھی بھول جاتے ہیں۔"

اس سے آگے وہ اس مدرسے کی تعلیمی خوبیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

"مولانا جلال الدین رومی جو ایک نہایت قابل استاذ ہیں، اس مدرسے میں علومِ دینی کا درس دیتے ہیں۔ وہ ہر وقت طالب علموں کو پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہر روز حفاظِ قرآن، قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ مسافروں اور طالب علموں کی تکبیریں پڑھنے کی آوازیں آسمان تک پہنچتی ہیں۔ موذن پانچوں وقت کی نمازوں کے لیے اذانیں دیتے ہیں اور بادشاہ اور جملہ مسلمانوں کے لیے باآواز بلند دعائیں کرتے ہیں۔ فیروز شاہ کے صدقات سے ان لوگوں کو وظائف و صدقات و انعامات برابر پہنچائے جاتے ہیں۔ عابد و زاہد ہوں یا طلبائے علم حفاظ ہوں یا نمازی، ذکر و فکر میں رہنے والے ہوں یا تہجد گزار غرض تمام بندگان خدا میں سے، جس نے بھی مدرسۂ فیروز شاہی کو اختیار کیا اور اس

سے منسلک ہوا، اس کو راحت و آسائش ملی ؎۔"

"دار الحکومت دہلی میں گزشتہ بادشاہوں کی تعمیر کی ہوئی اور بھی بہت سی عمارتیں موجود ہیں، لیکن جو خوب صورتی اور حسن و زیبائی مدرسہ فیروز شاہی میں ہے، وہ اور کسی عمارت میں نہیں دیکھی گئی ؎۲۸۔"

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے مولانا جلال الدین رومی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

مولانا جلال الدین رومی کہ بس اوستادے متفنن بود، ودائماً در منصب افادہ سبق علوم دینی در مدرسہ فیروز شاہی واقع دہلی در عہد فیروز شاہ پادشاہ می داد و متعلمان را ہموارہ تفسیر و حدیث و فقہ تعلیم می کرد ؎۲۹۔

۲۱- قاضی جلال الدین ولوالجی

قاضی جلال الدین ولوالجی، بہت بڑے عالم و فقیہ تھے اور درجہ مشیخت پر فائز تھے۔ فقہائے حنفیہ کے نامور علما میں سے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے منصب قضا پر متعین تھے۔ بہت عرصہ تک اس عہدۂ جلیلہ پر متمکن رہے۔

محمد بن مبارک حسینی کرمانی نے سیر الاولیا میں اس مناظرے کا ذکر بھی کیا ہے، جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں، شیخ نظام الدین اولیا اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان ہوا۔ یہ مناظرہ سماع سے متعلق تھا اور ارکان حکومت و صدور وقضاۃ، اس میں موجود تھے۔ اس سلسلے میں قاضی جلال الدین ولوالجی پیش پیش تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کا موقف یہ تھا کہ سماع جائز ہے لیکن قاضی جلال الدین ولوالجی اور اُن کے حامی اس کے مخالف تھے۔ قاضی موصوف نے بحث کا آغاز کیا اور گفتگو اگرچہ نصیحت آموز طریقے سے کی، لیکن شیخ کے بارے میں سخت نکیر و طعن

؎۲۸ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۵۶۳ تا ۵۶۶
؎۲۹ تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۱۔

کا اظہار کیا۔ اس انداز گفتگو پر شیخ کو غصہ آگیا اور فرمایا:

ان کنت تخاصمنی لسطوۃ الحکومۃ فانت معزول عنھا۔

کہ اگر آپ مجھ سے حکومت کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے جھگڑ رہے ہیں تو آپ اپنے اس منصب سے معزول ہو جائیں گے[۳۰]۔

چنانچہ وہ اس واقعہ سے بارہ دن بعد منصب قضا سے معزول ہو گئے۔

قاضی جلال الدین ولوالجی اور شیخ نظام الدین اولیا کے درمیان سماع کی حلت و حرمت کے موضوع پر مناظرہ کی تفصیلات شیخ نظام الدین کے حالات میں بیان کی گئی ہیں۔

۲۲۔ شیخ جلال الدین دہلوی

شیخ جلال الدین بن حسام الدین حنفی دہلوی بڑے عالم و صالح بزرگ تھے اور ساتھ ہی بہترین واعظ بھی تھے۔ علم و دیانت میں انتہائی شہرت کے مالک تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں تذکیر و موعظت میں ان کا جواب نہ تھا۔ وعظ میں علمی مسائل و نکات، خوف و خشیت الٰہی اور لطائف و ظرائف سب کچھ بیان کرتے، دل گداز نظمیں بھی پڑھتے۔ شیخ رکن الدین کی طرف سے ان کو یہ اجازت حاصل تھی کہ لوگوں کو اپنے حلقۂ بیعت میں داخل کریں۔ چنانچہ بیعت لیتے اور سجادۂ مشیخت پر بیٹھتے تھے[۳۱]۔

۲۳۔ شیخ جلال الدین اودھی

شیخ جلال الدین اودھی علاقۂ اودھ کے باشندے تھے۔ فقہ و اصول اور

---

[۳۰] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۳، نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۲

[۳۱] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۷، تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲، نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۳۔

علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ ایک عرصہ تک ان سے منسلک رہے۔ ان کے حکم سے بحث و اشتغال سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بہت بڑے فاضل اور کثیر الدرس تھے۔ لاتعداد حضرات نے ان سے علمی استفادہ کیا۔[۳۲]

۲۴۔ قاضی جلال الدین کاشانی

قاضی جلال الدین کاشانی، اپنے عصر کے مشاہیر فقہا میں سے تھے۔ سلطان معز الدین کیقباد کے عہد میں دہلی کے قاضی تھے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ان کو دہلی کے منصب قضا سے الگ کر کے بدایون کے قاضی مقرر کر دیا تھا۔ قاضی ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو جہاں بہت بڑے عالم و مفتی قرار دیا ہے وہاں فتنہ پرور بھی لکھا ہے ان کے والد کا نام قاضی قطب الدین کاشانی تھا۔[۳۳]

۲۵۔ قاضی جلال الدین کرمانی

قاضی جلال الدین علوی حسینی کرمانی، اپنے دور کے مشاہیر علما میں سے تھے۔ انھیں قاضی جلال الدین محمد کرمانی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں منصب صدارت پر فائز تھے۔ معقولات و منقولات کے بہت بڑے عالم تھے[۳۴] فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق

---

۳۲ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۳

۳۳ تاریخ فیروز شاہی برنی (اردو ترجمہ) ملاحظہ ہوں۔ صفحات ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۱۳ تا ۳۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۳۔

۳۴ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۴۔

ان کو تمام قضات پر ترجیح دیتا تھا اور اسی نے ان کو صدارتِ عظمیٰ پر فائز کر دیا تھا۔ بعد میں مملکتِ ہند کے تمام امورِ دینیہ ان ہی کے سپرد کر دیے تھے اور وہ خود کسی معاملۂ دینی میں دخل نہ دیتا تھا[۳۵]

قاضی ضیاء الدین برنی نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں ان کی بہت تعریف کی ہے۔ مرقوم ہے:

"ان بزرگوں میں سے، جن پر سلطان فیروز شاہ تغلق کی نوازشات انتہائی حد تک پہنچ گئی ہیں، ان میں تیسرے ملک السادات صدر الصدور جہاں جلال الحق والدین کرمانی ہیں۔ نسباً حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے ہیں۔ علوم معقولات و منقولات میں اپنے کمالات کے لحاظ سے غزالی اور رازیٔ عصر ہیں۔ بادشاہ کی مہربانی کی وجہ سے صدر الصدور جہاں جلال الحق والدین کا، جو علامۂ روزگار ہیں، مرتبۂ قضاء ان تمام قضات کے درجے سے بلند ہے جو دار الحکومت دہلی میں زمانۂ خلف و سلف میں اس عہدے پر فائز رہے ہیں۔ بادشاہ نے احکامِ شریعِ محمدی سے متعلق جملہ امور میں ان کو مختارِ کُل بنا دیا ہے۔ دہلی اور بلادِ مملکت کے تمام علما کے وظائف و انعامات متعین کرنے کے فرائض صدر الصدور ہی کے سپرد کر دیے گئے ہیں، اور ان کا انحصار دار القضاۃ ہی کی جاری کی ہوئی مثالوں پر ہے"[۳۶]

۲۶۔ شیخ جمال الدین مغربی

شیخ جمال الدین مغربی غرناطی بجائی، در اصل غرناطہ کے باشندے تھے، اسی لیے

---

[۳۵] نزہۃ الخواطر، ج ۲، صفحہ ۱۲۸، ۱۴۹

[۳۶] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۵۷۹، ۵۸۰۔ (نوٹ) یہاں صاحب نزہۃ الخواطر کو سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے قاضی جلال الدین کرمانی اور قاضی جلال الدین محمد کرمانی کو دو آدمی سمجھ لیا ہے اور دونوں کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۲۴ و ۱۴۸، ۱۴۹) حالانکہ یہ ایک ہی بزرگ ہیں۔

مغربی غرناطی کی نسبت سے مشہور تھے۔ اپنے والد کے ساتھ ہندوستان آئے، اور پھر یہیں متوطن ہو گئے۔ بہت بڑے فقیہ، طبیب اور ادیب تھے۔ مشہور سیاح محمد بن بطوطہ دہلی گیا تو ان سے بھی ملا، وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے:

"سیف الدین امیر عرب، بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس کا بے حد اکرام کیا اور سلطان جلال الدین کے محل میں، جو کوشک لعل کے نام سے مشہور ہے، اسے فروکش کیا۔ یہ محل بہت بڑا ہے۔ اس میں ایک طویل و عریض صحن ہے، اس کی دہلیز بہت اونچی ہے، اس دہلیز پر ایک برج ہے، جس سے اندر اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں۔ سلطان جلال الدین اس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں چوگان بازی دیکھا کرتا تھا۔"

"جب امیر سیف الدین کو اس محل میں ٹھہرایا گیا تو میں نے یہ محل دیکھا۔ سامان سے بھرا ہوا تھا، لیکن تمام چیزیں بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ ہندوستان میں دستور ہے کہ جب بادشاہ مر جاتا ہے تو اس کا محل چھوڑ دیتے ہیں اور نیا بادشاہ اپنے لیے علیحدہ محل تیار کرواتا ہے اور اس محل کی کوئی چیز اس کی جگہ سے نہیں ہٹاتا۔ یہ عبرت کا مقام تھا، میرے آنسو نکل آئے۔ فقیہ جمال الدین مغربی، غرناطی جو بچپن میں اپنے والد کے ساتھ ہندوستان آتے تھے، اس وقت میرے ساتھ تھے۔ انھوں نے یہ شعر پڑھا:

وسلاطینہم سل الطین عنہم فالرؤس العظام صارت عظاما[۳۷]

یعنی مٹی سے ان بادشاہوں کا حال پوچھو، جن کے بڑے بڑے سر ہڈیوں کا خول ہو گئے ہیں۔

۲۷۔ شیخ جمال الدین کوئلی

شیخ جمال الدین بن عبد اللہ بن نظام الدین ابو المؤید دہلوی ثم کوئلی بہت بڑے

۳۷۔ سفر نامہ ابن بطوطہ (اردو ترجمہ) ص ۵۹۶، ۵۹۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۴

عالم وفقیہ اور عابد وزاہد تھے۔ معرفت وطریقت میں بھی اونچے درجے کے مالک تھے۔ ان کا چشمۂ فیض جاری تھا، جس سے خلق کثیر نے اپنی علمی و روحانی پیاس بجھائی۔ عبادت گزار، پسندیدہ اخلاق کے حامل، مجاہد فی سبیل اللہ اور مقبول درگاہِ الٰہی تھے۔ کوئل [۳۸] میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے اخلاف میں متعدد بڑے بڑے حضرات پیدا ہوئے۔ اس عظیم المرتبت عالم و فقیہ نے دہلی میں وفات پائی اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔ بعد میں ان کے ورثا ان کی نعش نکال کر کوئل لے گئے تھے [۳۹]۔

۲۸- شیخ جمال الدین اُوچی

شیخ جمال الدین اوچی، جلیل القدر عالم اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ تعلیم طریقت شیخ صدرالدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے پائی اور طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ مرتبۂ کمال کو پہنچے اور پھر اپنے شیخ ہی کی اجازت سے اوچ تشریف لے گئے۔ اوچ میں سکونت اختیار کی اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے خلقِ کثیر کو علمی اور روحانی نفع پہنچایا۔ علی بن اسعد حسنی دہلوی جامع العلوم میں فرماتے ہیں، کہ شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری کہا کرتے تھے کہ شیخ جمال الدین اوچی ہمیشہ درس و افادہ میں مصروف رہے۔ وہ تمام علوم کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور ہدایہ، بزدوی، مشارق الانوار، مصابیح اور عوارف المعارف وغیرہ کتابوں کا درس دیتے تھے۔ کہتے ہیں، اثنائے درس میں جب کسی مسئلہ سے متعلق انھیں کوئی مشکل پیش آتی، تو تھوڑی دیر کے

---

[۳۸] ہندوستان کے جس مقام پر آج کل علی گڑھ واقع ہے اس کو زمانۂ قدیم میں کوئل کہتے تھے۔

[۳۹] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۳۔ بحوالہ اخبار الجمال۔

لیے سر جھکا لیتے۔ پھر سر اٹھاتے تو مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔
شیخ جمال الدین اوچی بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ ان میں ایک خوبی یہ تھی کہ مجلس میں آگے ہو کر بیٹھنے اور صدر نشین ہونے کی خواہش نہ کرتے۔ جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے، اگرچہ سب سے پچھلی صف میں لوگوں کی جوتیوں کی جگہ پر ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے، لیکن ان کا اپنا علمی، روحانی اور ذاتی مقام اتنا بلند تھا کہ جہاں بیٹھتے، صدر مجلس ہی ہوتے۔
اشغالِ باطنی کے باوجود لوگوں سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے اور موٹا کھسوٹا پہنتے۔ کہا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قسم کا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ بڑے زاہد و عفیف اور پاک طینت تھے۔ امرا و ملوک سے کسی نوع کا ہدیہ قبول نہ فرماتے۔ مگر عمر کے آخری دور میں اس میں تبدیلی پیدا کر لی تھی، اور امرا و ملوک کی طرف سے اگر تحائف پیش کیے جاتے تو قبول کر لیتے تھے۔ کہا کرتے کہ سلف صالحین کی اقتدا میں، اب میں امرا و حکام کی طرف سے بھی پیش کردہ تحائف و ہدایا قبول کرنے لگا ہوں۔ مگر جو کچھ کسی طرف سے آتا، اس کو گھر میں نہ رکھتے بلکہ اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیتے۔
شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری، جامع العلوم میں مزید فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبداللہ رافعی سے مکہ مکرمہ میں اور شیخ عبداللہ مطری سے مدینہ منورہ میں یہ کہتے سنا ہے کہ شیخ جمال الدین اس دور کی منفرد شخصیت تھے۔ علوِ مقامات اور تدین و اتقا میں فقید المثال تھے۔[۴۸]

۲۹- شیخ جمال الدین اودھی

شیخ جمال الدین خطۂ اودھ کے رہنے والے تھے۔ فاضل آدمی تھے اور علوم

---

[۴۸] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۴، ۲۵- بحوالہ جامع العلوم۔

میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ علم طریقت میں بھی ممتاز تھے۔ یہ علم انھوں نے شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کیا تھا اور طویل عرصہ ان کی ملازمت و انسلاک میں گزارا تھا۔ ان کے حکم سے بحث و مجادلہ سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ کثیر الدرس تھے۔ فقہ اور اصولِ فقہ میں بالخصوص ماہر تھے [۱]

ح

۳۰۔ شیخ حسین بن احمد بخاری اوچی مخدوم جہانیاں جہاں گشت

شیخ حسین بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری اوچی۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین لقب۔ شب برأت (۱۴ شعبان ۷۰۷ھ) کو بمقام اوچ پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ شروع سے آخر تک تمام کتابیں اوچ ہی کے ایک عالم دین قاضی بہاء الدین اوچی سے پڑھیں۔ قاضی بہاء الدین کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین کے پاس ملتان چلے گئے۔ وہاں شیخ موصوف کے حکم سے ان کے پوتے شیخ موسیٰ اور شیخ مجد الدین ملتانی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا اور ایک سال میں ان سے درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر واپس اوچ تشریف لے گئے۔ اوچ سے حرمین شریفین کا عزم کیا۔ مدینہ منورہ میں دو سال شیخ عفیف الدین عبداللہ مطری کی صحبت میں رہے اور ان سے عوارف المعارف کا درس لیا۔ مدینہ منورہ سے مصر اور عراق کا سفر کیا اور وہاں کے کبار مشائخ سے مستفیض ہوئے اور خرقۂ طریقت زیب تن فرمایا۔

علم و فضل میں درجۂ اجتہاد اور مرتبۂ امامت پر فائز تھے۔ محدث اور فقیہ تھے۔ اصول و فروع میں یکتائے زمانہ تھے۔ حنفی المسلک تھے اور فقہ

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۵، ۲۶۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ جواز و رخصت کے قائل نہ تھے۔ اگرچہ پکے حنفی تھے، مگر ان کے بعض مسلکی مختارات تھے۔ مثلاً امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے تھے۔

نہایت تیز ذہن، بہترین اخلاق کے مالک، عمدہ کردار کے حامل، فہیم و فریس، فطین و ذہین، خوش گفتار اور انشاء پرداز تھے۔ عذوبتِ بیان، حلاوتِ منطق اور متانت و شرافت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا علما و فضلا کی کثیر تعداد نے ان سے کسبِ فیض کیا۔ اس دور کے ہندوستان میں مسند مشیخت پر متمکن تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اس نے ان کو علاقہ سندھ کا شیخ الاسلام مقرر کر دیا تھا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق نے ان کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ وہ کئی مرتبہ اس کے عہد میں دہلی گئے۔ اٹھتر برس کی عمر پا کر ۷۸۵ھ میں بمقام اوچ وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے[۲۴]

۱۳۱۔ شیخ حسین بن محمد کرمانی

شیخ حسین بن محمد بن محمد حسینی کرمانی، شیخ قطب الدین دہلوی کے نام سے معروف تھے۔ نہایت صالح اور عالم شخص تھے۔ فضل و صلاح اور عبادت و زہد میں یگانۂ روزگار تھے۔ مولانا فخر الدین زرادی سے علم ظاہری حاصل کیا، اور شیخ نظام الدین اولیاء سے طریقت و تصوف کی تعلیم پائی اور

---

[۲۴] اخبار الاخیار، ص ۱۴۱ تا ۱۴۳۔ خطۂ پاک اوچ ص ۲۲۴ تا ۲۳۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۸ تا ۳۵، بحوالہ جامع البیان، خزینۃ الاولیاء و تذکرۃ السادۃ البخاریہ از سید علی اصغر گجراتی۔

ابتدائے حیات سے زمانۂ کہولت تک ان کی مصاحبت میں رہے۔ ان کے شاگرد اور کاتب تھے۔ ۷۲۲ھ میں سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے۔ وہاں سے پھر دہلی چلے گئے اور وہیں ۲۱ شعبان ۷۵۲ھ کو مرض فالج سے انتقال کیا۔[۴۳]

۳۲۔ شیخ حسین بن عمر غیاث پوری

شیخ حسین بن عمر عربی غیاث پوری ۶۰۸ھ کو غیاث پور میں پیدا ہوئے۔ صالح عالم دین تھے اور مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علم طریقت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ پھر ۷۰۲ھ میں دہلی سے گجرات چلے گئے، اور وہاں کے ایک شہر پٹن میں سکونت اختیار کر لی۔ علم فقہ میں کس درجہ مہارت رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پر حاشیہ تحریر کیا۔ جمادی الاخریٰ ۷۸۹ھ میں ایک سو تیس سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔[۴۴]

۳۳۔ مولانا حجت الدین ملتانی قدیم

مولانا حجت الدین ملتانی قدیم، فقہ و اصول، علوم عربیہ اور علم نحو کے ماہر علما میں سے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی میں درس و افادۂ عام میں مصروف تھے۔ علوم ظاہری کے علاوہ، علوم باطنی سے بھی تعلق تھا اور اس ضمن میں شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ مشائخ چشتیہ کے ناموں سے متعلق عربی میں ایک منظوم کتاب لکھی۔[۴۵]

۴۳ھ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۵، ۳۶۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

۴۴ھ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۶۔ بحوالہ مرأۃ احمدی و گلزار ابرار

۴۵ھ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۴۔

نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۶۔

۳۴ - مولانا حسام الدین ابن شادی

شیخ حسام الدین ابن شادی، عہدِ سلطان علاء الدین خلجی کے مشہور علما و اساتذہ میں سے تھے اور دہلی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔[۴۶]

۳۵ - مولانا حسام الدین سرخ

سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں جن علمائے کرام نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، ان میں مولانا حسام الدین سرخ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ دہلی میں مسندِ تدریس پر متمکن تھے۔ لاتعداد حضرات نے ان سے کسبِ علم کیا۔[۴۷]

۳۶ - مولانا حماد الدین کاشانی

شیخ حماد الدین بن عماد الدین کاشانی، حنفی، صوفی۔ عالم و فقیہ تھے اور مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علومِ ظاہری، انھوں نے شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی سے پڑھے اور طریقت کے لیے شیخ برہان الدین محمد بن ناصر ہانسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر پوری زندگی ان کی صحبت و ملازمت میں گزار دی۔ اپنی کتاب احسن الاقوال میں ان کے ملفوظات جمع کیے۔ اس کتاب کی تصنیف سے ۷۳۸ھ میں فارغ ہوئے۔ دولت آباد میں وفات پائی۔[۴۸]

۳۷ - شیخ حمید الدین دہلوی

شیخ حمید الدین دہلوی، عالم کبیر، فقیہ متدین، فاضل اجل اور محقق و مدقق تھے۔

---

[۴۶] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۶۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۶۔ [۴۷] ایضاً۔ نزہۃ الخواطر، ص ۳۷

[۴۸] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷۔

علامہ ابن کمال نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ علم فقہ پر اس درجہ عبور تھا کہ ہدایہ کی نہایت عمدہ اور بہترین شرح لکھی۔ ۷۶۴ھ میں فوت ہوئے۔ "تاجِ عصر" تاریخ وفات ہے[۴۹]

۳۸۔ مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں علمائے دین کی بہت بڑی جماعت دہلی میں مسندِ تدریس پر فائز تھی اور کثیر تعداد میں دور دراز علاقوں سے آکر لوگ ان کے علم و فضل کی فراوانیوں سے مستفیض ہوتے تھے۔ علمائے کرام کے اس خوش بخت گروہ میں مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی کا نام نامی بھی تذکروں میں مرقوم ہے۔ یہ اپنے دور کے عالم و فاضل شخص تھے[۵۰]

۳۹۔ شیخ دانیال بن حسن ستر کھی

شیخ دانیال بن حسن بن فضل بن عبد اللہ بن عباس بن یحییٰ بن فضل بن محمد بن فضل بن عبد اللہ بن عباس عباسی علوی ستر کھی۔ یہ علاقہ اودھ کے ایک شہر ستر کھ میں پیدا ہوئے، جو اعمال لکھنؤ میں واقع ہے اور وہیں پرورش پائی۔ وہاں سے بیانہ گئے۔ بیانہ میں قاضی عبد اللہ بیانوی سے تحصیل علم کی اور ان کی دختر نیک اختر سے نکاح کیا۔ پھر عازمِ دہلی ہوئے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی سے تعلیم طریقت حاصل کی۔ ایک عرصہ تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے اور علم و معرفت سے بہرہ ور ہوئے۔ دہلی سے پھر بیانہ تشریف لے گئے اور بیوی کو ساتھ لے کر اپنے شہر

---

[۴۹] حدائق الحنفیہ، ص ۲۹۱۔

[۵۰] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷

دستر کھ چلے گئے۔ نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے، ساتھ ہی فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

اس ہمہ اوصاف عالم کی موت عجیب طرح واقع ہوئی۔ اہلیہ محترمہ کے ساتھ بیانہ سے شہر سترکھ جا رہے تھے اور اس کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے کہ راستے میں رہزنوں کے جنگل میں پھنس گئے اور انھوں نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ حادثہ ۸۹۴ھ میں پیش آیا۔ وہاں سے جسدِ مبارک سترکھ منتقل کیا گیا اور وہیں مدفون ہوئے[۱۵۰]

۷۰۔ شیخ داؤد بن حسین شیرازی

شیخ داؤد بن حسین بن محمود بن محمد شیرازی۔ ان کا لقب زین الدین تھا۔ ۷۰۱ھ کو شیراز میں پیدا ہوئے اور صغر سنی ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر بھی کیا اور حج و زیارت سے بھی بہرہ مند ہوئے۔ پھر وارد ہند ہوئے۔ شیخ کمال الدین سامانوی سے لزوم و انسلاک اختیار کیا اور ان کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تحصیل علم میں مصروف ہو گئے، یہاں تک کہ فقہ، اصول اور علوم عربیہ میں بلند درجے پر پہنچے۔ بعد ازاں اپنے شیخ کمال الدین کے ساتھ دولت آباد کا قصد فرمایا۔ وہاں سکونت پذیر ہوئے اور ایک مدت تک درس و تدریس اور افادۂ عام میں مصروف رہے۔ نہایت نیک، عارف اللہ اور عابد و زاہد تھے۔

صوفیا کے شدید مخالف تھے اور ان پر سخت تنقید کرتے تھے۔ غنا اور وجد و سماع کو بہت غلط قرار دیتے تھے اور شیخ برہان الدین محمد بن ناصر ہانسوی کو مطعون گردانتے تھے۔ صاحب نفائس الانفاس شیخ رکن الدین کاشانی ان کے خیالات سے باخبر تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔ یہ ان کی مجلس

---

[۱۵۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۲۔ بحوالہ بحر زخار۔

میں گئے اور بعض نہایت دقیق علمی سوالات پیش کیے۔ شیخ برہان الدین ہانسوی بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ان سوالات کے تسلی بخش جواب دیے جن سے یہ نہ صرف مطمئن ہو گئے بلکہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کی بیعت کرلی۔ یہ ۷۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ پھر کچھ عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے اور ان پر معرفت و طریقت کے دروازے وا ہو گئے۔ شیخ بہاء الدین ہانسوی نے ۷۳۰ھ میں ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ ان کے علم و فضل اور زہد و ورع سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔ بروز اتوار ۲۵؍ ربیع الاول ستر سال کی عمر پا کر ۷۷۱ھ میں وفات پائی اور اپنے شیخ کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔[۵۲]

۱۴۔ قاضی رکن الدین کرڑوی

قاضی رکن الدین بن نظام الدین بن قطب الدین حسنی حسینی کڑوی، امام عصر اور حامل لوائے فقر تھے۔ ابھی کم عمر ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والد کی وفات کے بعد اپنے جدّ امجد شیخ قطب الدین کی گود میں تربیت پائی اور عمّ بزرگوار شیخ قوام الدین محمود دہلوی سے علم حاصل کیا۔ ان کے ایک اور عم محترم شیخ تاج الدین شہر کڑھ کے قاضی تھے۔ جب انھیں کڑھ کے محکمہ قضا سے علیحدہ کرکے بدایوں کے قاضی بنا کر بھیجا گیا تو ان کی جگہ سید رکن الدین کو قاضئ کڑھ مقرر کیا گیا۔ نہایت جلالت و وقار اور دبدبہ و طنطنہ کے مالک تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سخت پابند تھے۔ قاضی ضیاء الدین برنی نے اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں ان کی اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ان سادات میں سے جن کے مبارک وجود سے اس علاقے کو عظمت و بزرگی

---

۵۲ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۲ و ۴۳۔ بحوالہ روضۃ الاولیا۔ از سید غلام علی بلگرامی۔

حاصل ہوئی، سید تاج الدین پسر شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے اور یہ سید تاج الدین بدایوں کے قاضیوں میں سے سید قطب الدین کے والد اور سید اعزالدین کے دادا تھے۔ یہ برسوں اودھ کے قاضی رہے۔ سلطان علاء الدین نے ان کو اودھ سے علیحدہ کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ سید تاج الدین علیہ الرحمۃ والغفران بہت بزرگ سید تھے۔ ان سادات میں ہر ایک بزرگی، علم، بردباری، سخاوت اور دوسرے عمدہ اوصاف میں بے نظیر ہے"

"سید تاج الدین مذکور کے بھتیجے سید رکن الدین شہر کرّہ کے قاضی رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سید رکن الدین کو مجموعہ فضائل پیدا کیا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف کو سید تاج الدین اور سید رکن الدین رحمہما اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور شرائط قدم بوسی بجا لانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے ان بزرگوار سادات جیسے اوصاف حمیدہ اور ان جیسی خدا کی دی ہوئی جلالت و عظمت بہت کم دیکھی ہے۔"

ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ یہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے قاضی اور صاحب افتا عالم و فقیہ تھے۔[۵۳]

۴۲۔ قاضی رکن الدین کاشانی ملتانی

آٹھویں صدی ہجری کے ایک مشہور عالم و فقیہ قاضی رکن الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی ملتانی تھے۔ اکابر فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ شہر کوئل (موجودہ علی گڑھ) کے محکمہ قضا پر متعین تھے۔ ان کے بعد یہ عہدۂ جلیلہ حکومت اسلامی کے اختتام تک، بصورت وراثت ان کی اولاد میں، ایک کے بعد دوسرے بزرگ کو منتقل ہوتا رہا۔[۵۴]

---

۵۳ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۳۴۸ و ۳۴۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۳، ۴۴

۵۴ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۴۔ بحوالہ اخبار الجمال

۴۳ - مولانا رکن الدین سنامی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت میں، شیخ رکن الدین سنامی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ حنفی المسلک اور صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ان کی تدریسی مساعی سے دیارِ ہند اور دیگر ممالک کے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا۔[۵۵]

۴۴ - مولانا رکن الدین اندرپتی

شیخ رکن الدین اندرپتی، آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے مشہور اور نامور علما میں سے تھے۔ علم و فضل میں یکتا تھے اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ شیخ فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے۔ خود ان سے شیخ محمد بن مبارک حسین کرمانی، شیخ سراج الدین عثمان اودھی اور خلق کثیر نے علم حاصل کیا۔[۵۶]

۴۵ - شیخ رکن الدین ملتانی ظفرآبادی

شیخ رکن الدین بن ابوالفتح صدر الدین قرشی ملتانی ثم ظفرآبادی، فقہ و اصول اور تصوف و طریقت کے نامور و ممتاز علما میں سے تھے۔ بہت نیک اور پرہیزگار عالمِ دین تھے۔ جزئیاتِ مسائل پر بدرجہ غایت استحضار تھا۔ حقائقِ توحید و معرفت بیان کرنے میں ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ عرصہ تک درس و افادۂ عام میں مصروف رہے۔ پھر یہ سلسلہ ترک کر دیا اور اپنے والد مکرم شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے طریقہ سہروردیہ کے مطابق بیعت ہو کر تصوف و طریقت کی راہوں پر گام فرسا ہو

---

۵۵ - تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳ - تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۵ - نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵۔

۵۶ - نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵ - بحوالہ سیر الاولیا۔

ہوتے اور طویل مدت تک اپنے والد کی صحبت و ملازمت میں رہے، یہاں تک کہ معارفِ الٰہیہ میں بہرۂ وافر حاصل کیا اور اپنے والد کے بعد مسندِ مشیخت پر متمکن ہوئے۔ بعد ازاں خود اُن سے بھی ان کے لڑکے شیخ شمس الدین نے اخذِ فیض کیا۔ ۹ محرم ۷۹۶ھ میں وفات پائی [۵۷]

۴۶ - مولانا رکن الدین بدایونی

شیخ رکن الدین بدایونی، علم و فضل میں درجۂ اجتہاد اور مرتبۂ امامت پر فائز تھے۔ فقہ و اصول اور علومِ عربیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ علمِ فقہ، شیخ ابوالقاسم تنوخی سے حاصل کیا اور شیخ ابوالقاسم تنوخی نے یہ علم حمید الدین ضریر سے، انھوں نے کردری سے اور کردری نے صاحبِ ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی سے حاصل کیا۔ خود شیخ رکن الدین سے اپنے وقت کے معروف علمائے دین نے اخذِ فیض اور کسبِ علم کیا، جن میں شیخ سراج الدین ابوحفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے [۵۸]

ان کی تاریخِ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ یہ ہندوستان کے آٹھویں صدی ہجری کے بلند مرتبہ فقہائے کرام میں سے تھے۔

ز

۴۷ - مولانا زین الدین دہلوی

شیخ زین الدین دہلوی، حدیث و فقہ کے نامور علمائے ہند میں سے تھے۔ انھوں نے شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کی خدمت میں حدیث کی معروف کتاب صحیح مسلم بطور تحفہ پیش کی تھی اور ان سے شہر بہار میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا [۵۹]

---

[۵۷] اخبار الاخیار، ص ۶۳ تا ۶۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵۔ بحوالہ الانتصار

[۵۸] الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۸۴، (طبع مصر)۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵ و ۴۶

[۵۹] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۶۔ بحوالہ سیرت الشرف

۴۸- شیخ زین الدین اودھی

شیخ زین الدین بن عبدالرحمٰن کابلی دہلوی ثم اودھی، سرزمینِ اودھ میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی میں حصولِ علم میں مصروف ہو گئے اور اپنے عصر کے ممتاز اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ نصیرالدین محمود چراغِ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے۔ ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد طریقت و تصوف کے لیے ان ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مشہور عالمِ دین اور فقیہ تھے۔ شہر امیٹھی میں ان کے اخلاف میں سے بے شمار حضرات موجود ہیں[۶۰]۔

۴۹- قاضی زین الدین ناقلہ دہلوی

قاضی زین الدین ناقلہ دہلوی، عہد علاء الدین خلجی میں دارالملک دہلی کے مشہور اساتذۂ علوم میں سے تھے۔ حنفی المسلک تھے اور مختلف علوم میں مرتبۂ بلند پر فائز تھے[۶۱]۔

۵۰- قاضی زین الدین مبارک گوالیاری

قاضی زین الدین مبارک گوالیاری، اپنے وقت کے اونچے درجے کے فقیہ اور عالمِ دین تھے۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد میں شہر گوالیار کے منصبِ قضا پر فائز تھے[۶۲]۔

س

۵۱- قاضی سماء الدین دہلوی

قاضی سماء الدین دہلوی حنفی المسلک تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے مشہور علماء

۶۰؁ نزہۃ الخواطر، ج ۲، صفحہ ۴۶۔ بحوالہ البحر الزخار

۶۱؁ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۷

۶۲؁ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۴۳ و ۴۴۔

فقہا کی جماعت میں ہوتا تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت میں دہلی کی مسندِ قضا پر متعین تھے[۶۳]

۵۲۔ مولانا سراج الدین ثقفی دہلوی

شیخ سراج الدین ثقفی، بہت بڑے عالم اور ہندوستان کے مشہور فقہا میں سے تھے۔ فقہ، اصول اور علومِ عربیہ میں ماہر کامل تھے۔ شیخ ابوالقاسم تنوخی سے علمِ فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے حمید الدین ضریر سے، انھوں نے کردری سے اور کردری نے صاحبِ ہدایہ سے تحصیلِ علمِ فقہ کی۔ اور خود مولانا سراج الدین ثقفی دہلوی کے سامنے، شیخ سراج الدین ابوحفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی نے حصولِ فقہ کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیا[۶۴]

۵۳۔ شیخ سعید الدین قندھاری

شیخ سعید الدین کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سعید الدین بن نجم الدین ابراہیم بن محمد بن عبد السمیع بن شمسان بن علی سکران بن سید احمد کبیر قطب رفاعی قندھاری۔ یہ جلیل القدر عالم و فقیہ اور بڑے زاہد و متقی تھے۔ فضل و صلاح میں یگانۂ روزگار تھے۔ اپنے والد سے تحصیلِ علم کی۔ ہندوستان آئے اور قندھار میں سکونت اختیار کر لی جو اعمالِ دکن میں، علاقہ ناندیر میں ایک قریہ ہے۔ وہیں ۱۷ رجب ۷۳۶ھ میں وفات پائی[۶۵]

۵۴۔ شیخ سلیمان بن زکریا ملتانی

شیخ سلیمان بن شیخ بہاء الدین زکریا قرشی ملتانی، امام علم الدین ملتانی کے لقب

---

۶۳ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۴۲۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۹۔

۶۴ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۱۴۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۴۹۔

۶۵ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۹۔ بحوالہ مہر جہاں تاب

سے معروف تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے اور وہیں مہدِ علم و طریقت میں پرورش پائی۔ بڑے ہوئے تو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، بغداد اور عراق کے شہروں کا سفر کیا۔ اور ان علاقوں کے علمائے دین کی بڑی جماعت سے تحصیلِ علم کی۔ پھر ہندوستان واپس آگئے اور سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں وارد دہلی ہوئے سلطان نے ان کو اس نزاع و مناظرے کا حکم مقرر کیا تھا جو سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان ہوا تھا۔ شیخ نے اس کی اباحت کا فیصلہ دیا تھا۔ اس مسئلہ سے متعلق ان کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔ بڑے فاضل اور عالم بزرگ تھے۔ حدیث، فقہ، اصول اور علومِ عربیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے[۵۶۶]

۵۵۔ قاضی سماء الدین بجنوری

شیخ سماء الدین بن فخر الدین بن رکن الدین صدیقی بجنوری، ہندوستان کے شہر بجنور میں پیدا ہوئے۔ اور علوم و مشیخت کی گود میں تربیت کی منزلیں طے کیں۔ شیخ زین الدین سے جو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے، اخذِ فیض کیا۔ پھر عازمِ حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ شیخ قطب الدین مکی اور شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچی سے خرقۂ طریقت زیب تن کیا۔ تصوف و طریقت کے ساتھ ساتھ علمِ فقہ میں بھی کامل عبور رکھتے تھے۔ صاحبِ وجد و حال صوفی تھے۔ سماع کے قائل تھے۔ لکھنؤ کی ایک مجلسِ سماع میں بیٹھے تھے کہ غشی طاری ہوئی اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ ۲۲ ربیع الاوّل ۷۷۶ھ کا واقعہ ہے۔ قبر لکھنؤ میں ہے[۵۶۷]

---

۵۶۶ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۰۔ بحوالہ سیر الاولیاء خزینۃ الفوائد

۵۶۷ ایضاً۔ بحوالہ تذکرۃ الاصفیا۔

ش

۵۶۔ قاضی شرف الدین دہلوی

شیخ شرف الدین سرپاہی دہلوی، عہد علاء الدین خلجی کے مشہور علما میں سے تھے۔ فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے ممتاز عالم تھے۔ دہلی میں مسندِ تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے بے شمار حضرات نے اخذِ علم کیا[۶۸]

۵۷۔ مولانا شمس الدین باخرزی

شیخ شمس الدین باخرزی، عہدِ فیروز شاہ تغلق اور اس سے قبل کے علما و فضلا میں سے تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ دار الملک دہلی کی بساطِ تدریس پر فائز تھے۔ ان سے متعدد لوگوں نے کسب علم کیا[۶۹]

۵۸۔ مولانا شمس الدین ترک

سلطان علاء الدین خلجی کے دورِ حکومت میں ایک مشہور مصری محدث مولانا شمس الدین ترک مصر سے ہندوستان تشریف لائے۔ وہ حدیث کی چار سو کتابیں بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ ملتان آئے تو معلوم ہوا کہ سلطان نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ جمعہ کے لیے مسجد میں جاتا ہے۔ وہ محدث اور نہایت متدین اور متقی تھے۔ انھوں نے سلطان کے متعلق یہ سنا تو دہلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا، اور ملتان سے آگے نہ بڑھے۔ وہیں شیخ الاسلام صدر الدین کے بیٹے شیخ فضل اللہ کے پاس مقیم ہو گئے۔ وہاں انھوں نے حدیث کی ایک

۶۸۔ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۲۔

۶۹۔ تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ)، ج ۱، ص ۳۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۴۔

کتاب کی شرح لکھی اور بقول برنی "در مدح سلطان مبالغت نمودے" (سلطان کی مدح و تعریف میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا) - اس کے علاوہ انھوں نے فارسی میں ایک رسالہ سلطان کے لیے تحریر کیا جس میں یہ لکھا کہ میں مصر سے بادشاہ سے ملنے اور شہر دہلی میں قیام کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ خدا اور رسول کے احکام عام کرنے کے لیے دہلی میں علم حدیث کا درس جاری کروں اور مسلمانوں کو بد دیانت فقیہوں کی روایت پر عمل کرنے سے نجات دلاؤں۔

من از مصر خدمتِ پادشاہ و شہر دہلی کردہ بودم و تا از بہائے خدا تعالیٰ و مصطفےٰ را مذہب علم حدیث در دہلی ثابت کنم و مسلماناں را از عمل کردن روایتِ دانشمندان بے دیانت بسِطانم [۱]

لیکن جب میں نے سنا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھتا اور جمعہ میں نہیں جاتا تو اب میں ملتان ہی سے واپس جا رہا ہوں۔

اس رسالے میں مولانا شمس الدین ترک نے لکھا تھا کہ میں نے بادشاہ کی چند صفات ایسی سنی ہیں، جو "بادشاہانِ دیندار" کی خصوصیات ہیں اور کچھ باتیں وہ سُنی ہیں، جن کی "شاہانِ دیندار" سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ بادشاہ کی بہتر صفات اُن کے نزدیک یہ ہیں:

۱۔ "خواری و زاری و لا اعتباری و بے مقداری ہندواں"

یعنی وہ ہندوؤں کو خوار و بے حیثیت اور ذلیل و بے وقعت کر کے رکھتا ہے۔

اس صفت پر اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"آفریں اے بادشاہِ اسلام، بر ایں دین پناہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم"

اے بادشاہِ اسلام! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اس تحفظ پر شاباش۔!

۲۔ شنیدہ ام کہ غلہ و اقمشہ و اسباب چناں ارزاں کردہ کہ ہمر سوزنے برآں زیادت

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی، ص ۲۹۷ [۲] ایضاً

تصور ندارد۔

میں نے سنا ہے کہ اناج اور کپڑے اور دوسری چیزیں آپ نے اتنی ارزاں کر دی ہیں کہ سوئی کے ناکے کے برابر بھی اب ان کی قیمتیں بڑھانے کا تصور نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ کام اس درجہ سخت اور محنت طلب تھا کہ بہت سے بادشاہ از حد کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مسرت آمیز تعجب ہے کہ آپ نے یہ اہم کام کر دکھایا۔

۳۔ شنیدہ ام کہ جملہ مسکرات را پادشاہ بر انداختہ است، و فسق و فجور در کام فاسقاں و فاجراں از زہر تلخ تر شدہ۔

سنا ہے کہ بادشاہ نے تمام نشہ آور چیزوں کو (ملک سے) نکال باہر پھینکا ہے اور فسق و فجور، فاسق لوگوں کے کام و دہن میں زہر سے بھی زیادہ کڑوا ہو گیا ہے۔

اس پر بادشاہ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں۔

۴۔ شنیدہ ام کہ بازاریانِ اہل السوق را کہ اہل اللغت اند در سوراخِ موش در آوردہ۔

سنا ہے کہ بدکردار تاجروں کو آپ نے چوہوں کے بلوں میں گھسا دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں:

اب تاجروں میں "تعمیہ" (ذو معنی الفاظ استعمال کرنا یا خفیہ اشارات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا) "تلجیہ" (بات کی غلط تاویل کرنا اور جھوٹ بولنا) قطعی طور پر ختم ہو گیا ہے۔ اس بات کو کم اہم نہ سمجھو، اس لیے کہ تاجروں کے معاملے میں جو کامیابی آپ کو نصیب ہوئی ہے وہ آج تک کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ اے بادشاہ مبارک ہو۔ ان چار خوبیوں اور کارناموں کی وجہ سے تیری جگہ انبیا علیہم السلام میں ہے۔

اے بادشاہ، مبارکت باد کہ بدیں چہار عمل درمیان انبیا جائے تست۔

آگے لکھتے ہیں:

اب وہ باتیں سنو جو میرے علم میں اس نوعیت کی آئی ہیں کہ جن کو نہ خدا پسند کرتا ہے، نہ انبیا، نہ اولیا اور نہ کوئی موحد۔

۱۔ تم نے عہدۂ قضا، حمید ملتانی کے سپرد کر رکھا ہے جو دنیا دار آدمی ہے اور وہ شخص ہے کہ جس کے باپ دادا نے بھی سود کے سوا کبھی کچھ نہیں کھایا۔ تو قاضی کے دین کے بارے میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیتا اور احکامِ شرع سے تعلق رکھنے والے معاملات تم نے حریصوں، لالچیوں اور دنیا داروں کے حوالے کر دیے ہیں۔۔ اللہ اللہ! تو خدا کا خوف کر۔ قیامت کے دن تجھ میں اس گناہ کا خمیازہ بھگتنے کی ہرگز طاقت نہ ہوگی۔ یاد رکھ۔ قضا کی ذمہ داری، "نازک ترین اشغالِ دین" میں سے ہے۔

۲۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں، احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقیہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں، فقہ کی روایت پر عمل کریں، وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں ٹوٹنے لگتے۔

۳۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں، "دانشمند بدبخت سیاہ رو" مسجدوں میں بیٹھتے ہیں اور رشوت لے کر فتوے دیتے ہیں اور ان کی بد دیانتی کی خبریں قاضی کی وجہ سے تم تک نہیں پہنچتیں۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اور رسالہ دونوں اس ترک محدث سے بہاء الدین دبیر کے پاس پہنچے۔ اس نے کتاب تو سلطان کی خدمت میں پیش کر دی لیکن رسالہ اس کو نہیں پہنچایا، اور قاضی حمید الدین ملتانی کے ڈر سے اس کو چھپا لیا۔ سعد منطقی نے سلطان کو اس رسالہ کی اطلاع دی تو وہ بہاء الدین دبیر پر بہت خفا ہوا اور مولانا شمس الدین ترک کے واپس تشریف لے جانے پر سخت افسوس کا اظہار کیا[۱]۔

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۲۹۷ تا ۲۹۹۔

مولانا شمس الدین ترک کی جرأت، دلیری، حق گوئی اور صاف بیانی کا اندازہ کیجیے کہ وہ دورِ ملوکیت میں ایک مطلق العنان بادشاہ کو کس انداز بیباکانہ سے خطاب کرتے ہیں۔

اس گفتگو میں ان کی بعض باتیں اس امر کی غماز ہیں کہ وہ ہندوستان کے مخصوص حالات سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ ہندوؤں کے بارے میں انھوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کی تذلیل و توہین کے بارے میں جو الفاظ تحریر کیے ہیں وہ خصوصیت سے قابلِ غور ہیں۔ بہر حال اس کے باوصف، ان کے ایک ایک لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نہایت جری اور صادق القول عالمِ دین تھے۔

۵۹ مولانا شمس الدین گاذرونی

مولانا شمس الدین گاذرونی، بڑے عالم و فاضل تھے۔ عہد علاء الدین خلجی میں دار السلطنت دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ دہلی کی مسندِ تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے علما کی بہت بڑی تعداد نے تحصیل کی۔[۴۷۳]

۶۰۔ مولانا شمس الدین دمشقی

شیخ شمس الدین دمشقی ظاہری علوم کے بھی فاضل تھے اور باطنی علوم میں بھی مردِ کامل تھے۔ فقہ و اصول میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ تصوف و طریقت میں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کے فیض یافتہ تھے۔ شہر بہار میں فروکش تھے۔ عرصہ تک وہاں کے منصبِ قضا پر متعین رہے۔[۴۷۴]

۴۷۳ھ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۴۔

۴۷۴ھ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۴۔ بحوالہ سیرت الشرف۔

۶۱۔ مولانا شمس الدین تمر دہلوی

مولانا شمس الدین تمر دہلوی، ایک فاضل آدمی تھے اور عہدِ علاء الدین خلجی کے مشاہیر و اکابر علما میں سے تھے۔ دہلی میں تدریس و تعلیم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا[۷۵]۔

۶۲۔ مولانا شمس الدین دھارا سیوتی

شیخ شمس الدین بن عبدالرحمان خراسانی ہندی دھارا سیونی، خراسان کے ایک گاؤں دَوِتھمون میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد مکرم وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد علاقہ خراسان سے نکلے اور ہندوستان آ گئے۔ مدت تک سلسلۂ ملازمت میں منسلک رہے۔ پھر دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا سے ربط و تعلق پیدا ہو گیا۔ ان سے خوب استفاضہ کیا۔ دہلی سے عازمِ حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے مراجعت فرمائے ہند ہوئے اور ایک مقام پر جس کا نام دھارا تھا، سکونت اختیار کر لی۔ دھارا، علاقہ مالوہ کا ایک بڑا شہر ہے اور دھارا سیون، بلادِ دکن میں واقع ہے۔ "مہر جہاں تاب" میں ان کا مقامِ سکونت دھارا سیون تحریر کیا گیا ہے۔ اور "اخبار الاخیار" میں انھیں دھاری لکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وطن دھارا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا شہر دھارا سیون تھا۔ بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ ۷۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ قبر دھارا سیون میں ہے[۷۶]۔

---

[۷۵] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۵۔

[۷۶] اخبار الاخیار، ص ۱۱۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۶۔

۶۳-مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی

مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی نہایت صالح عالم دین تھے اور واعظین علم و معرفت میں سے تھے۔ ان کا شمار عہد علاء الدین خلجی کے ابتدائی دس سالوں کے مشہور مذکروں اور واعظوں میں ہوتا ہے۔ اپنے وعظوں میں خوف و خشیت الٰہی پر خاص طور سے زور دیتے۔ بہترین نظمیں پڑھتے۔ خود روتے اور سامعین کو رلاتے۔ وعظوں میں زیادہ تر قرآن مجید کی مختلف آیات کی تفسیر بیان کرتے۔ موعظت آموز واقعات اور سلوک و تصوف کی حکایات سناتے اور علمائے ربانیین کی باتیں لوگوں کے ذہن نشین کراتے۔ وہ صحیح اور سچے واقعات بیان کرنے والے واعظ تھے۔ ان کے وعظوں میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع ہوتا اور ان کی تقریر سن کر سامعین پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔[۵]

۶۴- شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی

شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی، عالم و فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ ساتھ ہی تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا اور مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ طریقت کے لیے شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ کی زندگی تک ان کی صحبت و ملازمت اختیار کیے رکھی۔ ان میں بڑی خوبی یہ تھی کہ قرأت و تجوید کے بھی ماہر تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت اس درجہ عمدگی سے کرتے کہ ایک ایک لفظ لوگوں کے دلوں میں اترتا جاتا۔ ان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے شیخ نظام الدین اولیا نے ان کو اپنا امام نماز مقرر کیا تھا۔ شیخ نظام الدین کی وفات کے بعد یہ دولت آباد چلے گئے۔ وہاں بہت مدت تک قیام پذیر رہے۔ اس اثنا میں ان سے خلق کثیر نے استفاضہ کیا۔ اس

---

[۵] تاریخ فیروز شاہی- برنی، ص ۳۵۳- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶- نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۹

طویل فہرست میں، ان کے لڑکے رکن الدین بھی شامل ہیں۔
دولت آباد سے واپس دہلی تشریف لے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔^۵۷۸

۶۵۔ مولانا شہاب الدین ملتانی

شیخ علامہ شہاب الدین ملتانی، حنفی المسلک تھے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہرین میں سے تھے۔ ان کا شمار عہدِ علاء الدین خلجی کے ان کبار اور مشہور اساتذہ میں ہوتا ہے جن کا اوڑھنا بچھونا ہی دار الملک دہلی میں درس و تدریس تھا۔ ان کے چشمۂ علم سے علما و طلبا کی بہت بڑی تعداد نے سیرابیٔ ذہن و فکر کا سامان فراہم کیا۔ جب سلطان غیاث الدین تغلق نے سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا کو بحث و مناظرہ کے لیے اپنے دربار میں طلب کیا اور اس مسئلہ سے متعلق مباحثہ کی غرض سے صدور اور قضات و فقہا کی ایک جماعت سلطان کی خدمت میں پہنچی تو ان میں شیخ شہاب الدین ملتانی بھی شامل تھے۔ لیکن دوسرے علما کی طرح، انھوں نے شیخ نظام الدین سے کسی قسم کا مجادلہ و مخاصمہ نہیں کیا۔ بحث ختم ہونے تک چپ چاپ مجلس میں بیٹھے اور لوگوں کی باتیں سنتے رہے۔^۵۷۹

۶۶۔ شیخ شہاب الدین زاہدی میرٹھی

شیخ شہاب الدین بن فخر الدین زاہدی میرٹھی، حق گو کے نام سے مشہور تھے اور سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد کے عالم دین تھے۔ جہاں یہ چوٹی کے عالم و فقیہ تھے وہاں ان کا شمار اپنے دور کے کبار مشائخ کی جماعت میں بھی ہوتا تھا۔ علم طریقت اپنے والد ماجد شیخ فخر الدین میرٹھی سے حاصل کیا اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت سے

---

۵۷۸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۹۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

۵۷۹ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۹، ۶۰۔

مستفیض ہوتے رہے۔ بعد ازاں دہلی چلے گئے تھے۔

محمد بن حسن منڈوی نے گلزار ابرار میں ان سے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں، سلطان محمد شاہ تغلق نے ان سے ایک دن کہا کہ جس طرح سلسلۂ ولایت منقطع نہیں ہوا، اسی طرح سلسلۂ نبوت میں بھی کسی نوع کا انقطاع نہیں واقع ہوا۔ یہ دونوں سلسلے باقاعدہ جاری ہیں۔ بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر شیخ شہاب الدین زاہدی غصے میں آگئے اور اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ عالمِ غیظ و غضب میں پاؤں سے جوتی اُتاری اور بادشاہ کے منہ پر دے ماری۔ ظاہر ہے یہ بادشاہ کی سخت توہین تھی۔ وہ نہایت غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ ان کو قلعے کی دیوار سے نیچے خندق میں پھینک دیا جائے۔ بادشاہ کے حکم سے انھیں قلعے کی دیوار سے خندق میں پھینکا گیا مگر مرے نہیں۔ دوسری مرتبہ پھر پھینکا گیا۔ لیکن اب بھی موت واقع نہ ہوئی تو تیسری مرتبہ پھینکا گیا اور زندگی ختم ہوگئی۔[۸۵]

ص

۶۷۔ شیخ صدر الدین کُہرانی دہلوی

شیخ صدر الدین کہرانی دہلوی، عابد اور صالح بزرگ تھے۔ ابن بطوطہ نے ان سے بھکر میں ملاقات کی۔ وہ ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

ومنھم الشیخ الصالح العابد صدر الدین الکُھرانی وکان یصوم الدھر ویقوم اللیل، وتجرد عن الدنیا جمیعا و نبذھا، ولباسہ عباءۃ، ویزورہ السلطان واھل الدولۃ وربما احتجب عنھم، فرغب السلطان منہ ان یقطعہ قری یطعم منھا الفقراء والواردین، فابی ذٰلک، وزارہ یوما فاتی الیہ بعشرۃ

۸۵۔ گلزار ابرار۔ از محمد بن حسن منڈوی۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۱

الألف دینار، فلم یقبلها۔[۵۸۱]

یعنی (دہلی میں جن بزرگانِ دین اور علمائے کرام سے) میں ملا، ان میں ایک عالم شیخ صدر الدین کہرانی ہیں، جو صائم الدہر اور قائم اللیل ہیں۔ انھوں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ ان کا لباس صرف ایک کمبل ہے۔ بادشاہ اور ارکانِ حکومت ان کی زیارت کو آتے ہیں، مگر وہ ان سے چھپتے ہیں۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ان سے لنگر خانے کے فقیروں اور مسافروں کے اخراجات کے لیے کچھ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ایک دن بادشاہ زیارت کی غرض سے آیا اور دس ہزار دینار پیش کیے مگر شیخ نے قبول نہ کیے۔

۶۸- شیخ صدر الدین بھکری

شیخ صدر الدین بھکری سندھی، مسلکاً حنفی تھے۔ علم فقہ میں درجۂ امامت پر فائز تھے۔ ۷۴۰ھ میں بھکر میں فوت ہوئے۔ ابن بطوطہ اپنی سیاحتِ ہند کے دوران میں بھکر آیا تو اُن سے اس کی ملاقات ہوئی تھی، جس کا اس نے اپنے سفر نامہ میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

ولقیت بهذه المدینة الفقیه الامام صدر الدین الحنفی۔[۵۸۲]

یعنی میں اس شہر (بھکر) میں امام صدر الدین فقیہ حنفی سے ملا۔

۶۹- مولانا صدر الدین تاری

شیخ صدر الدین تاری، علم و فضل کے اعتبار سے مسندِ مشیخت پر فائز تھے۔ فقہ و اصول اور علومِ عربیہ کے ماہر علما میں سے گردانے جاتے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں، دار الخلافہ دہلی میں بساطِ تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے بے شمار

---

۵۸۱ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۲۹ ۵۸۲ ایضاً، ص ۱۰۔

اہلِ علم نے استفادہ کیا اور علوم میں مہارت پیدا کی[۵۳]

۷۰- مولانا صدر الدین گندھک

عہدِ علاء الدین خلجی کے مشہور علما میں سے مولانا صدر الدین گندھک کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ دہلی میں مسندِ تدریس پر فائز تھے اور ان کا شمار اس دَور کے کبار اساتذہ کی جماعت میں ہوتا تھا۔ ان سے جن حضرات نے علمی استفادہ کیا، ان کی فہرست بہت طویل ہے[۵۴]

ض

۷۱- قاضی ضیاء الدین برنی

قاضی ضیاء الدین برنی کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ضیاء الدین بن مؤید الملک بن بارسگ برلاس برنی علم و فضل کی تمام شاخوں پر عبور رکھتے تھے اور مشاہیر علما و فضلا میں سے تھے۔ حدیث، فقہ، تاریخ اور شعر و شاعری پر پوری دسترس تھی۔ اور سیاستِ مدن کے خصوصیت سے ماہر تھے۔ وسعتِ مطالعہ، انشا پردازی اور ادبیت میں اس دَور کا کوئی شخص ان کا حریف نہ تھا۔ امیر خسرو، امیر حسن اور قاضی ضیاء الدین برنی کے درمیان گہری محبت اور بے پناہ دوستی تھی۔ یہ تینوں دوست روزانہ جمع ہوتے اور کسی مصرع طرح پر شعر و شاعری کرتے۔ ان میں قاضی ضیاء الدین برنی وہ شخص تھے جن کو شعر و شاعری کے علاوہ اخبار و آثار اور گزشتہ تاریخی واقعات بھی ازبر تھے۔ وہ تاریخی واقعات بڑے شوق سے بیان کرتے اور مسلسل بیان کرتے جاتے۔ اس کے علاوہ فہیم، سخی، عفیف، پرہیزگار، امین، بلند سیرت، خوش اخلاق

---

[۵۳] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۶۳۔ [۵۴] ایضاً۔

الفاظ و محاورہ کے استعمال میں بے نظیر اور عذوبت لسان کے مالک تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کے مریدین و اصحاب میں سے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں تاریخ فیروز شاہی ایک مستند اور اپنے موضوع کے بارے میں مکمل کتاب ہے۔ یہ کتاب سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے لے کر سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے تک کے آٹھ بادشاہوں کے کوائف و حالات کو محیط ہے، جن کی مدت حکومت (۱۲۶۶ء سے ۱۳۵۸ء تک) پچانوے سال بنتی ہے۔ اپنے موضوع میں یہ عدیم المثال کتاب ہے اور ان شاہان ہند کے حالات میں قابل اعتماد ماخذ ہے۔ اس میں سلاطین ہند کے سوانح حیات کے علاوہ ان میں سے ہر ایک کے دور کے علما و فضلا، محدثین و فقہا، مشائخ و مفسرین، واعظین و مقررین، مجاذیب صوفیا، قضات و مصنفین، مبلغین و مدرسین، شعرا و ادبا، اساتذہ و تلامذہ، مرشدین و مریدین سب کے حالات ضروری تفصیل اور مناسب انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف سے وہ ۷۵۸ھ میں فارغ ہوئے۔

شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ضیاء الدین تین ہیں۔ ایک ضیاء الدین سنامی، جو منکر شیخ ہیں، دوسرے ضیاء الدین برنی، جو معتقد و مرید شیخ ہیں، تیسرے ضیاء الدین نخشبی، جو نہ منکر شیخ ہیں نہ معتقد شیخ۔[۵۸۵]

۷۲۔ قاضی ضیاء الدین بیانوی

قاضی ضیاء الدین بیانوی، سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے مشہور قضات میں سے تھے۔ یہ پہلے دہلی کے قاضی تھے، پھر قاضی القضات مقرر کیے گئے اور مدت تک اس عہدۂ جلیلہ پر متعین رہے۔ یہ اگرچہ مختلف علوم سے آراستہ تھے لیکن حشمت و دبدبہ سے محروم تھے۔[۵۸۶]

---

۵۸۵ اخبار الاخیار، ص ۱۰۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۹۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۹۔

۵۸۶ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۲۸۹، ۳۵۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۵۔

۷۳۔ قاضی ضیاء الدین سمنانی

قاضی ضیاء الدین سمنانی، سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں دہلی کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کو بادشاہ نے شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام خراسانی کی داڑھی نوچنے کا حکم دیا تھا اور انھوں نے اس حرکتِ مذمومہ کے ارتکاب سے انکار کر دیا تھا۔

یہ سارا واقعہ محمد ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں درج کیا ہے۔ جی چاہتا ہے اسی کے الفاظ میں یہ واقعہ یہاں بھی نقل کر دیا جائے۔

وكان الشيخ شهاب الدين ابن شيخ الجام الخراساني الذي تنسب مدينة الجام بخراسان الى جده على ما قصصنا ذلك من كبار المشائخ الصلحاء الفضلاء وكان يواصل اربعة عشر يوماً وكان السلطانان قطب الدين وتغلق يعظمانه ويزورانه ويتبركان به، فلما ولي السلطان محمد اراد ان يخدم الشيخ في بعض خدمته فان عادته ان يخدم الفقهاء والمشائخ والصلحاء، محتجا ان الصدر الاول رضي الله عنهم لم يكونوا يستعملون الا اهل العلم والصلاح فامتنع الشيخ شهاب الدين من الخدمة، وشافهه السلطان بذلك في مجلسه العام، فاظهر الاباية والامتناع، فغضب السلطان من ذلك، وامر الشيخ الفقيه المعظم ضياء الدين السمناني ان ينتف لحيته - فابى ضياء الدين ذلك وقال لا افعل هذا، فامر السلطان ان ينتف لحية كل واحد منهما. فنتفت، ونفي ضياء الدين الى بلاد التلنك ثم ولاه بعد مدة قضاء ورنكل، فمات بها، ونفي شهاب الدين الى دولت اباد فاقام بها سبعة اعوام، ثم ارسل اليه فاكرمه وعظمه وامر الامراء ان ياتوا السلام عليه ويمتثلوا اقواله ولم يكن احد في

دارالسلطان فوقہ۔[۵۸۷]

یعنی شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام خراسانی، خراسان کے ایک شہر جام کے باشندے تھے۔ یہ وہ شہر ہے جو اُن کے دادا جام کی طرف منسوب ہے۔ جیساکہ ہم نے بیان کیا، شیخ شہاب الدین کبار مشائخ اور صلحا و فضلا میں سے تھے۔ (مہینے میں) چودہ دن روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ اور سلطان غیاث الدین تغلق ان کی تعظیم کرتے، ان کی زیارت کو جاتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہوا تو اس نے شیخ سے اپنی کچھ ذاتی خدمات لینا چاہیں، کیونکہ اس کی عادت یہ تھی کہ وہ فقہا و مشائخ اور صلحا کو اپنی ذاتی اور نجی خدمات پر مامور کرنے کا خواہاں رہتا اور اس کی دلیل یہ دیتا کہ صدرِ اول میں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہلِ علم و اہلِ صلاح کے سوا کسی سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے[۵۸۸] لیکن شیخ شہاب الدین نے اس کی خدمت گزاری سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے دربارِ عام میں براہِ راست گفتگو کرتے ہوئے ان سے یہی بات کہی تو انھوں نے پھر انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اس انکار پر سخت خفگی کا اظہار کیا اور غصے میں آگر شیخ و فقیہ معظم ضیاء الدین سمنانی کو ان کی داڑھی کے بال نوچنے کا حکم دیا مگر شیخ ضیاء الدین سمنانی نے انکار کر دیا اور کہا میں اس حرکت کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ اب بادشاہ نے ان دونوں کی داڑھیاں نوچنے کا حکم دیا اور وہ نوچی گئیں۔ اس واقعہ کے نتیجے میں شیخ ضیاء الدین سمنانی کو تو تلنگانہ کی طرف نکال دیا اور کچھ مدت کے بعد ان کو ورنگل کا قاضی مقرر کر دیا، اور وہ وہیں فوت ہوئے۔ مگر شیخ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا۔ وہ سات سال تک وہاں رہے۔ پھر ان کو واپس بلا لیا۔ ان کی انتہائی تکریم کی اور عاملوں سے بقایا وصول کرنے کے محکمے کا دیوان مقرر کیا۔ بعدازاں ان کی مزید عزت افزائی یہ کی کہ امرائے مملکت کو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرنے اور ان کے احکام ماننے کا حکم دیا۔ اب سلطان کے دربار میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص قابلِ احترام اور لائقِ اعتماد نہ تھا۔

اس کے بعد ابن بطوطہ لکھتا ہے:

---

۵۸۷ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۸۶ و ۸۷۔

۵۸۸ ان کی حیثیت نجی خدمات کی نہیں تھی بلکہ اہم قومی نوعیت کی خدمات کی تھی۔

"جب بادشاہ دار الخلافہ (دہلی) کی طرف آیا تو شیخ شہاب الدین نے شہر سے سات میل باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ بادشاہ نے اُن کی بہت تعظیم کی اور گلے لگ کر ملا۔ پھر شیخ شہاب الدین اپنے غار کی طرف واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد اس نے شیخ کو پھر بلا بھیجا۔ شیخ نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ بادشاہ نے مخلص الملک ندرباری کو جو امرائے عظام میں سے تھا، ان کے پاس بھیجا۔ اس نے نہایت نرم اندازِ گفتگو سے ان کو بادشاہ کے غضب سے ڈرایا مگر شیخ نے فیصلہ کن اسلوب میں جواب دیا کہ میں اس ظالم بادشاہ کے پاس ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"مخلص الملک ناکام ہو کر بادشاہ کے پاس گیا اور شیخ کی گفتگو سے اس کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ کو پکڑ کر اُس کے پاس لایا جائے۔ چنانچہ انھیں پکڑ کر جبراً اس کے سامنے لایا گیا۔"

بادشاہ نے شیخ سے پوچھا "تو مجھے ظالم کہتا ہے؟"

شیخ نے جواب دیا۔ "تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں"۔ اس ضمن میں شیخ نے دہلی کے اُجاڑنے اور وہاں کے باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے تلوار نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اس سے کہا: "مجھے ظالم ثابت کرو اور میری گردن اس تلوار سے اڑا دو"۔

شیخ شہاب الدین نے کہا، "جو شخص آپ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا وہ خود قتل کیا جائے گا، لیکن آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ تو ظالم ہیں"۔

بادشاہ نے شیخ کو ملک نکیبہ دوادار کے حوالے کیا۔ اس نے ان کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈالیں اور دونوں ہاتھوں کو ہتھکڑیوں میں جکڑا۔ پورے چودہ دن شیخ نے نہ کچھ کھایا، نہ کچھ پیا۔ ہر روز دیوان خانہ میں لائے جاتے۔ فقہا و مشائخ کے سامنے ان سے کہا جاتا کہ اپنی بات واپس لے لیں۔ مگر وہ یہی جواب دیتے کہ "میں اپنی بات واپس نہیں لوں گا۔ میں شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں"۔

چودھویں دن بادشاہ نے شیخ کو مخلص الملک کے ہاتھ کھانا بھجوایا لیکن شیخ

نے کھانے سے انکار کیا اور کہا "میرا رزق، زمین سے اُٹھ گیا ہے۔ بادشاہ کا کھانا اس کے پاس واپس لے جاؤ۔"

بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ ان کو ڈیڑھ سیر گوبر کھلایا جائے۔ اس کام پر ہندو کافر مقرر ہوئے۔ انھوں نے شیخ کو چت لٹایا اور ان کا منہ قلابوں سے کھول کر پانی میں گوبر ملا کر پلایا۔ دوسرے دن شیخ کو قاضی کمال الدین صدر جہاں کے پاس لے جایا گیا اور وہاں تمام علما و فقہا اور امراو معززین نے ان کو سمجھایا اور با انداز نصیحت اپنے قول سے رجوع کرنے کی درخواست کی۔ مگر شیخ برابر انکار کرتے رہے۔ بالآخر بادشاہ کے حکم سے ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا —— ابن بطوطہ کہتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، انھیں ۷۴۱ھ میں قتل کیا گیا۔

وکانت وفاتہ علی ما اظن فی سنۃ احدیٰ واربعین وسبع مائۃ۔

بہر حال قاضی ضیاء الدین سمنانی وہ بے باک اور جرأت مند فقیہ ہیں جن کا ذکر ابن بطوطہ نے شیخ شہاب الدین جامی خراسانی کے سلسلے میں کیا ہے۔

ظ

۷۴۔ مولانا ظہیر الدین بھکری

مولانا ظہیر الدین بھکری سندھی کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے ان مشاہیر افاضل میں ہوتا ہے، جن کے علم و فضل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور جن کی علمی تحقیق و کاوش پر کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ نحو، لغت، فقہ اور اصول میں ان کے عہد میں، ان کا کوئی حریف نہ تھا اور کوئی ایسا شخص نہ تھا، جو ان علوم میں ان سے زیادہ معلومات کا حامل ہو۔ ان سے طالبانِ علم کی بہت بڑی تعداد نے استفادہ کیا، جن میں شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی ایسے یگانۂ روزگار فاضل خصوصیت سے لائقِ تذکرہ ہیں۔ انھوں نے ان سے فقہ اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا ظہیر الدین بھکری[۵۹]

---

[۵۹] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۶

سلطان علاء الدین خلجی کے زمانۂ حکومت کے عالمِ دین تھے۔

۷۵ مولانا ظہیر الدین لنگ دہلوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں جن علمائے دین کی دارالسلطنت دہلی میں، بساطِ تدریس آراستہ تھی، ان میں مولانا ظہیر الدین لنگ کو علمی اعتبار سے بلند مقام حاصل تھا۔ یہ دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ ان سے بے شمار تشنگانِ علوم نے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ سلطان علاء الدین خلجی، ان کی انتہائی عزت کرتا تھا اور ان سے اس درجہ قرب و انسلاک رکھتا تھا کہ ان کو تکریم سے دسترخوان پر بلاتا اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوتا تھا[۹]

ع

۷۶۔ مولانا عالم بن علا اندرپتی

شیخ و امام عالم کبیر فرید الدین عالم بن علا اندرپتی حنفی المسلک تھے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر و باکمال علما میں سے تھے۔ انھوں نے ۷۷۰ھ میں زاد السفر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو مسائل فقہ پر محیط تھی اور وہ کتاب امیر تاتار خاں کے نام پر فتاویٰ تاتار خانیہ کے نام سے موسوم کی گئی۔ اس وقت ہندوستان میں فیروز شاہ تغلق داد حکمرانی دیتا تھا۔ یہ بادشاہ علم و علما کا بہت قدر دان تھا اور مسائل فقیہہ سے انتہائی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس بہترین اور ضخیم کتاب کا انتساب اس کے نام سے کیا جائے۔ لیکن مصنفِ کتاب مولانا عالم بن علا اس پر آمادہ نہ ہوئے کیونکہ ان کے اور امیر تاتار خاں کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے اور امیر تاتار خاں بڑا ذی علم اور علما و مصنفین کا قدر دان تھا۔ اس کے اور مولانا عالم بن علا اندرپتی کے

---

[۹] تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۳۴۹، ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۷۔

درمیان، تعلق و روابط کی اصل وجہ بھی اشتراکِ ذوقِ علمی تھا۔

کشف الظنون میں، حاجی خلیفہ نے، اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے مصنف مولانا عالم بن علا کا بھی! - حاجی خلیفہ کے الفاظ یہ ہیں:

تاتارخانیہ فی الفتاوی للامام الفقیہ عالم بن علاء الحنفی وھو کتاب عظیم فی مجلدات[۹۱]

یعنی تاتارخانیہ، فتاوی کے سلسلے میں ہے جو امام و فقیہ عالم بن علا حنفی کی تصنیف ہے اور ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ کتاب خانِ اعظم تاتارخاں کے ایما و اشارہ سے معرضِ ترتیب میں لائی گئی۔ یہ کتاب کسی نام سے موسوم نہ تھی، اس لیے تاتارخانیہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ درحقیقت اس کتاب کے تین نام تھے، فتاویٰ تاتارخانیہ، زاد المسافر فی الفروع اور زاد السفر۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کی تصریح کی ہے۔ لیکن اس نے شہرت فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے پائی۔

حاجی خلیفہ نے مولانا عالم بن علا کا سالِ وفات ۷۸۶ھ لکھا ہے، جو یا تو کتابت کی غلطی کا نتیجہ ہے یا حاجی خلیفہ سے سہو ہوگیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا سالِ وفات ۷۸۶ھ ہے[۹۲]

۷۷۔ شیخ عبدالعزیز اردبیلی

شیخ عبدالعزیز اردبیلی، حدیث اور فقہ کے نامور عالم تھے۔ انھوں نے اپنے دور کے جلیل القدر علما سے تحصیل کی۔ دمشق میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ حرانی، شیخ برہان الدین بن برجح، شیخ جمال الدین مزی، شمس الدین ذہبی اور دیگر علمائے عصر کے بابِ عالی پر دستک دی اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ پھر وارد ہند ہوئے اور

---

[۹۱] کشف الظنون، ج ۱، کالم ۲۶۸ [۹۲] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۷، ۶۸

سلطان محمد شاہ تغلق سے تعلق و قرب پیدا کیا۔ محمد شاہ تغلق ان کا محسن خاص تھا اور ان کی بہت تکریم کرتا تھا۔ ایک روز انھوں نے سلطان کے سامنے حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ان کے فرزندانِ عالی مرتبت، خلفائے راشدین اور ان کی اولاد کے فضائل و مناقب بیان کیے۔ سلطان بنی عباس کے بارے میں ان کے جذباتِ محبت سے مطلع ہو کر بہت خوش ہوا اور اس بلند مرتبہ فقیہ کے پاؤں چوم لیے اور سونے کی ایک سینی لانے کا حکم دیا جس میں دو ہزار ٹنکا بھرا ہوا تھا۔ یہ دو ہزار ٹنکا (جو سکۂ رائج الوقت تھا) نہایت ادب کے ساتھ مع سونے کی سینی کے ان کی خدمت میں پیش کیا۔[۹۳]

۷۸۔ مولانا عبدالکریم شروانی

علامہ عبدالکریم حنفی شروانی، آٹھویں صدی ہجری کے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ فقہ و اصول میں بالخصوص مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں ان کی تدریسی مساعی کی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ بے شمار علما و طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں جن حضرات کے اسمائے گرامی تذکروں میں مرقوم ہیں، ان میں ہندوستان کے شہرۂ آفاق بزرگ شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے اُن سے ہدایہ اور اصولِ بزدوی تک کتبِ درسیہ پڑھیں۔[۹۴]

۷۹۔ قاضی عبداللہ بیانوی

شیخ عبداللہ بیانوی حنفی المسلک تھے اور اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے

---

[۹۳] رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۶۷

[۹۴] تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۷۰۔

تھے۔ شہر بیانہ کے قاضی تھے۔ منصبِ قضا کے ساتھ ساتھ وہاں ان کی تدریسی سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا شیخ دانیال بن حسن عباسی علوی ستر کھی ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنے اس شاگرد کی علمی صلاحیت اور نیکی سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی بھی ان کے عقد میں دے دی تھی۔[۹۵]

۸۰۔ شیخ عثمان بن داؤد ملتانی

شیخ حسام الدین عثمان بن داؤد عمری ملتانی، نہایت متقی اور صالح بزرگ تھے۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ تعلیم طریقت شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کی اور عرصہ تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ وہاں سے ہندوستان آئے اور دہلی تشریف لے گئے۔ شیخ نظام الدین زندہ تھے اور جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز کے لیے شیخ عثمان شہر کی جامع مسجد میں گئے۔ شیخ سے ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ اس کے بعد پھر مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مدینہ سے واپس دہلی آکر مقیم ہو گئے۔ محمد شاہ تغلق جب دولت آباد گیا تو یہ گجرات چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ فقہ، اصول اور تصوف کے بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ، اصول کی بزدوی اور تصوف و سلوک کی قوت القلوب اور غزالی کی احیاء علوم الدین، حفظ تھیں۔ شیخ نظام الدین اولیا نے ۷۲۴ھ میں دعوت و ارشاد کے لیے جن دس بزرگوں کو اپنے خلفا مقرر کیا تھا، یہ ان میں سے ایک تھے۔ ۸ ذی القعدہ ۷۳۶ھ کو گجرات میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔[۹۶]

---

[۹۵] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۷۰۔ بحوالہ البحر الزخار

[۹۶] اخبار الاخیار، ص ۸۹ تا ۹۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۷۶، ۷۷۔ بحوالہ البحر الزخار

۸۱- شیخ عثمان اودھی

شیخ عثمان چشتی اودھی کا لقب سراج الدین تھا۔ اونچے درجے کے سالکین و اولیا میں سے تھے۔ زمانۂ شباب میں دہلی گئے اور شیخ نظام الدین اولیا سے ملاقی ہوئے۔ صورت و سیرت کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھے مگر فضائل علمیہ سے عاری تھے، جس کی وجہ سے شیخ نظام الدین ان پر نہایت تاسف کا اظہار کرتے اور فرمایا کرتے کہ جاہل صوفی شیطان کا کھلونا ہوتا ہے۔ اس پر مولانا فخر الدین زرادی نے ان کو تعلیم دلانے کا عزم کیا اور ان کے لیے علم صرف کے موضوع پر ایک مختصر سا رسالہ تصنیف کیا، جس کا نام ان کے نام کی مناسبت سے "عثمانیہ" رکھا اور جب تک غیاث پور میں ان کا قیام رہا، وہ ان کی تعلیم کے لیے کوشاں رہے۔ پھر انھوں نے شیخ علاء الدین اندرپتی سے رابطہ پیدا کر لیا۔ اور ان سے علم نحو کی کتابوں میں کافیہ اور مفصل اور کتب فقہ میں سے قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں۔ غرض شیخ نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد وہ تین سال تک حصول علم میں مشغول رہے، یہاں تک کہ علوم میں مہارت پیدا کر لی اور افتا و تدریس کی اہلیت و صلاحیت سے بہرہ ور ہو گئے۔ بعد ازاں بنگال کا سفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ولایت کی اونچی منزل تک پہنچا دیا اور ان کی اور ان کے اصحاب و معتقدین کی مساعی سے اللہ کی اتنی مخلوق کو راہ ہدایت نصیب ہوئی کہ جس کا کوئی شمار نہیں اور ارض ہند میں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کی وفات ۷۵۸ھ میں ہوئی۔[۹۷]

۸۲- قاضی عثمان مالاباری

قاضی عثمان مالاباری کا لقب فخر الدین تھا۔ فقہ و اصول کے رفیع المرتبت

---

[۹۷] اخبار الاخیار، ص ۸۶ و ۸۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۷۷

عالم تھے۔ علاقہ مالا بار کے معروف شہر کالی کٹ کے قاضی تھے اور نہایت سخی آدمی تھے۔[۹۸]

۸۳۔ شیخ عزالدین زبیری

شیخ عزالدین زبیری مشہور عالم دین تھے اور فقہ و اصول کے ماہر تھے۔ ابن بطوطہ کی ان سے گوالیار میں ملاقات ہوئی۔ امیر عزالدین بتانی کے پاس فروکش تھے اور وہ ان کا بہت ہی احترام کرتا تھا۔ ابن بطوطہ ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

ومن کبار اھل ھٰذہ المدینۃ الامام عزالدین الزبیری من ذریۃ الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ احد کبار الفقہاء والصلحاء لقیتہ بگالیور عند الملک عز الدین البتانی المعروف باعظم ملک[۹۹]

یعنی اس شہر کے کبار علما میں سے ایک بزرگ، امام عزالدین زبیری تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے اور کبار فقہا و صلحا میں شمار کیے جاتے تھے۔ میں ان سے گوالیار میں ملک عزالدین بتانی کے مکان پر ملا، جو ملک اعظم کے نام سے مشہور تھے۔

۸۴۔ مولانا عفیف الدین کاشانی

شیخ عفیف الدین کاشانی، ممتاز عالم و فقیہ تھے۔ فضل و صلاح میں مشہور تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے دورِ حکومت میں دہلی کی مسندِ تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ ایک مرتبہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی میں شدید قحط پڑا اور اس سلسلے میں بادشاہ کے ساتھ کچھ اس قسم کی باتیں ہوئیں کہ انھیں قتل کر دیا گیا۔ ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

دہلی میں قحط کے زمانے میں بادشاہ نے حکم دیا کہ دار الخلافہ کے باہر کنوئیں کھودے

---

[۹۸] رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۱۸۶ [۹۹] ایضاً، ص ۱۵۳

جائیں اور ان کے ذریعے کھیتی باڑی کی جائے۔ بادشاہ نے اس کے لیے لوگوں کو قیمیں دیں اور ضروری سامانِ زراعت ان کے حوالے کیا لیکن یہ زراعت زبردستی کرائی جاتی اور فصل شاہی گودام میں جمع کرائی جاتی تھی۔ شیخ عفیف الدین کاشانی فقیہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا، ایسی زراعت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کسی نے یہ بات بادشاہ کو بھی پہنچا دی۔ اس نے شیخ عفیف الدین فقیہ کو قید میں ڈال دیا اور انھیں معاملاتِ حکومت میں دخل دینے پر سخت سرزنش کی اور ان کی اس بات کو کاروبارِ سلطنت میں دخل اندازی سے تعبیر کیا۔

کچھ دنوں بعد انھیں رہا کر دیا گیا۔ فقیہ موصوف اپنے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں انھیں دو فقیہ ملے، جو ان کے دوست تھے۔ انھوں نے کہا، خدا کا شکر ہے کہ تجھے رہائی نصیب ہوئی۔ عفیف الدین نے کہا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ظالموں کے قبضے سے نجات دلائی۔ یہ کہہ کر عفیف الدین فقیہ اپنے گھر چلے گئے اور وہ دونوں فقیہ اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

محمد شاہ تغلق کے نظامِ مخبری کا اندازہ کیجیے کہ اس کو یہ اطلاع بھی پہنچ گئی۔ اب اس نے تینوں فقیہوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تینوں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عفیف الدین کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں اور ان دونوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ ان دونوں نے بادشاہ سے کہا کہ عفیف الدین کا تو یہ قصور ہے کہ اس نے تجھے ظالم کہا۔ لیکن ہمیں کس گناہ پر قتل کیا جا رہا ہے؟ بادشاہ نے کہا اس لیے کہ تم نے اس کی بات سن کر اس کی تردید نہیں کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ان تینوں کو قتل کر دیا گیا۔[۱]

۸۵۔ شیخ علاء الدین النّدری

شیخ علاء الدین النّدری، حنفی المسلک تھے۔ اتقا و صالحیت کے زیور سے آراستہ اور

---

[۱] رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۸۸، ۸۹

زہد و صلاح میں معروف تھے۔ شیخ معین الدین عمرانی سے اخذِ علم کیا اور شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی سے تعلیمِ طریقت حاصل کی اور خرقۂ تصوف پہنا۔ پھر محمد بن یوسف حسینی دہلوی کی معیت میں عازمِ دکن ہوئے۔ ایک عرصہ تک ان کے انسلاک و ملازمت میں رہے اور ان کی رہنمائی میں طریقت و سلوک کی منزلیں طے کیں۔ بعد ازاں نواح گلبرگہ میں آلند نام کے ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ ان سے شیخ سعید کھنائی (متوفی ۹ر رجب ۸۰۱ھ) نے طریقت و تصوف کی تعلیم پائی۔ شیخ علاء الدین آلندی نے ۹ر ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو بمقام آلند وفات پائی۔[۱]

۸۶- شیخ علاء الدین اودھی

شیخ علامہ علاء الدین اودھی علاقہ اودھ کے رہنے والے تھے اور علاء الدین نیلی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ ہند میں ہوتا ہے۔ علاقہ اودھ کے شیخ الاسلام فرید الدین شافعی اودھی اور مولانا شمس الدین اودھی اور دیگر علمائے عظام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ جب علم میں کامل ہو گئے اور افتا و تدریس کی پوری صلاحیت پیدا ہو گئی تو شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضری دی اور تصوف و طریقت کا درس لیا۔ بعد ازاں دہلی ہی میں سکونت اختیار کر لی اور درس و افادہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ زاہد و عابد، مستقل مزاج، متورع اور اللہ و رسول کے اطاعت گزار تھے اور حسبۃً للہ فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ دینی و دنیوی معاملات میں سراپائے خلوص تھے۔ اگرچہ اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ تاہم کسی سے بیعت نہ لیتے اور فرمایا کرتے، اگر شیخ زندہ ہوتے تو میں یہ خلافت ان ہی کے سپرد کر دیتا۔ کیونکہ میں خود کو بارِ خلافت کی ذمہ داریوں کا اہل نہیں سمجھتا۔ اپنے شیخ کے ملفوظات یعنی فوائد الفواد کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۰۔ بحوالہ الشجرۃ الطیبۃ۔

ہر جمعہ کو وعظ کہتے اور سامعین کی بہت بڑی تعداد، ان کے دستِ حق پرست پر تائب ہوتی۔ ایک مرتبہ وعظ کہہ رہے تھے اس وعظ میں ابن بطوطہ بھی شامل تھا۔ وعظ نہایت مؤثر تھا۔ قاری نے قرآنِ مجید کی یہ آیات تلاوت کیں:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ج اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَ لٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ۝[۱۰۲]

شیخ نے ان آیات کی دوبارہ تلاوت کرائی تو ایک فقیر نے مسجد کے ایک گوشے سے چیخ ماری۔ شیخ نے یہی آیات پھر تلاوت کرائیں، فقیر نے ایک اور چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ وہ اس موقع پر مسجد میں موجود تھا اور شیخ کا وعظ سن رہا تھا۔ اس نے اس فقیر کے جنازے میں بھی شرکت کی۔ ابن بطوطہ کے الفاظ یہ ہیں:

.... ثم کرر ھا الفقیہ علاء الدین فصاح احد الفقراء من ناحیة المسجد صیحة عظیمة فاعاد الشیخ الآیة فصاح الفقیر ثانیة و وقع میتا۔ وکنت فی من صلّی علیه وحضر جنازته۔

شیخ علاء الدین لودھی نیلی کی وفات ۷۶۲ھ میں ہوئی[۱۰۳]

---

[۱۰۲] یہ سورۂ حج کی ابتدائی دو آیات ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے:

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا بھونچال بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے۔ (تو ایسی حالت طاری ہو گی کہ) بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی، اس کو جس کو اس نے دودھ پلایا اور پھینک دے گی ہر حاملہ اپنا حمل۔ اور تو دیکھے گا لوگوں پر ایک نشے کی کیفیت۔ اور درحقیقت وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ مگر اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

[۱۰۳] سفرنامہ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۲۹۔ اخبار الاخیار، ص ۹۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۰، ۸۱۔ سیر الاولیا، فوائد الفواد اور خزینۃ الاصفیا بھی ملاحظہ ہوں۔

۸۷- شیخ علاء الدین سندیلوی

شیخ علاء الدین حسینی سندیلوی اپنے زمانے کے مشہور فقیہ اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ یہ خطۂ اودھ کے ان بزرگان دین میں سے تھے، جن کی پاک بازی کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں طریقت و تصوف کی منزلیں طے کیں۔ طویل مدت تک دہلی میں ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے یہاں تک کہ علم و معرفت کے اونچے مرتبے تک پہنچے۔ شیخ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اور سندیلہ میں، جو صوبہ یوپی کا ایک معروف شہر ہے، قیام پذیر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ قانع، عفیف، متوکل علی اللہ اور متدین عالم تھے۔ سندیلہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔[۱۰۴]

۸۸- مولانا علاء الدین دہلوی

صدر الشریعۃ علامہ علاء الدین دہلوی حنفی، عہد علاء الدین خلجی کے فاضل کبیر تھے۔ دار السلطنت دہلی میں درس دیتے تھے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔[۱۰۵]

۸۹- مولانا علاء الدین تاجر

عہدِ علاء الدین خلجی کے علمائے دین میں مولانا علاء الدین تاجر کا اسم گرامی بڑی شہرت کا حامل ہے۔ ان کو فقہ، اصول اور علوم عربیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ سلطان مذکور کے زمانے میں، دہلی کی مسندِ تدریس پر متمکن تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔[۱۰۶]

---

۱۰۴ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۳۔ بحوالہ البحر الزخار۔

۱۰۵ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۴۔

۱۰۶ ایضاً

۹۰- مولانا علاء الدین کرک

مولانا علاء الدین کرک، عالم و فاضل بزرگ تھے اور سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دار الملک دہلی کی مسندِ تدریس ان کے سپرد تھی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے[۱۰۷]

۹۱- مولانا علاء الدین لاہوری

آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں، سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کی جن ایسی شخصیتوں کے نام تذکروں میں مرقوم ہیں جو زیورِ علم و فضل سے آراستہ تھیں، ان میں مولانا علاء الدین لاہوری کا نام بھی موجود ہے۔ ان کے حالات، افسوس ہے، اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے کہ یہ سلطان مذکور کے زمانۂ حکومت میں دار السلطنت دہلی میں تشنگانِ علم کی علمی پیاس بجھاتے تھے اور اس دور کے نامور اساتذہ میں سے تھے[۱۰۸]

۹۲- مولانا علاء الدین اندرپتی

مولانا علاء الدین اندرپتی اپنے دور کے جلیل القدر عالمِ دین تھے۔ ان کی تدریسی مساعی کا سلسلہ بہت وسیع تھا اور ان کے شاگرد پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے[۱۰۹] لیکن وقت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

۹۳- شیخ علی بن حمید ناگوری

شیخ علی بن حمید بن احمد سعیدی سوہتی ناگوری جنھیں شیخ عبدالعزیز بن حمید الدین

---

[۱۰۷] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۵۔

[۱۰۸] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۵۔

[۱۰۹] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۵۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

ناگوری کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، کبار مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ اپنے والد ماجد سے علم حاصل کیا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ بعد ازاں والد نے ان کو دعوت وارشاد اور اجازہ حدیث سے نوازا۔ والد کی وفات کے بعد، مسندِ مشیخت وارشاد کو زینت بخشی۔ ان کے لڑکے کا نام شیخ فرید الدین محمود تھا۔ انھوں نے اپنے والد شیخ علی بن حمید ناگوری سے تعلیم حاصل کی اور ۷۲۵ھ میں انھیں والد کی طرف سے اجازہ فی الحدیث مرحمت ہوا۔[۱۱۱]

۹۴۔ شیخ علی بن شہاب الدین ہمدانی

شیخ علی بن شہاب الدین بن محمد بن علی حسینی ہمدانی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ ۱۲ رجب ۷۱۴ھ کو پیدا ہوئے اور شیخ نجم الدین ابوالیامن محمد بن احمد الموفق اذکانی سے علم حاصل کیا اور حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ طریقت و تصوف کے لیے شیخ شرف الدین محمد بن عبداللہ مزدقانی اور شیخ تقی علی دوسی کے بابِ عالی پر دستک دی۔ یہ دونوں شیخ رکن الدین احمد بن محمد المعروف بہ علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے۔ ایک قول کے مطابق تصوف کی تعلیم اپنے باپ (شیخ شہاب الدین) سے پائی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد، سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے، مختلف بلاد و امصار کی سیر کی۔ کبار مشائخ سے استفادہ کیا۔ کہتے ہیں جن مشائخ و علما سے لقا و استفادہ کا شرف حاصل کیا، ان کی تعداد کئی سو کے قریب بنتی ہے۔ پھر خراسان گئے، وہاں حکمت و فلسفہ کی تعبیر کے سلسلے میں ان کے اور تیمور کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، جس کے نتیجے میں ۷۷۳ھ میں، ایک روایت کے مطابق ۷۸۰ھ میں، اپنے سات سو اصحاب و تلامذہ کی معیت میں کشمیر کی راہ لی۔ کشمیر میں تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے اور وہاں ان کی تبلیغی مساعی سے بے شمار باشندگانِ کشمیر مسلمان ہوئے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ بہت

---

[۱۱۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۶۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

وسیع ہے، جن میں سے اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱- ذخیرۃ الملوک: یہ کتاب فارسی میں ہے اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ایمان کے شرائط و احکام سے متعلق ہے۔ دوسرا حقوقِ عبودیت، تیسرا مکارمِ اخلاق اور خلفائے راشدین کی اقتدا کے وجوب کے بارے میں ہے۔ چوتھا والدین، زوجین، اولاد، غلاموں، اعزہ و اقارب اور دوستوں کے حقوق پر مشتمل ہے۔ پانچواں احکامِ سلطنت و احکامِ ولایت و امان، حقوقِ رعایا اور وجوبِ عدل و احسان سے تعلق رکھتا ہے۔ چھٹا باب، اسرارِ خلافتِ انسانیہ اور شرح سلطنتِ معنویہ کو محتوی ہے۔ ساتواں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو محیط ہے۔ آٹھواں تحقیق شکر اور اقسامِ شکر کے ذکر میں ہے۔ نواں نزولِ مصائب پر صبر سے متعلق ہے اور دسویں میں کبر اور غضب کی مذمت کی گئی ہے۔

۲- ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرح۔ یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔

۳- مرآۃ التائبین۔ یہ توبہ سے متعلق ہے اور فارسی میں ہے۔

۴- منہاج العارفین۔ فارسی میں۔

۵- الرسالہ الذکریہ۔ یہ عربی میں ہے۔

۶- المنامیہ۔ خواب کے بارے میں، فارسی زبان میں۔

۷- ہمدانیہ۔ لفظ ہمدان کی تحقیق سے متعلق، فارسی زبان میں۔

۸- اورادیہ۔ وظائف و اوراد کے سلسلے میں، عربی میں۔

۹- رسالہ فی الطب۔ علم طب کے بارے میں، عربی میں۔

۱۰- منازل السالکین۔ منازل صوفیا کے باب میں۔ عربی زبان میں۔

۱۱- ایک رسالہ مناقب اہل بیت میں۔

۱۲- اربعینیہ۔ چالیس احادیث کا مجموعہ ہے۔ ان احادیث کا سلسلۂ سند ان کے استاذ شیخ نجم الدین محمد بن احمد الموفق اذکانی سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

۱۳- ایک رسالہ، فی آیات الاحکام من القرآن الکریم۔

۱۴- سبعین۔ ستر احادیث پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ لیکن اس میں جو احادیث درج ہیں،

وہ محدثین کے نقطۂ نظر سے لائق اعتماد نہیں ہیں؛ شیخ فتح محمد بن محمد موسیٰ برہانپوری نے ان کی تخریج کی ہے۔
۱۵۔ شرح اسماء اللہ الحسنیٰ۔
ان کے علاوہ عربی اور فارسی میں ان کی اور کئی کتابوں کے نام تذکروں میں مرقوم ہیں۔
کشمیر سے جا رہے تھے کہ علاقۂ یاغستان کے ایک مقام تیراہ میں پہنچے تو وفات پا گئے۔ پھر ان کی میت فتلان کے مقام پر پہنچائی گئی جو اعمال بدخشان میں واقع ہے، وہیں دفن کیے گئے۔ یہ ۷۸۶ھ کا واقعہ ہے۔[111]

۹۵۔ مولانا عماد الدین حسام دہلوی

مولانا عماد الدین بن حسام الدین دہلوی، رفیع المرتبت عالم، پُر تاثیر بیان واعظ اور عظیم مقرر تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے کے عالم و واعظ تھے۔ دہلی میں ان کے علاوہ اور بھی کئی واعظ تھے جو بہت مؤثر وعظ کہتے تھے۔ مولانا عماد الدین کے وعظ کے بارے میں مورخ برنی لکھتا ہے:

ان نادرِ روزگار واعظوں میں ایک واعظ مولانا عماد الدین حسام درویش تھے۔ جن لوگوں نے ان کے وعظ سنے ہیں اور دوسرے اعجوبۂ روزگار واعظوں کو بھی سنا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ذوق و شوق پیدا کرنے کے طریقے، مناسب مواقع پر لطیفے، ظریفانہ باتیں، اسرار و رموز بیان کرنے کا انداز، مطالب و دقائق کی وضاحت، ادائے الفاظ کی خوبی اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کرنا اور وعظ کہنا، ان سب باتوں کے اعتبار سے، مولانا عماد الدین کا سا وعظ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے۔ عہدِ علائی کے بیس سال میں، مولانا عماد برابر وعظ کہتے اور منبر کو آراستہ کرتے رہے۔ ان کے وعظ میں امرا، ارکانِ سلطنت، دانشمند، تعلیم یافتہ حضرات فضلا و علما، شعرا و ادبا، صوفیا و اتقیا اور علم و تصوف میں کامل لوگ، سبھی شریک

---

[111] نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۷۰ تا ۹۔ بحوالہ فقہائے ہند۔

ہوتے - ان کے بے مثال وعظوں میں لوگوں پر رقت طاری ہو جاتی اور مولانا حمید اور مولانا لطیف مقری اور ان کے بیٹے قرآن مجید پڑھتے تو پرندے فضا سے نیچے اتر آتے اور قرآن پاک سنتے - ان کے ہر وعظ میں ایسا جوش پیدا ہوتا کہ ہر طرف شور بپا ہو جاتا، گریہ زاری اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگتیں اور دوسرے ہفتے تک لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر باقی رہتا - آئندہ ہفتے سامعین اور زیادہ شوق و ذوق سے شاملِ وعظ ہوتے[۱۲]

۹۶ - مولانا عماد الدین غوری

مولانا عماد الدین غوری سلطان محمد شاہ تغلق کے دَور کے عالم اور حنفی مسلک کے حامل تھے - یہ علاقہ نارنول کے مشائخ میں سے تھے - صالح عالم دین اور پرہیزگار شخص تھے - ان کے آبا و اجداد عرب سے ایران آئے اور پھر غور سے، سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ واردِ ہند ہوئے - منقول ہے کہ مولانا عماد الدین غوری، علوم سے دلچسپی نہ رکھتے تھے اور عنفوانِ شباب تک اس دولت سے محروم تھے - طاقت ور اور زور دار آدمی تھے اور بڑے بڑے پہلوانوں کے ساتھ کشتی لڑا کرتے تھے - ایک دن اس نواح کے ایک بڑے پہلوان کو شکست دے کر، پُر غرور انداز میں گھر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک عالم دین ملے، انھوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر اظہارِ تاسف کیا اور طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ یہ اندازِ زندگی، تمھارے جیسے شخص کو زیب نہیں دیتا - اس عالم دین کی بات سے نہایت شرمندہ ہوئے اور خجالت سے سر نیچا کر لیا - اب یکایک زندگی کا رخ بدلا اور کاروانِ حیات نئی راہ پر گام فرسا ہوا - حصولِ علم کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی اور نارنول میں شیخ محمد ترک کے روضے سے منسلک ہو گئے اور اس کے بعد

---

[۱۲] تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۵ - تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲ - نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۹۴

علم و فضل اور اتقا و صالحیت کی اونچی منزل تک پہنچے۔

مولانا عماد الدین غوری بے شمار اوصاف کے مالک تھے۔ اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے نظیر تھے، فقرا و صلحا سے انتہائی تعلقِ خاطر تھا، کردار و سیرت میں عدیم المثال تھے اور اللہ و رسول کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت کے قائل نہ تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ جن دنوں سلطان محمد تغلق، سلطنت کے نشے میں سرمست تھا اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ان ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک روز اس نے ان سے کہا کہ جب فیضِ الٰہی غیر منقطع ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ فیضِ نبوت منقطع ہو جائے۔ اب بھی اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے معجزات کا صدور بھی ہوتا ہے، آپ اسے مانیں یا نہ مانیں، مگر وہ اپنے دعویٰ میں لازماً صادق ہو گا۔ اس پر مولانا عماد الدین کو اس قدر غصہ آیا کہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے۔ فوراً بادشاہ سے کہا:

گہہ مخور، چہ مے گوئی۔

یعنی گوہ، نہ کھاؤ۔ کیا بکواس کر رہے ہو؟

اس اندازِ گفتگو کو محمد شاہ تغلق برداشت نہ کر سکا۔ حکم دیا کہ تلوار سے اس شخص کی گردن اڑا دی جائے اور زبان گدی سے کھینچ لی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[۱۳۳]

۹۷ - شیخ عمر بن محمد ہندی

شیخ عمر بن محمد بن احمد بن منصور ہندی حنفی، ان کا لقب بہاء الدین تھا۔ مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فقہ اور علومِ عربیہ کے عالمِ اجلّ تھے۔ ساتھ

---

۱۳۳ اخبار الاخیار، ص ۲۰۰، ۲۰۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۵۰، ۲۷۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۹۴۔

ہی حلیم الطبع اور فہیم و فریس تھے۔ نیز ادب و معرفت اور حسنِ اخلاق میں یگانہ تھے۔ عرصہ تک مدینہ منورہ میں رہے۔ ۷۵۸ھ میں حج کیا۔ مدینہ منورہ میں ایک سواری پر سے گرے، ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اٹھا کر مکہ مکرمہ لائے گئے۔ اس شدید چوٹ کی وجہ سے حج نہ کر سکے اور اپنے اللہ سے جا ملے[۱۱۴]۔

۹۸۔ شیخ عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی

شیخ عمر بن اسعد لاہوری، جو شیخ علاء الدین پنڈوی کے لقب سے معروف تھے، علم و فضل کی بلند منزلوں پر فائز تھے اور فقہ، اصولِ فقہ اور علوم عربیہ کے ماہرین میں سے تھے۔ ان کے والد۔ اسعد۔ بنگال کے بعض ملوک کے عہد میں عہدۂ وزارت پر متعین تھے، اسی لیے انھیں ملوک و امرا کے نزدیک جاہ و عظمت اور عزت و حشمت حاصل تھی اور ہر سو وقار و تکریم کے مالک تھے۔ ہمیشہ مسندِ تدریس پر متمکن رہے اور خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔ پھر شیخ سراج الدین عثمان اودھی کا ان دیار میں جانا ہوا تو سب مشاغل ترک کر کے، ان سے منسلک ہو گئے اور طریقت و تصوف کی راہوں پر گام فرسائی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں اس درجہ رفعتوں پر پہنچے کہ شیخ عثمان اودھی کے بعد زمامِ مشیخت ان ہی کے ہاتھ میں آ گئی۔ ان سے ان کے صاحب زادۂ گرامی قدر شیخ نور الحق نے علم طریقت کی تعلیم پائی۔ ان کے علاوہ سید اشرف سمنانی، عادل الملک جون پوری اور لوگوں کی کثیر تعداد نے کسبِ فیض کیا۔ رجب کی ابتدائی تاریخوں میں، ۸۰۰ھ کو بلدۂ پنڈوہ میں وفات پائی[۱۱۵]۔

۹۹۔ شیخ عمر بن اسحاق غزنوی

علامہ شیخ عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہندی۔ ان کی کنیت ابو حفص تھی اور لقب

---

[۱۱۴] نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۹۴۔ بحوالہ طرب الاماثل۔

[۱۱۵] اخبار الاخیار۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۹۵

سراج الدین تھا بہت بڑے عالم اور امام وقت تھے۔ ۷۰۴ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ امام و زاہد شیخ وجیہ الدین دہلوی اس زمانے میں علم و فضل کے اعتبار سے دہلی کی مسند امامت پر فائز تھے، ان سے علم فقہ کی تکمیل کی۔ ان کے علاوہ شیخ شمس الدین خطیب دولی، دہلی کے ملک العلما شیخ سراج الدین ثقفی اور شیخ رکن الدین بدایونی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، جو کہ شیخ ابوالقاسم تنوخی (تلمیذ شیخ حمید الدین ضریر) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ پھر حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوئے اور شیخ خضر، شیخ رباط سدرہ سے عوارف المعارف کا سماع کیا۔ بعدازاں ۷۴۰ھ سے قبل عازم قاہرہ ہوئے اور شیخ احمد بن منصور جوہری وغیرہ سے تحصیل کی۔ وہاں ان کے فضل و کمال کے جوہر کھلے اور قاضی عساکر مقرر کیے گئے۔ پھر اس منصب سے معزول ہو گئے۔ علم و فضل میں یکتا، نہایت تیز ذہن، ذکاوت و جودت سے مزین، بحث و گفتگو میں عدیم النظیر اور اعلیٰ ذوق کے مصنف و مؤلف تھے۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح، جو توشیح کے نام سے موسوم ہے
۲۔ الشامل۔ مسائلِ فقہ سے متعلق۔
۳۔ زبدۃ الاحکام فی اختلاف ائمۃ الاعلام۔
۴۔ ابن الساعاتی کی بدیع الاصول کی شرح۔
۵۔ شرح المغنی للخبازی۔
۶۔ غرۃ المنیفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ۔
۷۔ شرح الزیادات۔
۸۔ شرح جامع کبیر۔ (نامکمل)
۹۔ شرح جامع صغیر (نامکمل)
۱۰۔ شرح المنار ۱۱۔ شرح المختار۔
۱۲۔ لوائح الانوار فی الرد علی من انکر علی العارفین۔
۱۳۔ عدۃ الناسک فی المناسک۔

۱۴- شرح عقیدۃ الطحاوی۔
۱۵- اللوامع فی شرح جمع الجوامع۔
۱۶- کتاب الخلاف۔
۱۷- شرح تائیہ۔ لابن الفارض۔

ایک روایت کے مطابق ۷۶۳ھ میں اور ایک کے مطابق ۷ رجب ۷۷۲ھ میں فوت ہوئے۔ "ستارۂ زمین" تاریخ وفات ہے[۱۱۶]

۱۰۰- شیخ عمر بن محمد سنامی

شیخ عمر بن محمد بن عوض سنامی مسلکاً حنفی تھے۔ امام ضیاء الدین سنامی کے لقب سے ملقب تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے نامور بزرگ تھے۔ تفقہ و اجتہاد علم و فضل، تقویٰ و دیانت اور امور شرعیہ میں رسوخ و عمل کے اعتبار سے مشہور تھے۔ شیخ کمال الدین سنامی کے شاگرد تھے۔ بہت بڑے واعظ اور مذکِر تھے۔ تیس سال سے زیادہ مدت تک تذکیر و موعظت میں مصروف رہے اہلِ بدعت اور ارباب ہوا کے شدید مخالف تھے، اپنے وعظوں میں ان پر سخت تنقید کرتے، اس سلسلے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتے اور نہ کلمۂ حق کہنے میں کسی قسم کی لومۃ لائم کی پروا کرتے۔

---

[۱۱۶] فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۱۴۸۔ کشف الظنون۔ مفتاح السعادۃ۔ طاش کبریٰ زادہ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۱۔ حدائق الحنفیہ ص ۲۹۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۹۵، ۹۶

نوٹ: صاحب حدائق الحنفیہ مولوی فقیر محمد جہلمی کو یہاں سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے عمر بن اسحاق بن احمد ہندی غزنوی اور عمرو بن اسحاق بن احمد غزنوی کو دو آدمی سمجھ لیا ہے اور ان کا تذکرہ علیحدہ علیحدہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حدائق الحنفیہ ص ۲۹۰، ۲۹۲) حالانکہ یہ دو نہیں ایک ہی ہیں اور صحیح نام عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہے۔

بقول برنی کے یہ عہدِ علائی کے مستند واعظوں اور مشہور مذکروں میں سے تھے۔ علاوہ ازیں مفسّر بھی تھے اور فقیہ بھی، خود بھی استاذ تھے اور استاذ کی اولاد بھی! تمام عمر وعظ و نصیحت میں گذری۔ وعظ میں قرآن مجید کی آیات تلاوت کرتے۔ ان کی تفسیر بیان فرماتے اور تائید میں صحابۂ کرام و بزرگان سلف کے اقوال و ارشادات پیش کرتے۔ ان کے وعظ میں دو دو تین تین ہزار آدمی بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں لوگ شریک ہوتے۔ وعظ اس درجہ موثر ہوتا کہ لوگ اٹھنے کا نام نہ لیتے اور ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے رہتے۔

سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو سخت نشانۂ تنقید ٹھہراتے۔ شیخ نظام الدین سماع کے قائل تھے اور یہ اس کے شدید مخالف۔ جب بیمار ہوئے اور بیماری نے شدت اختیار کی تو شیخ نظام الدین عیادت کے لیے تشریف لائے۔ انھوں نے اندر آنے کے لیے اذن مانگا تو چارپائی پہ لیٹے ہوئے تھے۔ خدام کو سر سے عمامہ اتار کر دیا اور فرمایا، یہ عمامہ شیخ کے پاؤں کے نیچے بچھا دیا جائے۔ شیخ نظام الدین نے ازراہِ احترام، عمامہ اٹھایا، اس کو بوسہ دیا، تبرکاً سر پر رکھا اور حاضرِ خدمت ہوئے مگر شیخ عمر چونکہ ان کی مخالفت کرتے رہے تھے، اس لیے حیا آڑے آئی اور ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب شیخ عیادت کر کے چلے گئے تو شیخ عمر وفات پا گئے، شیخ نظام الدین نے ان کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "آج دنیا سے وہ شخص رخصت ہو گیا، جو حمایتِ شریعت، کلمۂ حق اور اظہارِ صدق میں منفرد حیثیت کا مالک تھا"

ایک روایت یہ ہے کہ جب شیخ نظام الدین نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو فرمایا، میں اب زندگی کی آخری منزل میں مبتدع کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا، شیخ کو معلوم ہوا تو انھوں نے جواب بھجوایا کہ مبتدع، بدعت سے تائب ہو کر حاضرِ خدمت ہوا ہے۔ اس پر شیخ عمر سنامیؒ نے اپنا عمامہ سر سے اُتار کر دیا کہ ان کے پاؤں کے نیچے بچھایا جائے۔

تصنیفات یہ ہیں :

۱۔ نصاب الاحتساب ۔ یہ کتاب بڑی عمدہ ہے اور پینسٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

۲۔ تفسیر سورۂ یوسف ۔

۳۔ الفتاوی الضیائیہ

یہ وہی شیخ ضیاء الدین سنامی ہیں جنھوں نے جوشِ اتباعِ شریعت اور شوق پیروی سنت میں حضرت شیخ شرف الدین ابو علی قلندر کی داڑھی پکڑ کر، ان کی حدِّ شرع سے بڑھی ہوئی مونچھیں قلینچی سے کاٹ دی تھیں۔ اور ابو علی قلندر اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کرتے تھے کہ تو مبارک ریش ہے جو راہِ خدا میں پکڑی گئی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب عالم جذب و مستی میں شیخ ابو علی قلندر کی مونچھیں شرعی حدود سے متجاوز ہو گئی تھیں [۲۷۸]۔

۱۰۱۔ شیخ عین الدین بیجاپوری

شیخ ابو العون عین الدین جنیدی رح دہلوی بیجاپوری بہت بڑے عالم و فاضل تھے اور خزانۃ العلم کے لقب سے معروف تھے۔ دار السلطنت دہلی میں ۷۰۶ھ کو پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ پھر دولت آباد چلے گئے اور شیخ علاء الدین حسینی جیوری سے اخذ فیض کیا۔ تحصیل علم شیخ شمس الدین محمود ہ بغانی سے کی، شیخ منہاج الدین تمیمی انصاری کی صحبت میں رہے، اور بہت سے علمائے کرام سے اخذِ علم کیا، یہاں تک کہ اپنے دور کے اکابر علما میں شمار ہونے لگے۔

حصولِ علم کے بعد ۷۳۲ھ میں عین آباد سکر تشریف لے گئے، پھر عازم بیجاپور ہوئے۔

---

[۲۷۸] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۳۵۶۔ اخبار الاخیار، ص ۱۰۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۹۷، ۹۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۷۰، ۷۹۔

۷۷۳ھ میں وہاں سکونت اختیار کر لی اور تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ ان کے شاگردوں میں شیخ حسین بن محمود شیرازی، شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی اور بہت سے علماء و مشائخ شامل ہیں۔ تصنیفات کثیرہ کے مصنف ہیں، جن کی تعداد ایک سو بارہ ہے۔ ان میں سے مشہور کتابیں، الملحقات فی التاریخ، طور الابرار، کتاب فی الانساب اور تاریخ الاولیا من اہل الہند ہیں۔ ۲۷ جمادی الاخریٰ ۷۹۵ھ کو بیجاپور میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔[۱۸]

ف

۱۰۲۔ مولانا فخر الدین زرادی

علامہ فخر الدین زرادی، سامانوی ثم دہلوی، سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد کے یگانۂ روزگار عالم دین تھے۔ اصلاً سامانہ کے رہنے والے تھے۔ کم سنی ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے اور شوقِ علم کی فراوانی کشاں کشاں دہلی لے گئی۔ وہاں ان کے ہم نام عالم دین مولانا فخر الدین ہانسوی کا سلسلۂ تدریس جاری تھا۔ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ وہاں جو حضرات ان کے شریک درس تھے، ان میں، قاضی کمال الدین ہانسوی اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے اسمائے گرامی لائقِ تذکرہ ہیں۔

مولانا فخر الدین زرادی ان دنوں صوفیا کے شدید مخالف تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا پر اس سلسلے میں سخت تنقید کرتے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو اس بنا پر مطعون ٹھہراتے اور ان سے بحث کرتے کہ وہ شیخ نظام الدین کی مجلس میں جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں جذبۂ ربانیہ کی گرفت میں آ گئے۔ بس پھر کیا تھا، اسی آن ان کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہو گئے، ان سے خرقۂ تصوف پہنا اور عمر بھر کے لیے شیخ سے انسلاک و وابستگی اختیار کر لی، مگر ساتھ ہی درس و افادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، ان سے بے شمار طلبا نے اخذِ علم کیا۔

---

[۱۸] نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۹۸، ۹۹۔ بحوالہ روضۃ الاولیاء۔

ان ایام میں ان پر تصوف و سلوک کا اس درجہ شدید غلبہ تھا کہ جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاتے، متعدد شب و روز بے آباد مقامات میں بسر کرتے، غاروں میں جا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے، تنہائی میں عبادتِ الٰہی کا لطف اٹھاتے اور متواتر کئی کئی دن روزے رکھتے۔

ہندوستان سے عازمِ حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے بغداد کا سفر اختیار کیا، متعدد علما و مشائخ سے ملے اور کتبِ حدیث پڑھیں۔ بغداد سے ہندوستان کا قصد کیا، کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی سمندر میں غرق ہوگئی اور یہ جلیل القدر عالمِ دین شہید ہوگئے۔ بے مثل عالم، تقویٰ و طہارت کے اوصاف سے مزین، احکامِ شرع کے پابند، امرِ دینی میں نہایت سخت، عظمت و وقار کے حامل، خوش مزاج، فصاحت و بلاغت سے بہرہ ور، کلمۂ حق بلند کرنے میں بے باک، سلطانِ جابر کے سامنے جری اور اللہ کے معاملے میں بے خوف، اور اس باب میں کسی قسم کے طعن و ملامت کی پروا نہ کرنے میں مشہور۔

ایک مرتبہ بادشاہِ ہند محمد شاہ تغلق نے، جو ان سے مواخذہ کرنے اور سزا دینے کے درپے تھا، ان کو اپنے ہاں بلایا اور کہا میں تاتاریوں سے جہاد کرنا چاہتا ہوں، آپ وعظ و تقریر کے ذریعے لوگوں کو آمادۂ جہاد کریں۔ فرمایا "ان شاء اللہ تعالیٰ"۔

بادشاہ نے کہا۔ "یہ کلمۂ شک ہے"

فرمایا۔ "نہیں۔ یہ کلمۂ شک نہیں، بلکہ امرِ مستقبل کے لیے اس کا استعمال ازروئے شریعت فرض ٹھہرایا گیا ہے۔"

یہ بات سن کر بادشاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ اور کہا "کوئی ایسی نصیحت کیجیے، جو میرے لیے سودمند ہو۔"

فرمایا "غصے کو پی جانا۔ آپ کے لیے ضروری ہے۔"

پوچھا "کون سا غصہ؟"

فرمایا۔ "جو انسان کو حیوانی سطح پہ پہنچا دے۔"

اب بادشاہ کے چہرے پر پہلے سے بھی زیادہ آثارِ غضب نمایاں ہوئے لیکن خاموش رہا اور کوشش کی کہ غصہ ظاہر نہ ہو۔ مگر چونکہ وہ ان کو سزا دینا چاہتا تھا اس لیے

اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی اور خلعت ان کی خدمت میں پیش کیا مگر انھوں نے اس کو قبول نہ کیا اور ان کے ایک شاگرد مولانا قطب الدین نے، جو اس وقت ان کے ساتھ تھے اور ان کی جوتیاں بغل میں دبائے خادموں کی طرح پیچھے کھڑے تھے، فوراً تھیلی اور خلعت کو اٹھالیا تاکہ بادشاہ کو سزا و عقوبت کا موقع نہ ملے۔ اب بادشاہ کو اس پر غصہ آگیا۔ اور اس نے مولانا قطب الدین کو سخت ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا:

"اے مزوّر روشکال، این چہ حرکتہا بود کہ کردی، اوّل کفشہائے فخر الدین را زیرِ بغل گرفتی، بعدہٗ جامہ و سیم او خود بستدی، و او را از تیغ من خلاص دہانیدی و بلائے او گرفتی [۱۱۹]"

یعنی اے مکار و حیلہ ساز۔ یہ تو نے کیسی حرکتیں کی ہیں۔ پہلے فخر الدین کے جوتے بغل میں دبائے، پھر اس کی خلعت اور چاندی اپنے ہاتھ میں لی اور میری تلوار کی زد سے اس کو بچالیا۔ اور اس کی بلا خود قبول کی۔

قطب الدین نے کمالِ جرأت سے جواب دیا اور کہا: یہ میرے استاذ اور میرے مخدوم کے خلیفہ ہیں میرا فرض ہے کہ ان کی جوتیاں سر پر رکھوں۔ اس سے بادشاہ اور بھڑکا اور چمک کر بولا۔

"این اعتقادہائے کفر آمیز را بگذار، والّا ترا خواہم کشت [۱۲۰]"

ان کفر آمیز اعتقادات کو ترک کردو۔ ورنہ میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔

بعد ازاں بادشاہ نے مولانا کو کھانا پیش کیا اور دونوں دستر خوان پر بیٹھے تو ایک ہی طباق میں، ان کے ساتھ بادشاہ نے اس طرح کھانا شروع کیا کہ ہڈیوں سے گوشت اُتار کر اُن کے سامنے رکھتا گیا۔ مولانا نے کراہت کے ساتھ چند لقمے کھائے اور دستر خوان سے ہاتھ اُٹھالیا۔ بادشاہ کو یہ چیز بھی ناگوار گزری۔

اصل میں بات یہ ہے کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے دہلی سے دیوگیر منتقل ہونے سے

---

[۱۱۹] سیر الاولیا، ص ۲۷۳ [۱۲۰] ایضاً

قبل، مولانا فخرالدین زرادی اور دیگر علما و مشائخ کو دربار میں طلب کیا تھا۔ مگر مولانا زرادی اس سے ملاقات کرنے پر تیار نہ تھے۔ وہ کہتے تھے،

"من سرِ خود، پیش ایں درِ سرائے ایں مرد، غلطاں می بینم، یعنی با او مسامحت نخواہم کرد، و او زندہ نخواہد گذاشت"

یعنی میں اپنا سر، اس شخص کے گھر کے دروازے پر خون میں غلطاں دیکھتا ہوں میں اس کی گفتگو سے چشم پوشی نہ کروں گا اور وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔

مولانا دہلی چھوڑ کر دیوگیر نہیں جانا چاہتے تھے لیکن مجبوراً جانا پڑا۔ وہاں گئے تو قیام مشکل ہو گیا اور وہاں کی فضا سے اکتا گئے۔ دیوگیر سے حجاز تشریف لے گئے اور حجاز سے بغداد گئے اور تعلیم حدیث سے بہرہ اندوز ہوئے۔

مولانا فخرالدین زرادی کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، جن میں شیخ سراج الدین عثمان اودھی، مولانا رکن الدین اور ان کے برادر کبیر مولانا صدر الدین اندرپتی، شیخ محمد بن مبارک کرمانی (صاحب سیر الاولیا)، ان کے چچا حسین بن محمود اور ان کے علاوہ متعدد حضرات علما و مشائخ کے اسمائے گرامی تذکروں میں مرقوم ہیں۔

مولانا زرادی کی تصنیفات یہ ہیں:

رسالہ عثمانیہ۔ جو علم صرف سے متعلق ہے اور جو مولانا ممدوح نے شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے لیے تحریر کیا۔

الخمسین۔ یہ رسالہ علم کلام کے ان مسائل کو محیط ہے، جنھیں اہل علم بہت مشکل قرار دیتے ہیں۔

کشف القناع عن وجوہ السماع۔ سماع کے بارے میں۔

اصول السماع۔ یہ بھی سماع کے متعلق ہے۔

اصول السماع میں ان سے جو علمی فوائد و نکات منقول ہیں، ان میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے تین فرقے ہیں۔ ایک فقہا، دوسرے محدثین اور تیسرے صوفیا۔ فقہائے کرام، محدثین کو اہل ظواہر کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ فقط خبر و روایت کو

قابلِ اعتماد گردانتے اور اسنادِ صحیح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن فقہا اپنے آپ کو اہل الرائی قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ رائی کو لائق عمل ٹھہراتے ہیں اور خبرِ واحد کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک درایت پر عمل کرنا ضروری ہے اور خبر واحد بے شک ثقات سے مروی ہو مگر اس کے مقابلے میں درایت کو ترجیح حاصل ہوگی، لیکن محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ وہ خبرِ واحد کو بہرحال حجت مانتے ہیں۔ رہے صوفیا تو یہ گروہ سب سے بہتر اور عمدہ ترین گروہ ہے۔ اس لیے کہ ان کا مرکزِ توجہ اور محلِ التفات صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔ وہ اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ مذہبِ احوط پر عمل کی دیواریں استوار کرتے ہیں۔ فقہ کے کسی مذہب معین اور مسلک خاص پر عمل نہیں کرتے۔ یہی مطلب ہے، بعض صوفیا کے اس قول کا کہ الصوفی لامذھب لہ کہ صوفی کسی مذہب کا پابند نہیں ہوتا۔

صوفیہ کا نقطہ فکر یہ ہے کہ مذہب معین کو اختیار کرنا اپنے آپ کو تنگی میں ڈال دینے کے مترادف ہے اور یہ دین میں ممنوع ہے کیونکہ یہ تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ اور تکلیف مکلف کے لیے مشکل اور حرج پیدا کرتی ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو منع کر دیا تھا جس نے یہ دعا مانگی تھی: اَللّٰھُمَّ ارحمنی ومحمداً ولا ترحم معنا احداً و قال لقد تحجرت واسعًا۔

یعنی اے اللہ مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما، ہمارے سوا اور کسی کو اپنی آغوشِ رحمت میں نہ لے۔ حضورؐ نے (یہ سن کر) اس سے فرمایا، تو نے وسعت کو تنگ کر دیا ہے۔

آنحضرتؐ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ مذہبِ معین اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ عوام کا طریق ہے۔ صوفیا کے اس نقطۂ نظر کی تائید کتاب وسنت سے واضح الفاظ میں ہوتی ہے اور محققین کا اس پر اجماع ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۱ لہ

---

۲۱ لہ یہ سورہ نحل کی تینتالیسویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

اس آیۂ کریمہ میں بلا کسی تعیین کے فقط اہلِ ذکر سے سوال کرنے کا حکم دینا، اس حقیقت پر دلالت کناں ہے کہ کسی مذہبِ معین کا اختیار کرنا بدعت ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ:

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم [۱۲۲]

کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم، جس کی بھی اقتدا کروگے، ہدایت پاجاؤگے۔

اس حدیث میں صحابہ کی اقتدا کا حکم، اسی آیت کی طرح ہے جس میں مشکل مسائل کے حل کے لیے، اہلِ ذکر اور اصحابِ بصیرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اجماعِ امت بالکل ظاہر و واضح ہے کیوں کہ علمائے مجتہدین کے اقوال و قراین کو مطمح نظر ٹھہرانا واجب ہے تاکہ عاقل و فہیم شخص دلیلِ راجح کو مرجوع سے اور قوی کو ضعیف سے ممیز کرسکے اور اصول میں رشد و ہدایت نکھر کر سامنے آسکیں اور یہی طلبِ علم کا طریق ہے اور طلبِ علم واجب ہے۔ حدیث میں ہے:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم [۱۲۳]

کہ طلبِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔

آگے چل کر مولانا نزاری فرماتے ہیں:

کسی مذہبِ معین کو از روئے تقلید اختیار کرنا، اس کے دروازے بند کردینے کے مترادف ہے کیونکہ یہ ترجیح بلا مرجح اور مکلف کے لیے حرج و تکلیف کا باعث ہے۔

بہر حال اگر صوفیا، مذہبِ غیر معین پر عمل پیرا ہیں تو ان کے بارے میں نہ تو فقہا کی رائے قابلِ وقعت ہوگی اور نہ ان کا فیصلہ صوفیا کے لیے حجت قرار پائے گا۔

۱۲۲ھ مشکوٰۃ باب مناقب صحابہ۔ فصل ثالث (بحوالہ رزین) قال الالبانی۔ اسنادہ واہ جدا۔

۱۲۳ھ طبرانی کبیر و اوسط۔

مولانا فخرالدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۴۸ھ میں وفات پائی۔[۱۲۴]

۱۰۳۔ شیخ فخرالدین مروزی

شیخ فخرالدین مروزی، فضل وصلاح اور زہد وفقاہت میں خاص شہرت کے حامل تھے۔ تصوف وطریقت کی منزلیں شیخ نظام الدین اولیا کی تربیت میں طے کیں اور پھر اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی کے لیے مخصوص کرلیا۔ ان کے زمانے میں ترک وتجرید اور عفت واتقا میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں ۷۳۶ھ کو وفات پائی۔[۱۲۵]

۱۰۴۔ مولانا فخرالدین ناقلی

علامہ فخرالدین ناقلی دہلوی علم وفضل میں یکتائے دہر تھے۔ فقہ، اصولِ فقہ اور علومِ عربیہ میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہدِ سلطنت منصب صدارت پر فائز تھے۔ مدت مدید تک اس منصب پر متعین رہے۔ پھر معزول کردیے گئے اور بڑا عرصہ گھر کے گوشۂ عزلت میں گزارا۔ بعد ازاں سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ان کو عہدہ صدارت عطا کیا۔ تقریباً چار سال تک کرسیٔ صدارت سنبھالے رکھی۔ چار سال کے بعد پھر معزول ہوگئے۔ دہلی میں مدرس تھے۔ ان سے علما کی بڑی تعداد نے استفادہ کیا۔[۱۲۶]

---

[۱۲۴] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیر الاولیا، ص ۲۶۲ تا ۲۷۵۔ اخبار الاخیار، ص ۹۱، ۹۲۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۶۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۳ تا ۱۰۶۔ سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۶۸ تا ۳۷۰۔

[۱۲۵] اخبار الاخیار، ص ۹۲، ۹۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۶۔ بحوالہ سیر الاولیا وخزینۃ الاصفیا۔

[۱۲۶] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۱۹۶، ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۶

۱۰۵- مولانا فخر الدین ہانسوی

علامۂ کبیر شیخ فخر الدین ہانسوی، اپنے دور کے مشہور اساتذہ میں سے تھے اور دارالخلافہ دہلی میں منصبِ تدریس پر متمکن تھے۔ اس دور میں ان سے بے شمار حضرات نے اخذِ علم کیا، جن میں ان کے بھانجے قاضی کمال الدین ہانسوی، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، شیخ فخر الدین زرادی اور بہت سے اہلِ علم شامل ہیں۔ شیخ حمید الدین دہلوی قلندری خیر المجالس میں لکھتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے ان سے شیخ فخر الدین زرادی کی مشارکت میں فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب ہدایہ پڑھی۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک تصنیف دستور الحقائق ہے، جو ایک بسیط و مفصل کتاب ہے[۱۲۷]

۱۰۶- مولانا فخر الدین شقاقل

شیخ فخر الدین دہلوی شقاقل کے نام سے معروف تھے اور سلطان علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت میں دار السلطنت دہلی کے کبار اساتذہ میں سے تھے۔ دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اس دور میں ان سے علما و طلبا کی تعدادِ کثیر نے استفادہ کیا۔[۱۲۸]

۱۰۷- قاضی فخر الدین بجنوری

قاضی فخر الدین بن رکن الدین بن فخر الدین بن عثمان بن ابوبکر صدیقی سترکھی بجنوری

۱۲۷ھ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۵۳- اخبار الاخیار ص ۹۱- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۰۷

۱۲۸ھ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۵۳- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲- نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۰۷

اصحابِ فضل وصلاح اور اربابِ فقاہت وصالحیت میں سے تھے۔ تصوّف و طریقت سے بالخصوص تعلقِ خاطر تھا۔ پہلے شیخ نظام الدین اولیا سے بیعت ہوئے پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی سے انسلاک وملازمت اختیار کی اور کسبِ فیض کیا۔ زہد واستغنا میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے۔ ۵ جمادی الاولیٰ ۷۵۹ھ کو وفات پائی اور یوپی کے مشہور شہر بجنور میں مدفون ہوئے[۱۲۹]

۱۰۸- شیخ الاسلام فرید الدین اودھی

عالم کبیر، علامہ شیخ الاسلام فرید الدین اودھی، فقہی اعتبار سے شافعی المسلک تھے، اور دیارِ ہند کے مشاہیر افاضل میں سے تھے۔ اپنے دور میں علوم عربیہ، تفسیر، نحو اور لغت میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ علاقہ اودھ میں منصبِ شیخ الاسلام پر فائز تھے۔ شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی نے ان سے اخذِ علم کیا اور شیخ علاء الدین نیلی نے ان سے تفسیر کشاف پڑھی[۱۳۰]

۱۰۹- شیخ فرید الدین ناگوری

شیخ محمود بن علی بن حمید سعیدی سوالی ناگوری۔ ان کا لقب شیخ فرید الدین تھا اور لقب ہی سے مشہور تھے۔ ناگور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد ماجد سے جو عالم وصوفی تھے، اخذِ علم کیا اور ان کی تربیت میں رہے۔ پھر ان کی جگہ تلقین وارشاد کی مسند سنبھالی۔ اپنے دور کے جلیل القدر عالم وفقیہ تھے اور مشائخ کی جماعت میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان سے شیخ ضیاء الدین نخشبی اور بہت سے حضرات نے تحصیل کی۔ ان کی ایک تصنیف کا نام سرالصدور ہے، جو ان کے جدِ امجد کے حالات کو محیط ہے۔ اس میں اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے

---

۱۲۹ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۷۔ بحوالہ تذکرۃ الاصفیا۔

۱۳۰ اخبار الاخیار، ص ۹۳ - نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۸۔

اپنی صغر سنی میں، اپنے دادا کو پایا اور میرے والد نے مجھے ۲ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو اجازۂ حدیث عطا کیا، میرے دادا کا خرقہ پہنایا اور میرے لیے دعائے برکت کی۔ ۷۵۲ھ کو دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں تدفین ہوئی۔[۱۳۱]

۱۱۰۔ شیخ فرید الدین دولت آبادی

شیخ فرید الدین دولت آبادی "ادیب" کے لقب سے مشہور تھے۔ عالم و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ کبار مشائخ چشتیہ میں سے گردانے جاتے تھے۔ تصوف و طریقت میں شیخ برہان الدین محمد ہانسوی غریب کے شاگرد تھے اور طویل عرصہ تک ان سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ تصوف میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ شیخ برہان الدین غریب ان سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ شیخ برہان الدین غریب کی وفات سے تیرہ دن پہلے فوت ہوئے۔ تاریخ وفات ۲۵ محرم ۷۳۸ھ ہے۔[۱۳۲]

۱۱۱۔ شیخ فضل بن محمد ملتانی

شیخ فضل بن محمد بن زکریا اسدی قرشی ملتانی، شیخ فضل اللہ ملتانی کے نام سے موسوم تھے۔ فقیہ اور زاہد تھے اور رجال علم و معرفت سے تعلق رکھتے تھے اپنے والد شیخ محمد سے، جو شیخ صدر الدین کے لقب سے شہرت رکھتے تھے، اخذ فیض کیا اور منازل علم طے کیں۔ خود ان سے شیخ شمس الدین مصری محدث نے علم حاصل کیا۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے زمانے میں نائب وزیر تھے۔[۱۳۳]

۱۳۱ھ اخبار الاخیار، ص ۱۰۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹

۱۳۲ھ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹

۱۳۳ھ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۷۹

نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹

۱۱۲- مولانا فصیح الدین دہلوی

شیخ فصیح الدین دہلوی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے فضلائے نامور، فقہائے ماہرین اور علم و عمل میں ممتاز حضرات میں سے تھے۔ اصولِ فقہ کی تعلیم شیخ شمس الدین قونجی سے، قاضی محی الدین کاشانی کی مشارکت میں حاصل کی۔ باقی علوم وفنون کے لیے دیگر علمائے عظام کی خدمت میں حاضری دی۔ نہایت ذہین، ذکی، صحیح الفطرت، کثیر الدرس اور وسیع الافادہ تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو اپنے لڑکوں کے معلم مقرر کیا تھا۔ کئی سال تک اس خدمت پر مامور رہے۔ پھر اس منصب سے علیحدہ ہو گئے اور سب امور سے منقطع ہو کر زہد و عبادت کو زندگی کا مقصدِ وحید قرار دے لیا۔ طریقت و سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے شیخ نظام الدین اولیا کی طرف رجوع کیا اور خاصا عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ اپنے شیخ کی زندگی میں ہی وفات پائی۔[۱]

۱۱۳- قاضی فصیح الدین ہروی

امیر علاء الملک فصیح الدین ہروی خراسانی، فاضل آدمی تھے اور ممتاز فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ شہر ہرات کے قاضی تھے۔ بادشاہ ہند محمد شاہ تغلق کے زمانے میں وارد ہند ہوئے اور اس نے ان کی علمی قابلیت اور تنظیمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر لاہری اور اعمال لاہری میں بلادِ سندھ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اپنی سیاحت کے دوران میں ابن بطوطہ اس نواح میں آیا تو ان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بندرگاہِ لاہری اور قاضی فصیح الدین ہروی کا ذکر خاصی تفصیل سے کرتا ہے۔ ابن بطوطہ نے جن الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اس سے ان کے مرتبۂ بلند

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

جنگی تدبیروں اور دنیوی عزّ و جاہ کا پتا چلتا ہے۔

یہاں ہم ابن بطوطہ کے الفاظ اپنے قارئین کے مطالعہ میں لانا چاہتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

" قاضی علاء الملک فصیح الدین خراسانی، قاضی ہرات، ایک فاضل شخص تھے۔ بادشاہ (محمد تغلق) نے ان کو لاہری کا حاکم بنادیا۔ وہ بھی سرتیز کی مدد کو اپنا لشکر لے آئے۔ ان کا سامان، پندرہ بڑی کشتیوں میں لادا گیا تھا، جو وہ دریائے سندھ میں اپنے ہمراہ لائے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ لاہری جانے کا ارادہ کیا۔ قاضی علاء الملک کے پاس بڑی کشتی تھی، جسے آہورہ کہتے تھے۔ اس کے نصف حصے کو سیڑھیاں بنا کر اونچا کیا گیا تھا اور تختے لگا کر نشست کی جگہ بنائی گئی تھی۔ قاضی اس پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کے نوکر دائیں بائیں اور سامنے بیٹھتے تھے۔ چالیس ملاح اس کشتی کو کھیتے تھے۔ چار چھوٹی کشتیاں اور تھیں۔ دو دائیں طرف رہتی تھیں، دو بائیں طرف۔ دو کشتیوں میں طبل اور نقارہ، علم اور سرنائی وغیرہ ہوتے تھے اور دو کشتیوں میں اہل طرب بیٹھتے تھے۔ جب کشتی چلتی تھی، تو کبھی نوبت بجائی جاتی اور کبھی مطرب راگ گانے لگتے۔ وہ صبح سے لے کر دوپہر تک گاتے بجاتے چلے جاتے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا اور سب کشتیاں پہنچ جاتیں تو دستر خوان بچھایا جاتا۔ جب تک امیر علاء الملک کھانا کھاتے، یہ لوگ گانا بجایا کرتے۔ اور آخر میں خود کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی کشتیوں میں چلے جاتے۔ جب رات ہوتی تو کشتیاں دریا کے کنارے کھڑی کر دی جاتیں اور خشکی پر خیمے نصب کر دیے جاتے، جہاں امیر علاء الملک شب باش ہوتے۔ جب سارا لشکر رات کا کھانا کھا چکتا اور عشا کی نماز سے فارغ ہو جاتا تو چوکیدار باری باری آتے۔ جب ایک چوکیدار اپنی باری ختم کر لیتا تو پکار کر کہتا " اے اخوند! اتنی گھڑیاں رات گزر چکی ہے۔" صبح ہوتی تو پھر نوبت اور نقارے بجنے شروع ہو جاتے۔ فجر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا جاتا اور کشتیاں چل پڑتیں۔ اگر امیر دریا کے ذریعے جانا چاہتا تو کشتی میں بیٹھ جاتا اور اگر خشکی کے راستے سفر کرنا مقصود ہوتا تو سب سے آگے نوبت اور نقار خانہ ہوتا۔

ان کے بعد حاجب اور حاجبوں کے آگے چھ گھوڑے ہوتے۔ تین پر نقارے ہوتے اور تین پر سرنا اور نفیری والے۔ جب کسی گاؤں یا اونچی زمین میں پہنچتے تو طبل اور نقارے بجائے جاتے اور جب دن کے کھانے کا وقت ہوتا تو ٹھہر جاتے۔ میں امیر علاء الملک کے ساتھ پانچ روز رہا۔ پانچویں دن ہم لاہری پہنچے۔ یہ خوب صورت شہر سمندر کے کنارے واقع ہے۔ قریب ہی دریائے سندھ سمندر میں جا گرتا ہے۔ یہ شہر بڑی بندرگاہ ہے۔ یمن اور فارس کے جہاز اور تاجر اس میں بکثرت آتے ہیں، اور اسی لیے یہ شہر بڑا مال دار ہے اور اس کے محاصل بھی زیادہ ہیں۔ امیر علاء الملک مجھ سے کہتے تھے کہ اس بندرگاہ کے محاصل ساٹھ لاکھ دینار سالانہ ہیں اور ان کو اس سے بیسواں حصہ ملتا ہے، یعنی عشر کا نصف۔ اور اسی شرح پر بادشاہ اپنے کارندوں کو علاقے سپرد کرتا ہے۔ ایک روز میں امیر علاء الملک کے ساتھ سیر کو گیا۔ شہر سے سات کوس کے فاصلے پر ایک میدان ہے، جس کو تارنا کہتے ہیں۔ وہاں بے شمار آدمیوں اور حیوانوں کی پتھر کی مورتیں کچھ ثابت اور کچھ ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں، اور غلہ اور گیہوں اور چنا اور مسری وغیرہ پڑے ہیں فصیل اور مکانوں کی دیواروں کے سامان کا ڈھیر ہے۔ کھنڈروں میں کھدے ہوئے پتھر کا ایک گھر ہے۔ اس کے وسط میں ایک چبوترہ ہے، جو ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس پر ایک آدمی کا بت ہے۔ اس آدمی کا سر ذرا لمبا ہے اور منہ ایک طرف پھرا ہوا ہے۔ دونوں ہاتھ کمر سے کسے ہوئے ہیں۔ اس جگہ نہایت بدبودار پانی کھڑا ہوا تھا۔ بہت سی دیواروں پر ہندی زبان اور ہندی رسم الخط میں لکھے ہوئے کتبے ہیں۔"

امیر الملک کہتے تھے کہ اس ملک کے مورخوں کا خیال ہے کہ یہ شہر تباہ ہو گیا تھا، اور چبوترے پر جو بُت نصب ہے، وہ بادشاہ کا تھا۔ چنانچہ اب بھی لوگ اس گھر کو راجہ کا محل کہتے ہیں۔ دیواروں کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی بربادی تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔ میں امیر الملک کے پاس

پانچ روز ٹھہرا۔ اس نے بدرجۂ غایت میری خدمت اور خاطر و مدارات کی اور میرے لیے زادِ راہ بھی تیار کرایا۔"[۱۳۵]

۱۱۴۔ شیخ فیروزہ دہلوی

شیخ فیروزہ دہلوی کا لقب شیخ شرف الدین تھا۔ مردِ صالح، عالم بے مثل، فاضلِ یگانہ، پیکرِ ذہانت و فطانت، اوصافِ فضل و صلاح سے متصف اور زیورِ ورع و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا سے اخذِ فیض کیا۔ امرا و اغنیا اور ملوک و وزرا سے بے نیاز رہتے۔ نہ ان کے دروازے پہ حاضری دیتے، نہ ان کی طرف ملتفت ہوتے اور نہ ان سے تحائف و ہدایا قبول کرتے۔ اسی نوع کی خوبیوں اور تدیّن کی بنا پر عوام میں بے حد مقبول تھے اور لوگ ان کے فضل و کمال کی وجہ سے ان کے گرویدہ اور معتقد تھے۔ دیوگیر میں فوت ہوئے۔[۱۳۶]

ق

۱۱۵۔ شیخ قاسم بن عمر دہلوی

فاضلِ کبیر شیخ قاسم بن عمر دہلوی، شیخ نظام الدین اولیا کے بھانجے ہوتے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ مولانا جلال الدین دہلوی سے قرآن مجید حفظ کیا اور باقی علوم کی تحصیل کی۔ ہدایہ، بزدوی، مشارق الانوار، تفسیر کشاف اور باقی کتبِ درسیہ ان ہی سے پڑھیں اور بہت مدت تک ان سے وابستہ رہے۔ نہایت ذکی اور عمدہ سیرت و طبیعت کے مالک تھے۔ تفسیر

---

[۱۳۵] رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۶ تا ۱۰۔

[۱۳۶] نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۱۳۔

قرآن کے موضوع سے متعلق، لطائف التفسیر کے نام سے ان کی ایک تصنیف ہے، جو قرآن مجید کے لطائف و اسرار اور معارف و نکات کو محتوی ہے۔[۱۳۷]

ک

۱۱۶- مولانا کریم الدین جوہری

فاضلِ یگانہ شیخ کریم الدین جوہری دہلوی، علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی میں فقہ، اصول اور علومِ عربیہ کے ماہر عالم تھے۔ دار السلطنت دہلی میں ان کا سلسلۂ درس جاری تھا، جس سے ذوقِ علمی رکھنے والوں کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔[۱۳۸]

۱۱۷- مولانا کمال الدین سامانوی

فاضلِ اجل، علامۂ عصر، شیخ کمال الدین سامانوی، اپنے دور کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں طویل عرصہ تک دہلی میں مسندِ درس بچھائے رکھی، جس سے بے شمار اہلِ علم نے استفادہ کیا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے دہلی سے دولت آباد چلے گئے تھے۔ وہاں بھی مسندِ تدریس کو رونق بخشی اور زندگی بھر یہی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان سے جن حضرات نے تحصیل کی، ان میں شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی کا اسمِ گرامی شامل ہے۔[۱۳۹]

۱۳۷ھ نزہۃ الخواطر، جلد ۱، ص ۱۱۳- بحوالہ سیر الاولیا۔

۱۳۸ھ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۵۳- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۴-

نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۱۵-

۱۳۹ھ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۴، نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۱۶- بحوالہ روضۃ الاولیا۔

۱۱۸- مولانا کمال الدین دہلوی

عالم و فاضل شیخ کمال الدین بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عمر حنفی صوفی دہلوی اپنے علم و فضل کی وجہ سے علامہ کے نام سے مشہور تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ معروف بزرگ شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے۔ علاقہ اودھ میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی میں حصولِ علم میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ فضائلِ علمیہ میں مہارت پیدا کر لی اور افتاء و تدریس کی اہلیت سے مالامال ہوئے۔ بعد ازاں اپنے ماموں شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی سے تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی اور طویل عرصہ تک دہلی میں اقامت گزین رہے۔ پھر عازمِ گجرات ہوئے۔ اس نواح میں حسنِ قبول حاصل کیا اور بہت بڑی اکثریت ان کی نیکی و تدوین اور علم و فضل کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو گئی۔ وہاں خاصی مدت تک مقیم رہے۔ گجرات سے پھر دہلی تشریف لے گئے اور ۲۷ ذی القعدہ ۷۵۶ھ کو دہلی میں وفات پائی۔[۱۴۰]

۱۱۹- مولانا کمال الدین سنتوسی

فاضل یگانہ علامہ شیخ کمال الدین سنتوسی بہاری، فقہ، اصول، کلام اور علوم عربیہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ صوبہ بہار کے ایک گاؤں سنتوس کے رہنے والے تھے اور وہیں طلبا کو درس دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری نے ان کو ایک رسالہ لکھا جس کا موضوع یہ تھا کہ اللہ کی معرفت کے لیے عقل کافی ہے یا نہیں۔[۱۴۱]

---

[۱۴۰] تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۷۳- نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۱۶- بحوالہ خزینۃ الاصفیاء۔

[۱۴۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۱۸-

۱۲۰- شیخ کمال الدین مالوی

شیخ کمال الدین بن بایزید بن نصیر الدین بن فرید الدین مسعود اجودھنی مالوی، بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی اولاد سے تھے۔ تدین و نیکی میں مشہور تھے۔ علم فقہ کے زبردست عالم تھے۔ کبار مشائخ چشتیہ میں سے گردانے جاتے تھے۔ علم طریقت شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کیا اور خاصہ عرصہ ان کی ملازمت میں رہے۔ پھر شیخ نے ان کو مالوہ تشریف لے جانے اور وہاں کے لوگوں میں رشد و ہدایت کی تبلیغ کرنے کی اجازت دی۔ یہ مالوہ گئے تو بے شمار غیر مسلموں نے ان کی تبلیغی مساعی سے اسلام قبول کیا۔ یہ علاقہ مالوہ کے ایک گاؤں "دھار" میں مقیم تھے اور ان کا حلقۂ اثر بہت وسیع تھا۔[۱۴۲]

م

۱۲۱- شیخ محمد بن احمد بدایونی۔ نظام الدین اولیا[۲]

شیخ نظام الدین اولیاؒ کا اسم گرامی محمد اور والد مکرم کا احمد تھا۔ محبوب الٰہی، سلطان السلاطین، سلطان الاولیا، سلطان المشائخ اور نظام الدین اولیا القاب تھے۔ سلسلۂ نسب اٹھارہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شیخ نظام الدین اولیا کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا اور لاہور سے بدایوں گیا اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت شیخ شہر بدایوں میں ماہ صفر ۶۳۴ھ کو پیدا ہوئے۔

ابھی پانچ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آپڑی، جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی۔ اسی شہر میں مولانا علاء الدین اصولی سے فقہ کی کتاب قدوری ختم کی۔ انھوں

---

۱۴۲ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۱۹

نے اپنے اس ہونہار شاگرد کے سر دستارِ فضیلت باندھنے کی تقریب میں، علماو مشائخ کو مدعو کیا۔ اس مبارک تقریب میں شیخ کی شکل دیکھ کر بعض بزرگوں نے کہا کہ اس لڑکے کا سر کبھی کسی شخص کے آگے نہیں جھکے گا۔

مزید تعلیم کے لیے والدہ مکرمہ دہلی لے گئیں۔ دہلی شہر اس زمانے میں علماو فضلا کا گہوارہ تھا اور اصحابِ کمال کی بہت بڑی جماعت اس میں فروکش تھی، جن میں مولانا شمس الدین دامغانی کو بڑا امتیاز حاصل تھا۔ فرماں روائے ہند غیاث الدین بلبن کے نزدیک یہ بہت ہی قدر و منزلت کے مالک تھے۔ اس نے ان کے اوصافِ گوناگوں سے متاثر ہوکر ان کو شمس الملک کا خطاب دیا اور "مستوفی ممالک" کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ اس وقت کے مشہور شاعر تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

شمسا کنوں بکامِ دلِ دوستاں شدی　　مستوفی ممالک ہندوستاں شدی

اس عہدۂ جلیلہ پر متعین ہونے سے پہلے، وہ دیارِ ہند میں، درس و تدریس کے لیے مشہور تھے اور طالبانِ علم ان کی تدریسی خوبیوں اور علمی فراوانیوں کی وجہ سے ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ دہلی میں شیخ نظام الدین کو ان ہی کے حلقہ درس میں داخل کیا گیا۔ مولانا شمس الدین دامغانی نے ان کو نہایت التفات و توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ وہ اپنے عزیز اور فہیم و ذہین طلبا کو اپنے حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ یہ شرف ان کے تین شاگردوں کو حاصل تھا، اور وہ تھے۔ قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبدالباقی اور شیخ نظام الدین۔ مولانا شمس الدین دامغانی کے اندازِ تدریس سے طلبا بہت مطمئن تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی شاگرد درس سے غیر حاضر ہوتا تو اس سے ازراہِ مذاق کہتے، میں تمھاری کیا خطا کر بیٹھا کہ تم درس میں حاضر نہ ہوئے۔ مجھے بتاؤ تاکہ میں پھر وہی غلطی کا ارتکاب کروں اور تم آئندہ بھی حاضر درس نہ ہو سکو۔ لیکن اگر شیخ نظام الدین ناغہ کرتے اور وہ استاذ کی خدمت میں جاتے تو ان کو دیکھ کر کچھ کہنے کے بجائے یہ شعر پڑھتے:

بازے کم از آنکہ گاہ گاہے آئی و بما کنی نگاہے

شیخ نے مولانا شمس الدین دامغانی سے مقاماتِ حریری کے چالیس مقامات پڑھے اور زبانی یاد کیے۔ بعد ازاں مولانا کمال الدین زاہد کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے مشارق الانوار کا درس لیا۔ مولانا کمال الدین اپنے عہد کے اس درجہ جلیل القدر عالم اور صاحبِ اتقا بزرگ تھے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اُن کے تقویٰ و دیانت اور تبحر علم کی شہرت سُن کر ان کو اپنے پاس بلایا اور عرض کیا۔ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمالیں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے بارگاہِ خداوندی میں میری نمازیں درجہ قبولیت حاصل کر لیں۔ لیکن مولانا نے ایک ادائے استغنا کے ساتھ بادشاہ کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا آپ اس کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں؟۔ بادشاہ نے یہ دوٹوک جواب سُن کر چپ سادھ لی اور معذرت کر کے ان کو واپس بھیج دیا۔ شیخ نظام الدین نے کتبِ احادیث ان ہی سے پڑھیں۔ شیخ قرآنِ مجید کے حافظ بھی تھے۔ ان کو علوم سے اس قدر لگاؤ تھا کہ سلسلۂ تدریس برابر جاری رکھا۔ اپنے مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے عوارف المعارف اور تمہید ابو شکور سالمی پڑھی۔ جہاں یہ بلند پایہ صوفی اور صاحبِ طریقت بزرگ تھے، وہاں ان ہی مشاغل درس و تدریس کی وجہ سے ان کا شمار وقت کے متبحر اور جید علمائے کرام میں بھی ہوتا تھا۔ اسی لیے اُن کی خانقاہ میں رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا شغل بھی جاری رہتا۔ ان کے مرشد کی خاص طور سے ان کو یہ ہدایت تھی کہ یہ سلسلہ ہر حال اور ہر صورت میں جاری رہنا چاہیے۔

دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاؒ بلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ اس سے قریب ہی، شیخ فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کی قیام گاہ تھی جو ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ تھے۔ ان کی ہمہ وقتی صحبت و رفاقت کی وجہ سے شیخ نظام الدین کے دل میں بابا گنج شکر کی زیارت و ملاقات کا شوق موج زن ہوا۔ ایک شب، دہلی کی جامع مسجد میں مقیم تھے کہ صبح کے وقت موذن

نے مسجد کے منار پر چڑھ کر یہ آیت تلاوت کی:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ [۱۴۳]

قرآن کے یہ الفاظ سنتے ہی ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور باباگنج شکر کی زیارت و ملاقات کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب اجودھن (پاک پٹن) پہنچے تو باباصاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ | سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہِ چہار ترکی اپنے سر سے اتار کر مرید کے سر پہ رکھ دی۔

حضرت شیخ ۱۵ ؍ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ؍ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک اپنے اس عظیم مُرشد کی خدمت میں تعلیم و تربیت کی مختلف منزلیں طے کرتے رہے۔

شیخ نظام الدین اولیا کی زندگی متعدد مراحل سے گزری۔ تکلیف اور سخت آزمائش و مشکلات کا زمانہ بھی دیکھا۔ مگر ان پر کبھی اضطراب اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری نہیں ہوئی۔ بادشاہِ ہند سلطان جلال الدین خلجی نے کئی مرتبہ کچھ دیہات ان کی نظر کرنا چاہے تاکہ خانقاہ میں رہنے والوں کی مالی دشواریاں ختم ہوجائیں، مگر انھوں نے اس کی اس پیش کش کو قبول کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ پھر بعض شاہانِ ہندوستان نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے ملاقات کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن انھوں نے ان کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی، صرف اس لیے کہ وہ ملوک و سلاطین کی مجلسوں میں بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے اور اس کو علما و مشائخ کے وقارِ علمی اور مقامِ مشیخت کے منافی سمجھتے تھے۔ بارہا گھر میں کچھ کھانے کو نہ ہوتا مگر وہ کسی کے دروازے پر دستک نہ دیتے۔ جس دن گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تو اُن کی والدہ کہتیں، آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔ حضرت شیخ کو ماں کے ان الفاظ سے بڑی روحانی لذت حاصل ہوتی۔ جب گھر میں کچھ کھانے کو ہوتا تو افسوس کرتے کہ آج والدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔

---

[۱۴۳] یہ سورہ حدید کی آیت نمبر ۱۳ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے: کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے گڑگڑانے لگیں۔

شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے جن سلاطینِ ہند کا زمانہ پایا، ان میں ایک بادشاہ سلطان غیاث الدین تغلق تھا۔ یہ دین دار، نیک، حق شناس اور پرہیزگار بادشاہ تھا۔ بلادِ ہند میں، احکامِ شریعت کے اجرا و نفاذ کے لیے اس نے مفتیوں، قاضیوں، محتسبوں اور مختلف مناصب پر متعین لوگوں کو خاص طور سے ہدایات جاری کر رکھی تھیں۔ مشہور مؤرخ قاضی ضیاء الدین برنی اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

از برائے جریانِ احکامِ شریعت، قاضیان و مفتیان و داد بک و محتسبانِ عہدِ او را آبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود[۱۴۴]

شیخ نظام الدین اولیا سماع کے قائل تھے، بعض علما نے جو درحقیقت سماع کے مخالف نہ تھے بلکہ خود شیخ کی ذات سے حسد و کدورت رکھتے تھے، بادشاہ کی دین داری اور پابندیٔ شرع کی بنا پر اس سے سماع کی مخالفت میں ایک عام حکم شاہی جاری کرا دیا۔ لیکن شیخ کی محفل میں بدستور سلسلۂ سماع جاری رہا۔ علما نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو بادشاہ نے ایک محضر طلب کیا، جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے تمام مشائخ و علما کو جمع کیا گیا۔ شیخ نے بھی اہلِ علم کی اس مجلس میں شرکت فرمائی۔ بحث شروع ہوئی تو فریقین کی طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت میں دلائل پیش کیے گئے۔ طلوعِ آفتاب کے ذرا بعد سے لے کر زوالِ آفتاب تک مناظرہ ہوتا رہا، اور دونوں جانب سے اپنے حق میں دلائل کی گرم بازاری رہی۔ شیخ نے نفس غنا کے جواز میں حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا، تم مقلد ہو، تمھیں حدیث سے کیا مطلب؟ اگر فقہ حنفی کی رُو سے کوئی روایت یا دلیل ہے، تو پیش کرو۔ یہ سُن کر شیخ نے فرمایا۔ وہ ملک کیوں کر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبویؐ پر ترجیح دی جاتی ہو۔[۱۴۵]

---

[۱۴۴] تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۴۱۔

[۱۴۵] علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم اس واقعہ پہ اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لیکن

بحث نے طول پکڑا تو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے، جو اس زمانے کے جید عالم تھے اور جن سے سلطان غیاث الدین تغلق بھی اعتقاد رکھتا اور احترام سے پیش آتا تھا، شیخ کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا، جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے شیخ کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مجلسِ علماء سے رخصت کیا۔ وہ خانقاہ میں واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاءالدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"دہلی کے فقہا مجھ سے عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے اب کھلا میدان پایا اور بہت ہی پُراز عداوت باتیں کیں اور آج تو ایک بہت ہی تعجب انگیز بات دیکھنے اور سننے میں آئی، وہ یہ کہ استدلال کے موقع پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں سننے کے لیے تیار نہ تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارے اس شہر میں فقہی روایات پر عمل کرنا حدیث سے مقدم اور اولیٰ سمجھا جاتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس عظیم الشان مناظرہ میں کون سی حدیثِ صحیح پیش ہوئی تھی تاکہ اس عہد کی حدیث دانی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ مورخ فرشتہ شیخ کے حال میں لکھتا ہے۔ "قاضی رکن الدین... شیخ را گفت، اے درویش! در بابتِ سرود و سماع چہ حجت داری، شیخ بحدیث نبوی "السماع مباح لاھلہ" متمسک بہ گشت۔ قاضی گفت ترا بحدیث چہ کار تو مردِ مقلدی، روایت از ابوحنیفہ بیار تا بمعرض قبول افتد۔ شیخ گفت، سبحان اللہ، من حدیثِ صحیح مصطفوی نقل می کنم و تو از من روایت ابو حنیفہ می خواہی۔ شاید کہ ترا رعونتِ حکومت بریں می دارد، زود ازیں عہدہ معزول می شوی..... پادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید، متفکر شدہ، ہیچ نہ گفت"

اس کے بعد ان الفاظ کے بارے میں، جو شیخ نظام الدین اولیأ نے بطورِ حدیثِ رسولِ اکرمؐ بیان کیے۔ سید صاحب مرحوم لکھتے ہیں "اس فقرہ کو حدیث کہنا شاید فرشتہ کی غلطی ہو، یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں بطور فتویٰ نقل کیا ہے۔" (مقالاتِ سلیمان۔ حصہ دوم۔ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ص ۷)

اور اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ جب آنحضرتؐ کی صحیح حدیث بیان کی گئی تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علما (احناف) کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ حاکم کے سامنے فقہا مغرورانہ بحث کرتے ہیں اور صحیح احادیث کو نہیں مانتے۔ میں نے ایسا کوئی عالم نہ دیکھا، نہ سنا، جس کے سامنے آنحضرتؐ کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے اور نہیں سُنتے۔ یہ کیسا زمانہ ہے۔ یہ شہر جس میں ایسی مغرورانہ بحث ہو، کیسے آباد رہ سکتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ بادشاہ، امرا اور عوام، قاضی شہر اور علمائے شہر سے یہ سن کر کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا، کس طرح آنحضرتؐ کی حدیثوں پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہیں۔ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شہر کے علما کی اس بداعتقادی کی وجہ سے کہیں شہر پر وبا اور قحط نہ نازل ہو جائے"۔

تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس واقعہ کے چار سال بعد دہلی شہر واقعی، قحط و وبا سے تباہ ہوگیا۔ پھر جب سلطان محمد تغلق نے اپنا دارالسلطنت دہلی کے بجائے دیوگیر بنایا تو اس دَور میں خود علمائے دہلی بھی کئی قسم کے مصائب میں مبتلا ہوئے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شیخ کی مخالفت میں اور حرمتِ سماع سے متعلق جو عالم و فقیہ سب سے پیش پیش تھے۔ وہ قاضی جلال الدین ولوالجی تھے۔ اُن کا اندازِ کلام جارحانہ تھا مگر اس کے برعکس شیخ انتہائی تحمل اور متانت و وقار سے بات کرتے تھے۔ شیخ نے ان سے کہا، اگر آپ حکومت کے بل بوتے پر اور اقتدار کے زعم میں یہ اندازِ گفتگو اختیار کیے ہوئے ہیں تو اپنے آپ کو اس اقتدار سے معزول سمجھیے۔ چنانچہ اس سے ٹھیک بارہ دن بعد انھیں منصب قضا سے الگ کر دیا گیا

حضرت شیخ نظام الدین اولیا حنفی المسلک تھے لیکن بعض اہم مسائل فقہی میں ان کا عمل مسلک احناف کے خلاف تھا۔ مثلاً نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے

کے قائل تھے اور خود بھی سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس پر بعض حضرات نے ان کو جب آنحضرتؐ کا یہ فرمان سنایا کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھتا ہے تو اس کے منہ میں انگارا ڈالا جائے گا[۱۴۶] تو شیخ نے جواب میں فرمایا۔ ایک طرف یہ وعید ہے اور دوسری طرف صحیح حدیث میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔[۱۴۷] یہ حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں بطلانِ نماز پر دلالت کرتا ہے۔ میں وعید کا متحمل تو ہو سکتا ہوں کہ اللہ قیامت کے روز اس کی سزا دے دے گا لیکن یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ میری نماز اللہ کے نزدیک باطل قرار پا جائے جبکہ اصول کا یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ احوط پر عمل کی دیواریں استوار کی جائیں اور خلاف سے دامن کشاں رہا جائے۔

اسی طرح وہ صلوٰۃ الجنازہ علی الغائب کے جواز کے بھی قائل تھے۔ اس ضمن میں وہ اس مشہور اور صحیح حدیث سے استدلال کرتے تھے، جو اس ضمن میں کتب احادیث میں موجود ہے[۱۴۸]

فرمایا کرتے تھے، جب تم کوئی حدیث سنو اور اس کو کتب صحاح میں نہ پاؤ تو اسے رد نہ کرو بلکہ یہ کہو کہ ہمیں یہ حدیث ان کتب حدیث میں نہیں ملی، جو علمائے حدیث

---

[۱۴۶] مولانا عبدالحی فرنگی محلی حنفی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: لا اثر لہ فی کتب المحدثین الثقات ولا طریق لرفعہ عند الاثبات۔ (امام الکلام (ص ۱۳۲)

یعنی کتب محدثین ثقات میں اس حدیث کا کہیں کچھ نام و نشان نہیں ہے اور اثبات کے نزدیک اس کا کوئی طریق مرفوع نہیں ہے۔

[۱۴۷] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہے۔ یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے اور بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔

[۱۴۸] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی، شاہ حبشہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا فصل اول (بحوالہ بخاری و مسلم)

کے نزدیک مقبول اور متداول ہیں اور جو اُمت میں تلقی بالقبول کا درجہ رکھتی ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بدرجہ غایت محبت رکھتے تھے۔
وفات سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ فرما رہے ہیں : نظام ! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس خواب کے بعد سفرِ آخرت کے لیے بے چین ہو گئے۔
کہتے ہیں، وفات سے چالیس روز قبل کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا اور آنکھوں سے ہر آن آنسو جاری رہتے تھے۔ کوئی کھانے پینے کی درخواست کرتا تو فرماتے۔
کسے کہ مشتاقِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشد او طعامِ دنیا چگونہ۔
مرض نے شدت اختیار کی تو دوا استعمال کرنے کے لیے عرض کی گئی۔ فرمایا
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست۔
برصغیر پاک و ہند کی اس عظیم شخصیت نے بدھ کے روز ۱۸ ربیع الاوّل، ۷۲۵ھ کو دہلی میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔[۱۴۹]

۱۲۲- شیخ محمد بن احمد معبری

شیخ محمد بن احمد بن محمد بن منصور معبری کا لقب جلال الدین تھا۔ معروف رجالِ فضل و صلاح میں سے تھے۔ فقہ میں دست گاہِ کامل رکھتے تھے۔ تصوف و طریقت میں بھی بلند مرتبہ کے حامل تھے اور اس ضمن میں شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اُوچی کے شاگرد تھے۔ ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ جلال الدین نے ان کو شرف اجازہ سے نوازا اور اُن کو تحریری صورت میں سند و اجازہ عطا کی اور

---

[۱۴۹] ان کے حالات کے لیے درج ذیل کتابیں دیکھیے۔
سیر العارفین، سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس، سیر الاولیا، خزینۃ الاصفیا، تاریخ فرشتہ، سیر الاقطاب، مونس الارواح، مرأۃ الاسرار، سفینۃ الاولیا، تاریخ فیروز شاہی، اخبار الاخیار، فوائد الفواد، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر، ج ثانی اور بزم صوفیہ وغیرہ۔

وہی ہدایات دیں جو دیگر مشائخ کو دیا کرتے تھے۔ شیخ جلال الدین کی زندگی ہی میں دہلی میں فوت ہوئے۔[۱۵۰]

۱۲۳۔ قاضی محمد بن برہان ہانسوی

شیخ قاضی محمد بن برہان ہانسوی کا لقب کمال الدین تھا۔ ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا ہے۔ اپنے ماموں علامہ شیخ فخر الدین ہانسوی سے، شیخ فخر الدین زرادی کی شرکت میں تحصیلِ علم کی۔ علمی بحث و گفتگو میں بدرجہ غایت تیز تھے۔ علم میں اس قدر مہارت پیدا کی کہ افتا و تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ ابتدا میں قاضی مقرر کیے گئے، پھر غیاث الدین تغلق کے عہد میں پورے ہندوستان کے قاضی القضاۃ کے منصبِ جلیلہ پر پہنچے اور سلطان محمد شاہ تغلق کے عہدِ آخر تک اس مسندِ بلند پر متعین رہے۔ محمد شاہ تغلق اپنے ظلم و جور اور غیظ و غضب کے باوجود ان کو اپنا مقرب و ندیم سمجھتا تھا۔[۱۵۱]

۱۲۴۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم ارموی ہندی صفی الدین

شیخ الامام العالم الکبیر محمد بن عبدالرحیم بن محمد۔ ان کا لقب شیخ صفی الدین تھا۔ شافعی المسلک تھے اور مشاہیر علمائے ہند میں سے تھے۔ دیارِ ہند میں ربیع الثانی ۶۴۴ھ کو پیدا ہوئے اور اپنے نانا سے اخذِ علم کیا۔ رجب ۶۶۷ھ میں دہلی سے نکلے اور داخلِ یمن ہوئے۔ وہاں کا امیر مظفر ان سے نہایت اکرام سے پیش آیا اور نو سو دینار عطا کیے۔ وہاں سے حج کے لیے تشریف لے گئے اور تین مہینے مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ پھر ۶۶۷ھ میں قاہرہ گئے اور وہاں سے بلادِ روم میں داخل ہوئے اور قونیہ اور سیواس میں گھومتے رہے۔ ۶۸۵ھ میں ان بلاد و امصار سے نکلے اور واردِ دمشق ہوئے اور اس کو اپنا

---

۱۵۰ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲۸ و ۱۲۹۔ بحوالہ خزانۃ الفوائد و جامع العلوم

۱۵۱ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲۹۔

وطن قرار دے لیا۔ دمشق میں فخر الدین بخاری سے سماعِ علم کیا اور مدرسۂ اتابکیہ، مدرسۂ ظاہریہ مدرسۂ جوانیہ، مدرسۂ رواحیہ اور مدرسۂ دلقیہ میں شائقینِ علم کو درس دیتے اور فتاوے لکھتے رہے۔ دمشق میں انھوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں علم کلام اور اصولِ دین کے موضوع سے متعلق الزبدہ، اصولِ فقہ کے بارے میں النہایہ، الفائق اور الرسالۃ التبعیہ شامل ہیں، جو اپنے موضوع کی بہترین تصنیفات ہیں، بالخصوص النہایہ تو انتہائی عمدہ کتاب ہے۔

علامہ محمد بن عبد الرحیم ہندی امام ابو الحسن اشعریؒ کے مذہب اور اس کے اسرار و نکات پر سب سے زیادہ عبور و مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے صاحب تلخیص قاضی سراج الدین کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا۔ شیخ محمد بن عبد الرحیم نہایت بدخط تھے اور ساتھ ہی بڑے نکتہ سنج اور ظریف بھی تھے۔ طبیعت میں بہت سادگی تھی۔ خود ہی اپنا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کتابوں کی دکانوں میں گھوم رہے تھے کہ وہاں ایک کتاب پر نظر پڑی جس کو دیکھتے ہی یہ یقین ہو گیا کہ یہ کتاب ان کے خط سے بھی زیادہ بدخطی کا نمونہ پیش کر رہی ہے اور صرف اس لیے مہنگے داموں خرید لی کہ اگر کوئی انھیں بدخط قرار دے گا تو یہ کتاب اس کے آگے رکھ دیں گے اور اسے بتائیں گے کہ یہ کتاب ان کے خط سے بھی زیادہ بدخطی کی مظہر ہے۔ اس میں لطیفے کی بات یہ ہے کہ جب گھر میں آ کر اسے اچھی طرح دیکھا اور اپنے خط سے اس کا مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کئی سال پہلے خود ان ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

یہ امام ابن تیمیہ کے معاصر تھے اور دمشق میں بعض مسائل پر اُن کا امام سے مناظرہ بھی ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ جب علمائے وقت نے کچھ مسائل میں امام ابن تیمیہ کی رائے سے اظہارِ اختلاف کیا اور امام نے اپنے حق میں دلائل پیش کرنا شروع کیے تو امیر تنکز پاشا کے نائب السلطنت امیر جمال الدین آخوش الافرم کے سامنے ۱۲ رجب ۷۰۵ھ کو دار السعادہ میں ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں علما کی ایک جماعت کو بلایا گیا۔ شیخ محمد بن عبد الرحیم، حلقۂ علمائے کرام میں شیخ صفی الدین ہندی کے نام سے معروف تھے۔ بڑی

جامع و مانع تقریر کرتے تھے۔ جس مسئلہ کو زیر بحث لاتے، اس کے تمام متعلقات کو پوری وضاحت سے بیان کرتے اور اس کا کوئی گوشہ تشنۂ تحقیق نہ رہنے دیتے۔ اس لیے علما نے رائے دی کہ شیخ ہندی کو مدعو کیا جائے اور ان کو اس بحث کے نگرانِ اعلیٰ مقرر کیا جائے۔ چنانچہ علمائے شام کے اتفاق رائے سے شیخ صفی الدین ہندی کو بلایا گیا اور بحث و مناظرہ کی نگرانی کا منصب انھیں عطا گیا۔ مختلف مسائل زیرِ بحث آئے اور امام کی تصنیفات کے اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ شیخ ہندی جس موضوع سے متعلق بات شروع کرتے، اپنی عادت کے مطابق اس پر طویل تقریر کرتے، مگر امام ابن تیمیہؒ اس کے عادی نہ تھے۔ وہ دو ٹوک بات کرنا چاہتے تھے، اس لیے اپنی تیزیٔ طبع کی بنا پر شیخ ہندی کی تقریر کے دوران میں اُن سے الجھنے لگے۔ بہرحال امام چونکہ علم کے بحر ذخار تھے اور علوم و فنون پر ان کی نظر وسیع اور ہمہ گیر تھی۔ اس لیے شیخ ہندی ان کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ انھوں نے متعدد پہلوؤں سے امام کو گھیرنے کی کوشش کی مگر وہ کسی طرح بھی ان کی گرفت میں نہ آئے تو شیخ کو جھنجھلا کر کہنا پڑا۔

ما اراك يا ابن تيمية الا كالعصفور حيث اردت ان اقبضه من مكان يفر الى مكان اخر[۱۵۲]

یعنی اے ابن تیمیہ! میں تمھیں ایک چڑیا کی مانند پاتا ہوں، جب اسے کسی جگہ پر پکڑنا چاہوں تو اڑ کر دوسری جگہ چل جاتی ہے۔

امام ابن تیمیہ کی وسعتِ علم، اندازِ استدلال، حاضر جوابی، آیات واحادیث پر بے پناہ عبور و استحضار اور ان کا مناسب مواقع پر انطباق، منطقیانہ اسلوبِ بحث اور زوردار طرزِ بیان۔ یہ وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے اُن کا مقابلہ شیخ ہندی کے لیے ممکن نہ تھا۔ لہٰذا مجبوراً انھیں میدان چھوڑنا پڑا اور ان کے بجائے مخالفین

۱۵۲ھ طبقات الشافعیہ، ج ۵، ص ۲۴۰

کو شیخ کمال الدین ابن زملکانی کو مناظرے کے نگران مقرر کرنا پڑا۔
شیخ صفی الدین ہندی علم منطق پر خاصی نگاہ رکھتے تھے، چنانچہ امام کے ساتھ بحث کرتے ہوئے انھوں نے ایک مرتبہ منطقی نہج استدلال اختیار کیا تو امام اس سے بہت خوش ہوئے۔ اس کے علاوہ باقی علوم میں وہ زیادہ عبور نہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید کے بارے میں بھی ان کا علم بہت محدود تھا۔ لب و لہجہ عربی نہ تھا، اس میں ہندی کی آمیزش تھی۔ عقیدہ کے اعتبار سے مذہب سلف کے پابند تھے۔ آخر صفر ۷۱۵ھ میں فوت ہوئے[۱۵۳]

۱۲۵- شیخ محمد بن محمد صغانی

عالم اجل شیخ محمد بن محمد بن سعید بن عمر بن علی صغانی۔ ان کا لقب علامہ ضیاء الدین ہندی تھا۔ حنفی مسلک کے حامل تھے۔ شیخ جمال مطری سے ابوالیمن بن عساکر کے واسطے سے صحیح بخاری کی سماعت کی اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کا درس لیا اور شیخ علی قطب بن مکرم سے مدینہ منورہ میں ۷۴۰ھ میں موطا پڑھا اور خرقۂ خلافت بھی زیب تن کیا۔ قاہرہ وغیرہ مختلف شہروں میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں دو سال ٹھہرے۔ اس اثنا میں مسندِ افتا و تدریس کو بھی زینت بخشی۔ پھر ان کے اور امیر مدینہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، جس نے باہمی منافرت کی شکل اختیار کر لی اور اس منافرت نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور شوال ۷۶۳ھ میں وہاں

---

۱۵۳ البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ ج ۱۴، ص ۷۶۔ الدرر الکامنہ، ج ۱، ص ۵۲ و ۱۲۵۔ طبقات الشافعیہ، ج ۵، ص ۲۴۰۔ البدر الطالع از قاضی شوکانی ص۔ ابجد العلوم۔ نواب صدیق حسن خاں ص ۔ التاج المکلل ۔ نواب صدیق حسن خان ص ۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۳۸ تا ۱۴۱۔ امام ابن تیمیہ از محمد یوسف کوکن ص ۲۰۸ تا ۲۴۰۔

کے اصرار کی درخواست پر مدرسۂ حنفیہ کی مسندِ تدریس پر فائز ہو گئے۔
مذہب حنفیہ اور اس کے اصول کے ماہر تھے اور علوم عربیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مسلک کے شدید مخالف تھے اور مذہب حنفیہ کے اس درجہ تعصب کی حد تک حامی تھے کہ اس پر ہر حال میں عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیتے تھے۔ اسّی سال سے زائد عمر پا کر، جمعہ کے روز ۵ ذی الحجہ ۷۸۰ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔[۱۵۴]

۱۲۶۔ شیخ محمد بن محمود ہانسوی

شیخ محمد بن محمود غریب ہانسوی۔ عالم و صالح بزرگ تھے۔ لقب شیخ برہان الدین غریب تھا۔ والدِ مکرم کا لقب ناصر الدین تھا۔ شیخ برہان الدین غریب بن شیخ ناصر الدین ہانسوی کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ جمال الدین احمد خطیب نعمانی ہانسوی کے بھانجے ہوتے تھے۔ ۶۵۴ھ میں ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ پھر دہلی چلے گئے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کی تعلیم اس دور کے فاضل اساتذہ سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ۶۹۳ھ میں شیخ نظام الدین اولیاؒ کی صحبت اختیار کی اور باقاعدہ ان کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا اور اپنے شیخ کی زندگی کے آخری دم تک دہلی میں ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ شیخ کی وفات کے بعد ۷۱۸ھ یا ۷۲۰ھ میں دولت آباد کا قصد کیا اور پھر تمام عمر وہیں سکونت اختیار کیے رکھی۔
بہت بڑے عالم دین، فقیہ، زاہد، عبادت گزار اور صاحبِ وجد و حال تھے۔ خلقِ کثیر نے ان سے استفادہ کیا، جن میں شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی، شیخ فرید الدین، شیخ کمال الدین کاشانی، شیخ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی اور بہت سے حضرات شامل ہیں۔ شیخ رکن الدین بن عماد الدین نے نفائس الانفاس میں، ان کے بھائی

---

[۱۵۴] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۳ و ۱۴۴۔ بحوالہ طرب الاماثل

حماد الدین بن عماد الدین نے احسن الاقوال میں اور دوسرے بھائی مجد الدین بن عماد الدین نے بقیۃ الغرائب میں ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

والئ دکن امیر نصیر خاں ان سے بہت عقیدت رکھتا تھا، چنانچہ اس نے سرزمین دکن میں، ان کے نام پر "برہان پور" نام کا ایک شہر آباد کیا۔ بدھ کے روز ۱۲ صفر ۷۳۸ھ کو چور اسی سال کی عمر پاکر فوت ہوئے [۱۵۵]

۱۲۷- شیخ محمد بن محمد کابلی

شیخ محمد بن محمد کابلی ہندی، فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ یہ کابل سے ہندوستان آئے۔ اور یہاں بود و باش اختیار کرلی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں ۷۵۳ھ میں شیخ عز الدین بن جماعہ سے اخذ علم کیا۔ عقد الثمین کے مصنف فاسی اپنے استاذ شیخ جمال الدین بن ظہیرہ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ یہ نہایت فہیم و ذکی، عالم و فاضل، محدث و فقیہ اور عمدہ سیرت و کردار کے آدمی تھے۔ بہت ہی علمی چیزیں ضبط تحریر میں لائے۔ امامت میں شیخ ابو الفتح کی نیابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے [۱۵۶]

۱۲۸- شیخ محمد بن محمد ہندی

شیخ محمد بن محمد بن محمد بن سعید حنفی ہندی۔ شیخ شرف الدین بن علامہ ضیاء الدین ہندی کے نام سے مشہور تھے۔ ہندوستان سے ترک وطن کرکے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ وہاں شیخ ابن حبیب اور ابن معطی وغیرہ اساتذۂ وقت سے سماع علم کیا اور ۷۷۶ھ کو قاہرہ میں وفات پائی [۱۵۷]

---

[۱۵۵] اخبار الاخیار، ص ۹۱، ۹۲ - نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۳ و ۱۴۴

[۱۵۶] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۵ - بحوالہ عقد الثمین و طرب الاماثل

[۱۵۷] ایضاً

۱۲۹- شیخ محمد بن محمد بلخی

شیخ محمد بن محمد بن عیسیٰ بلخی، شیخ اشرف الدین بن رکن الدین بہاری صوفی فقیہ کے لقب سے شہرت رکھتے تھے۔ مشہور بزرگ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری سے اخذِ علم کیا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ شرف الدین نے ان کے لیے، شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی معروف تصنیف آداب المریدین پر کئی جلدوں میں فارسی زبان میں ایک مبسوط اور مفصل شرح سپرد قلم فرمائی۔[۱۵۸]

۱۳۰- شیخ محمد بن یحییٰ اودھی

عالم کبیر اور فاضلِ اجل شیخ محمد بن یحییٰ اودھی۔ ان کا لقب شیخ شمس الدین اودھی تھا۔ تحصیلِ علم کی غرض سے اودھ سے واردِ دہلی ہوئے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر و کامل علما میں سے گردانے گئے۔ مولانا ظہیر الدین بھکری اور شیخ فرید الدین شافعی اودھی وغیرہ جلیل القدر اساتذہ سے اخذِ علم کیا۔ طالبِ علمی کے زمانے میں شیخ نظام الدین اولیا کی شہرت سنی تو ایک روز مدرسہ سے مولانا صدر الدین ناوی کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے پوچھا "شہر سے آئے ہو اور تعلیم حاصل کرتے ہو؟" بولے، جی ہاں۔ مولانا ظہیر الدین بھکری سے اصولِ بزدوی پڑھتے ہیں"۔ اس پر شیخ نے ان سے اصول بزدوی کے بعض مشہور مشکل مقامات کے بارے میں سوال کیا۔ عرض کیا، "ہمارا سبق تو بے شک یہاں تک پہنچ گیا ہے، مگر یہ مقام اتنا مشکل معلوم ہو رہا ہے کہ ابھی تک اس کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں"۔ شیخ نے فوراً وہ مقامات حل کر دیے اور یہ شیخ کے اور گرویدہ ہو گئے اور ان کی عقیدت ان کے دل میں پہلے سے زیادہ راسخ

---

۱۵۸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲۵۔

ہوگئی۔ پھر ایک وقت آیا کہ باقاعدہ شیخ کے حلقۂ بیعت و ارشاد میں داخل ہوگئے۔

شیخ محمد بن یحییٰ اودھی دہلی کے جلیل القدر علما میں سے تھے، علوم و فنون میں مہارت، کثرتِ مطالعہ، وسعتِ معلومات، زہد و اتقا، ترک و تجرید، بلندئ سیرت اور استقامت میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ علما و طلبا ان کے حلقۂ درس میں شمولیت پر فخر محسوس کرتے اور ان سے اخذِ علوم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہوتے۔ عظمت و وقار اور جلالت و ہیبت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مسائلِ علمیہ پہ کامل غور و خوض کرتے اور ہر مسئلۂ پیش آمدہ کی تہ تک پہنچنے کی سعی فرماتے۔ علما و مشائخ کا ہجوم ان کے گرد رہتا اور طلبا ان سے شرفِ تلمذ کے لیے بے تاب نظر آتے اور ان کے مرتبۂ علمی کا اظہار کرتے۔ ان کی اسی خوبی سے متاثر ہو کر شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی نے، جو ان کے تلامذہ میں سے تھے، ان کے علم و فضل کی فراوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

سألت العلم من احیاک حقا — فقال العلم شمس الدین یحییٰ

میں نے علم سے پوچھا کہ تم کو کس نے حیاتِ نو سے سرفراز کیا ہے؟ کہا شمس الدین یحییٰ نے!

علومِ شرعیہ کے بارے میں، ان کی متعدد تصنیفات ہیں، جن میں شمس المعارف کو خصوصیت حاصل ہے۔

علم و فضل کے ساتھ تصوف و طریقت میں بھی ان کو بہرۂ وافر ملا تھا اور شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ بیعت تھے۔ انھوں نے ۷۲۴ھ میں ان کو خلعتِ خلافت عطا فرمایا اور طویل عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ تصوف اور علوم میں ان کے انہماک و استغراق کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر شادی نہیں کی، اور پوری زندگی تجرد میں گزار دی۔ زندگی کا مقصدِ وحید ہمیشہ تبلیغِ دین اور دعوت و ارشاد کو قرار دیے رکھا۔

دل اور ہاتھ کے بہت سخی تھے۔ ملوک و سلاطین اور امرا و وزرا کی مجلس میں حاضر ہونے سے محترز رہتے اور فقرا و مساکین اور علما و طلبا کی مجلس کو ترجیح دیتے، کیونکہ اس میں اشتغال فی العلم کا پہلو نکلتا ہے، جو اُن کا سرمایۂ حیات تھا۔

ایک مرتبہ سلطان محمد شاہ تغلق نے ان کو دربار میں طلب کیا اور کہا:

مثلِ تو دانشمندے ایں جا چہ کند، تو در کشمیر برو و در بت خانہائے آں دیار بنشین، و خلقِ خدا را باسلام دعوت کن۔

کہ آپ ایسے عالم اور بزرگ کا یہاں کیا کام، آپ کشمیر جایے اور اس دیار کے بت خانوں میں بیٹھ جایے اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دیجیے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا دہلی سے نکلنا اور دیارِ کشمیر میں جانا منظور نہ تھا۔ اسی روز اچانک سینے میں ایک پھنسی نمودار ہوئی اور اس کی تکلیف نے اس قدر شدت اختیار کی کہ یہی پھنسی بالآخر ان کی موت کا باعث بن گئی۔ بادشاہ کو ان کی تکلیف کا پتا چلا تو یقین نہ آیا اور واقعہ کی تحقیق کے لیے آدمی بھیجا۔ آدمی ان کے مکان پہ پہنچا تو وہ وفات پا چکے تھے۔ ان کی وفات کا حادثہ ۷۴۷ھ کو پیش آیا اور وہ دہلی میں دفن کیے گئے۔[۱۵۹]

۱۳۱۔ شیخ محمد بن محمد دمراجی ہندی

شیخ محمد بن محمد بن محمد بن ابوبکر دمراجی دہلوی۔ یہ اپنے لقب سے معروف تھے، جو شیخ نجیب الدین ہندی تھا۔ بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ حنفی المسلک تھے۔ اپنے مذہب کی تفصیلات و جزئیات پر کامل عبور رکھتے تھے۔ در حقیقت عرب کے باشندے تھے اور ان کے آبا و اجداد دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے لیکن شیخ نجیب الدین دہلی سے مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس درجہ

۱۵۹؎ اخبار الاخیار، ص ۹۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۷

منديين بزرگ تھے کہ جب تک ضعف و نقاہت نے کامل طور سے جسم و جان پر غلبہ حاصل نہیں کرلیا روزانہ عمرہ کرتے رہے۔ علم میں پختگی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ عقد الثمین میں فاسی کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے شیخ قاضی القضاۃ جمال الدین بن ظہیرہ سے سنا کہ شیخ نجیب الدین نے انھیں بتایا کہ ہندوستان میں ان کے شیخ انھیں "علامہ" کہہ کر پکارتے تھے۔

شیخ نجیب الدین ہندی کے بارے میں یہ واقعہ بڑا دلچسپ ہے کہ وہ دہلی سے مکہ مکرمہ گئے تو قاریٔ حرم شیخ عفیف دلاصی سے ملے اور ان سے مستدعی ہوئے کہ وہ انھیں اپنے حلقۂ تلامذہ میں داخل کرلیں اور کچھ اسباق پڑھا دیا کریں۔ لیکن شیخ عفیف نے یہ کہہ کر ان کی درخواست منظور کرنے سے معذرت چاہی کہ وہ عجمیوں کو نہیں پڑھایا کرتے کیونکہ اہلِ عجم، حروف کے مخارج کو صحیح طور سے ادا نہیں کرپاتے۔ اور ان کا تلفظ درست نہیں ہوتا۔ انھوں نے کہا، آپ میری قرأت سن لیں۔ اگر آپ اس سے مطمئن ہوئے تو فبہا ورنہ میں خود ہی آپ کے درس میں حاضر نہیں ہوں گا۔ شیخ عفیف نے یہ بات منظور کرلی اور فرمایا۔ اچھا پڑھیے۔ انھوں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ بڑے متعجب ہوئے اور کہا، مجھے آپ کے لب و لہجہ سے عرب کے نسب کی بُو آرہی ہے۔ بتائیے، آپ کس سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتے ہیں؟ عرض کیا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سلسلۂ نسب سے! کہا، مَیں بھی اسی سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتا ہوں۔ چنانچہ دونوں نے اپنا نسب بیان کیا تو اوپر چل کر بعض اجداد میں دونوں ایک دوسرے سے مل گئے۔ شیخ محمد بن محمد نجیب الدین ہندی نے ۷۹۰ھ کے بعد وفات پائی۔[۱]

۱۳۲- شیخ محمد شیرازی

شیخ محمد شیرازی شیخ شمس الدین محمد شیرازی کے نام سے معروف تھے اور شہر

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۸ - بحوالہ طرب الاماثل۔

بھکر[۱] میں اقامت فرما تھے۔ عالم و فاضل اور عابد و زاہد تھے۔ ۷۴۳ھ کو اپنی سیاحت کے دوران، شہر بھکر میں ابن بطوطہ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ کہتے ہیں، اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس سے زائد تھی۔[۱۶۱]

۱۳۳۔ مولانا محمد دامغانی

شیخ شمس الدین محمد دامغانی، علم و کمال اور فضل و صلاح میں یگانۂ دہر تھے۔ دہلی میں شیخ شمس الدین خوارزمی وغیرہ اساتذہ کے مدرسہ میں شیخ نظام الدین اولیا کے ہم درس تھے۔ حصولِ علم کے بعد محمد شاہ تغلق کے حکم سے، دولت آباد چلے گئے۔ وہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہے اور درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ دولت آباد میں ان سے شیخ عین الدین بیجاپوری نے کسبِ علم کیا۔[۱۶۲]

۱۳۴۔ شیخ محمد بن محمود کرانی

شیخ محمد بن محمود بن یوسف بن علی کرانی ہندی حنفی جلیل القدر عالم و محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے شیخ زین طبری اور عبدالوہاب بن محمد بن یحییٰ واسطی وغیرہ شیوخِ مکہ[۱] سے سماعِ علم کیا۔[۱۶۳]

۱۳۵۔ شیخ محمد بن شمس عثمانی

شیخ محمد بن شمس بن صلاح بن محمد بن محمد بن ابوبکر بن اسماعیل بن سری سقطی عثمانی۔ شیخ محمد معروف اسیٹھوی کے نام سے معروف تھے۔ نامور و ممتاز فقہائے حنفیہ میں

۱۶۱ؔ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۱۰

۱۶۲ؔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۴۹

۱۶۳ؔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۵۵۔ بحوالہ العقد الثمین و طرب الاماثل۔

سے تھے۔ ان کے والد شیخ شمس بن صلاح، عراق سے ہندوستان آئے اور عہد علاء الدین خلجی میں سترکھ کے عہدۂ قضا پر متعین ہوئے۔ وہاں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد امیٹھی منتقل ہو گئے اور ۷۴۵ھ میں سلطان محمد شاہ تغلق کے دورِ حکومت میں امیٹھی کے قاضی مقرر کیے گئے۔ پھر جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے لڑکے نجم الدین اسماعیل نے ان کی جگہ سنبھالی۔ قصبۂ امیٹھی میں ان کا سلسلۂ اولاد و احفاد بہت پھیلا ہوا ہے۔[۱۶۴]

۱۳۶۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی

علامہ سید محمود بن محمد بن احمد مدنی دہلوی کا سلسلۂ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ یہ شیخ قطب الدین دہلوی کے نام سے مشہور تھے ۔۔۔ھ میں پیدا ہوئے اور طلب علم میں مصروف ہو گئے۔ پھر اپنے والدِ مکرم شیخ محمد بن احمد مدنی کی معیت میں، جو شیخ قطب الدین محمد حسنی حسینی کے لقب سے ملقب تھے، مدینہ منورہ سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی کو اس زمانے میں مرکزِ علما، مسکنِ صلحا، منبعِ اولیا اور مہبطِ فقہا کی حیثیت حاصل تھی اور شیخ قطب الدین محمد کو طبقۂ علما اور حلقۂ ملوک و امرا میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے بیٹے شیخ محمود قوام الدین بھی تمام گوشہائے ہند میں بڑی تکریم کے مالک تھے۔ شیخ محمود بن محمد علم و معرفت میں اپنے دور کے ممتاز علمائے ہند میں سے تھے۔ فقہ میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی علمی اور شخصی وجاہت و عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس زمانے کے سلطانِ ہند شمس الدین التمش نے اپنی لڑکی فتحہ سلطانہ ان کے حبالۂ عقد میں دے دی تھی۔

یہ عالم دین اور فقیہِ معظم ممتاز شخصیت کے حامل تھے۔ انھوں نے دہلی ہی کو اپنا مسکن ٹھہرا لیا اور وہاں باقاعدہ سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا۔ ان

---

[۱۶۴] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۷۔ بحوالہ ریاض عثمانی۔

کے علم و فضل کے چشمۂ صافی سے بے شمار حضرات نے اپنی علمی تشنگی دور کی، جن میں ان کے بھتیجے قاضی رکن الدین بن نظام الدین کردی اور شیخ علاء الدین حسینی جیوری کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔ ان کے علاوہ خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔ اس دور میں یہ علم و زہد، سخاوت اور پرہیز گاری میں پورے عالم اسلامی میں عدیم النظیر تھے۔ اس بے مثال عالم و فقیہ نے تراسی ۸۳ برس کی عمر پا کر ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔[۱۶۵]

۱۳۷۔ شیخ محمود بن یحییٰ اودھی چراغِ دہلی

حضرت شیخ محمود بن یحییٰ بن عبد اللطیف حسینی یزدی اودھی۔ ان کے القاب دو تھے نصیر الدین محمود گنج اور چراغِ دہلی۔ ان کے جدِ امجد شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور تشریف لائے اور شیخ یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو علاقہ اودھ میں منتقل ہو گئے۔ اودھ میں انھوں نے پشمینہ کی تجارت شروع کی، جس سے ان کو بڑا نفع حاصل ہوا اور کئی ملازم ان کے ماتحت کام کرنے لگے۔ ان کے لڑکے شیخ محمود یعنی خواجہ نصیر الدین محمود کی ولادت اسی خطۂ ارض میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے مقامِ پیدائش اجودھیا اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، چونکہ یہ دونوں شہر صوبہ اودھ میں ہیں، اس لیے ان کے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے۔ نسباً حسینی سیّد تھے۔

ابھی نو ۹ سال کے تھے کہ والدِ ماجد (شیخ یحییٰ) انتقال کر گئے۔ تعلیم و تربیت کے مراحل والدہ مکرمہ کی نگرانی میں طے کیے۔ والدہ نہایت نیک اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ان ہی کا اثر تھا کہ بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے۔

حصولِ علم میں نہایت تیز تھے اور بڑی محنت اور کوشش سے اس میں مصروف رہتے۔ ہدایۃ الفقہ اور اصول بزدوی تک کتب درسیہ مولانا عبد الکریم شروانی سے پڑھیں۔ ان کی وفات کے بعد مولانا افتخار الدین محمد گیلانی کے حلقۂ درس میں شامل

---

۱۶۵ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۵۸۔ بحوالہ تذکرۃ السادات۔

ہو گئے اور باقی درسی کتابوں کے لیے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق ہدایۃ الفقہ شیخ فخر الدین ہانسوی سے اور اصول بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھیں اور بعض کتابوں کے لیے شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی کی شاگردی اختیار کی۔ ذہانت وفطانت اور اشتیاقِ تحصیلِ علم کا یہ عالم تھا کہ بہت سے مشاغل ومصروفیات کے باوجود پچیس سال کی عمر میں حصولِ علم سے فارغ ہو گئے اور تمام علوم مروجہ پہ عبور حاصل کر لیا۔

تینتالیس سال کی عمر میں حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تصوف وطریقت کا درس لیا، ۷۲۴ھ میں ان کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

عالم کبیر، زاہد وعابد، کریم النفس، راضی برضائے الٰہی، بہترین اخلاق کے حامل، اللہ سے ڈرنے والے، صادق القول اور متین وکم گفت رہتے۔ خشیتِ الٰہی کا غلبہ ہر آن دل پہ طاری رہتا اور اللہ کے خوف سے آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ صدق وعفاف کے پیکر تھے، زندگی کے شب وروز توکل وقناعت میں بسر ہوتے۔

اس عظیم الشان اور جلیل القدر بزرگ کو اپنے مرشد حضرت شیخ نظام الدین اولیا سے بے حد محبت اور شیفتگی تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ ایک مرتبہ خانقاہِ حضرت شیخ میں، خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید، خواجہ محمد گازرونی آ کر اقامت گزین ہوئے۔ خواجہ گازرونی، تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو ایک جگہ کپڑے رکھ کر وضو کرنے لگے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے۔ ان کی تلاش میں اونچی اونچی آوازیں نکالنے اور تیز تیز قدموں سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو، جو خانقاہ کے ایک گوشے میں بیٹھے، عبادت میں مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس ہنگامے سے ان کے مرشد حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی عبادت میں خلل پڑے گا، اس لیے جلدی سے خواجہ محمد گازرونی کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اتار کر ان کو دیے۔ صبح کو اس واقعہ کا علم، شیخ نظام الدین اولیا کو ہوا تو شیخ نصیر الدین محمود کو بالاخانے پہ طلب کیا اور اپنی پوشاک عطا فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر کی

والدہ کی زندگی میں تو وطن ہی میں سکونت اختیار کیے رکھی، کیوں کہ والدہ کی خدمت سب امور پر مقدم تھی۔ ان دنوں کبھی کبھی مرشد کے پاس دہلی تشریف لے جاتے لیکن والدہ کی وفات کے بعد تو وطن کی سکونت ترک کر دی اور مستقل طور دہلی میں مقیم ہو گئے اور مرشد کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا۔

مرشد وفات پا گئے تو ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ جانشینی کے ابتدائی دن بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گزرے۔ کئی کئی دن کھانے کو کوئی چیز میسر نہ آتی، رات کو گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چار چار پانچ پانچ دن چولھا نہ سلگتا، مگر کسی سے کوئی چیز نہ مانگتے اور نہ کسی پر اپنے فقر و فاقہ کی حالت ظاہر ہونے دیتے۔ صبر و رضا سے رہتے اور معمولات عبادت میں کسی قسم کا فرق نہ آنے دیتے۔ جب یہ زمانہ گزر گیا تو اس کو یاد کرتے اور لوگوں کو تنگی معاش کے شب و روز کی باتیں بتاتے۔

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے۔ حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ فرمایا، درویش کی صفت یہ ہے کہ اس پر فاقہ بھی گزرے تو اپنی حاجت دوسروں سے بیان نہ کرے، اور اگر اس کے پاس کوئی شخص آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گال سرخ کر لے تاکہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ کی حالت سے مطلع نہ ہو سکے۔ پھر بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لوں۔ حضرت ثوبان رضؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ، میں وہ ہوں۔ فرمایا۔ دیکھو ثوبان! کسی سے سوال نہ کرنا۔ ثوبان نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کیا۔ ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے نہیں مانگا، خود اتر کر اٹھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس موقع پر حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک درویش نے پوچھا جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو منع کیا ہو کیا وہ امر دوسروں کے لیے بھی لازم ہو جاتا ہے۔ فرمایا۔ ہاں! سب کے لیے حکم ممانعت یکساں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، فرمایا۔ تحمل اور بردباری سے کام لو۔ اگر کوئی خفا ہو تو معاف کر دو، کیوں کہ شیوۂ درویشی یہی ہے۔

حضرت محمود چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر گفتگو کرتے۔ ایک موقع پر فرمایا۔ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اسی لیے اضطراب و پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اور پھر بار بار کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ فرمایا۔ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے۔ ایک یہ کہ جو کچھ خدا اور رسولؐ نے فرمایا ہے اس کی اتباع کرے اور دوسرے یہ کہ جس چیز سے منع کیا ہے اس کو ترک کر دے۔

تارکِ نماز کے بارے میں مریدوں کو حکم تھا کہ وہ محفل میں آ کر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں اور سلام کہے تو جواب نہ دیں، تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرم محسوس کرے۔

مریدوں کو خاص طور سے حکم تھا کہ وہ نماز باجماعت کی پابندی کریں۔ نماز کے متعلق فرمایا کہ حضورِ قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے اعضا کا قبلہ کعبۃ اللہ ہوتا ہے۔ اگر اعضا اس طرف نہ ہوں گے تو نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح دل کا کعبہ ذاتِ الٰہی ہے۔ اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے تو یہ کیسی نماز ہوگی۔

ایک مرتبہ ایک مرید سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ نماز باجماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہونے دو۔ ایام بیض کے روزے رکھا کرو۔ جو شخص ایام بیض کے روزے پابندی سے رکھتا ہے اس کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کام سے خدا اور رسولؐ نے منع کیا ہے۔ اس کا ارتکاب کسی صورت میں نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید کی روزانہ باقاعدہ تلاوت کیا کرو، جس گھر میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، وہ گھر بابرکت ہو جاتا ہے اور قرآن پڑھنے والوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ قرآن پڑھنا، ذکرِ خدا میں مشغول رہنا ہے۔

بہر حال حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، نہایت نیک اور متقی بزرگ

تھے - ان سے بے شمار نصیحت آموز واقعات منقول ہیں - ان کو چراغ دہلی کے لقب سے پکارا جاتا ہے - یہ لقب ان کو کس وقت ملا اور کس نے دیا؟ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے - ایک موقع پر شیخ نے حضرت جلال الدین بخاری سے فرمایا - اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے، ان کی ذات بہت غنیمت ہے، وہ چراغِ دہلی ہیں اور مشائخ کے رسوم و عوائد کو زندہ رکھنے والے ہیں - شیخ جلال الدین بخاری نے اپنے شیخ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا - وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ الفاظ بیان کیے، جو شیخ عبداللہ یافعی نے کہے تھے اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغِ دہلی پڑ گیا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہوئے -

ان کی وفات کا حادثہ بڑا روح فرسا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت چراغ دہلی نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آ کر اپنے حجرۂ خاص میں مشغولِ مراقبہ تھے کہ ایک قلندر جس کا نام تراب تھا، وہاں پہنچا اور آپ پر چھری سے پے در پے حملے کیے - زخم اتنا گہرا آیا کہ خون کے فوارے چھوٹنے لگے اور خون حجرے سے باہر تک بہنے لگا - خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے اور قلندر کو پکڑ کر سزا دینا چاہی، لیکن حضرت چراغ دہلی نے منع فرمایا اور چند مریدینِ خاص کو قریب بلا کر ان سے حلف لیا کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے گا - پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھری مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہے تو معاف کر دینا اور سکۂ رائج الوقت بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا -

اس قاتلانہ حملے کے بعد تین سال تک خلق خدا کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے لیکن اس کا اثر باقی رہا - شب جمعۃ المبارک ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ کو شہر دہلی میں

وفات پائی ۱۶۶

۱۳۸- شیخ محمود بن محمد دہلوی

عالم اجل، فاضل کبیر شیخ محمود بن محمد دہلوی ہمدان کی کنیت ابو الفضائل تھی اور لقب شیخ سعد الدین تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ علامہ حافظ الدین کی تصنیف المنار فی الاصول کی شرح لکھی، جس کا نام افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار رکھا۔ کنز الدقائق کی شرح بھی سپرد قلم کی۔ ۷۹۱ھ میں فوت ہوئے ۱۶۷

۱۳۹- شیخ محمود بن حسین حسینی بخاری اوچی

شیخ محمود بن حسین بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری۔ شیخ ناصر الدین اوچی کے لقب سے ملقب تھے۔ ان کا شمار ارضِ ہند کے مشہور فقہا اور معروف مشائخ میں ہوتا تھا۔ شیخ محمد بن حسین بن علی حسینی بخاری کے نواسے ہوتے تھے۔ علم و مشیخت کی گود میں پرورش پائی۔ اپنے والد (شیخ حسین بن احمد) سے اخذ فیض کیا اور ان ہی سے علم فقہ کی تحصیل کی۔ پھر والد کی وفات کے بعد مسندِ مشیخت پر فائز ہوئے۔ ان کی اولاد میں بڑے بڑے متقی اور صلح حضرات پیدا ہوئے اور دنیا نے ان سے بہت فیض حاصل کیا۔ ان کی وفات کی تاریخ اگرچہ واضح الفاظ میں کسی تذکرہ میں مرقوم نہیں، تاہم قرین

---

۱۶۶ ان کے حالات، سیر العارفین، سیر الاولیا، خزینۃ الاصفیا، اخبار الاخیار، سراج المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس، تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی از برنی، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر اور بزم صوفیہ میں تفصیل سے دیکھیے۔

۱۶۷ الاثمار الجنیہ۔ از ملا علی قاری؛ الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ۔ از شیخ عبد القادر ابو محمد قرشی۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۰۔

صحت یہ ہے کہ ۸۰۰ھ میں فوت ہوئے اس کی دلیل یہ ہے۔ (جیسا کہ مختلف تذکروں میں منقول ہے)۔ ان کے انتقال کے دو سال بعد ان کے لڑکے عبداللہ بن محمود نے گجرات کا سفر کیا اور وہ ۸۰۲ھ تھا۔ کیونکہ عبداللہ ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور بارہ سال کی عمر میں عازمِ گجرات ہوئے۔ لیکن خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق شیخ محمود کا سالِ وفات ۸۴۷ھ ہے جو کسی اعتبار سے بھی قابلِ اعتماد نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کی وفات ۸۰۰ھ میں ہوئی [۱۶۸]۔

۱۴۰۔ شیخ محمود بن یوسف کرانی

شیخ محمود بن یوسف بن علی کرانی ہندی حنفی، بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ نصیر الدین لقب تھا۔ مکہ مکرمہ میں جا بسے تھے، وہاں شیخ رضی طبری سے صحیح ابن حبان کی سماعت کی اور شرفِ اجازہ سے بہرہ ور ہوئے۔ شیخ زین طبری، شیخ جمال امطری اور شیخ خلیل مالکی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ خود ان سے ماہ رجب ۷۵۲ھ میں ابن سکر نے صحیح ابن حبان کی احادیث سنیں اور سند و اجازہ لیا۔ فاسی نے العقد الثمین میں بتایا ہے کہ شیخ محمود بن یوسف نے مکہ مکرمہ سے وارد ہند ہونے کے بعد وفات پائی [۱۶۹]۔

۱۴۱۔ شیخ مخلص بن عبداللہ دہلوی

علامہ شیخ مخلص بن عبداللہ ہندی دہلوی۔ ان کا لقب شیخ حمید الدین تھا۔ جلیل القدر عالم اور کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ خطۂ ہند کی کسی عورت کے غلام تھے۔ اللہ نے اپنے فضلِ خاص سے ان کو علم کی دولت سے نوازا اور تحقیق و کاوش کی نعمت عطا فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملکِ ہند میں خلعتِ قبولیت سے

---

۱۶۸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۰، ۱۶۱

۱۶۹ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۱، بحوالہ طرب الاماثل۔

سرفراز کیے گئے اور علما و محققین کی جماعت میں بلند مرتبہ پر پہنچے۔ علومِ شرعیہ میں یگانۂ روزگار تھے اور فقاہت و قابلیت میں ممتاز گردانے جاتے تھے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی بہت آگے تھے۔ فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب، ہدایہ کی ایک نہایت عمدہ شرح لکھی، لیکن افسوس ہے وہ مکمل نہ ہو سکی۔ قرآنِ مجید کی ایک تفسیر بھی سپردِ قلم فرمائی، جس کا نام کشف الکشاف رکھا۔ اِن کے علاوہ علمی نوعیت کی چند اور کتابیں بھی لکھیں، جن کا ذکر شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے اپنی معروف تصنیف الطاف الخفیہ فی اشراف الحنفیہ میں کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ان کی شرح ہدایہ کا ذکر کیا ہے اور اسے ایک بہتر شرح قرار دیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

وشرحها الشیخ حمید الدین مخلص ابن عبد اللہ الہندی الدہلی شرحا حسنا ولم یکملہ[۱۷۰]

شیخ مخلص ۷۶۴ھ کو فوت ہوئے[۱۷۱]

۱۴۲۔ شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی

شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی، جن کا لقب شیخ نور الدین موسیٰ تھا، آٹھویں صدی ہجری کے خطۂ ہند کے فقہا و علما میں سے تھے۔ شیخ ابو الفتح رکن الدین بن صدر الدین ملتانی کے بھانجے ہوتے تھے، ان ہی سے استفادہ کیا اور طویل عرصہ تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے، یہاں تک کہ علم و معرفت کے بلند مرتبہ پر پہنچے۔ ملتان کے مدرسۂ بہائیہ میں، ان کا فیضانِ تدریس جاری تھا۔ اس زمانے میں ان سے بے شمار لوگوں نے تحصیلِ علم کی۔ ان کے تلامذہ کی کثیر جماعت میں شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری اوچی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ ان سے

---

[۱۷۰] کشف الظنون، ج ۲، کالم ۲۰۳۹

[۱۷۱] تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۱، ۱۶۲

ایک سال تک مختلف علوم سے بہرہ ور ہوتے رہے[۱۷۲]

۱۴۳۔ قاضی محی الدین کاشانی

عہدِ علاء الدین خلجی کے جلیل القدر علما اور عظیم المرتبت فقہا میں قاضی محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین حنفی صوفی کاشانی کا نام سرفہرست ہے۔ یہ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں شیخ شمس الدین قوشجی اور دیگر علمائے دہلی سے کسبِ علم کیا۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد درس و افادہ کی مسند کو رونق بخشی۔ علوم و فنون میں چونکہ کامل دست گاہ رکھتے تھے، اس لیے بے شمار علما و طلبا حاضرِ خدمت ہوتے اور ان کے چشمۂ علم سے سامانِ سیرابی حاصل کرتے۔

اس زمانے میں فضائے ہند پر شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف و طریقت کا شامیانہ تنا ہوا تھا، اس لیے کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور اخذِ فیض کیا۔ شیخ نے ان کو اپنا خلیفۂ خاص مقرر کیا اور اپنے دستِ مبارک سے سند و اجازۂ خلافت عطا فرمایا جس میں یہ الفاظ تحریر کیے:

می باید کہ تارکِ دنیا باشی، بسوئے دنیا و اربابِ دنیا مائل نشوی، و دِہ قبول نکنی و صلۂ بادشاہاں نگیری، و اگر مسافران بر تو رسند و بر تو چیزے نباشد، ایں حال را نعمتے شمری از نعمتہائے الٰہی۔ فان فعلت ما امرتک وظنی بک ان تفعل کذالک فانت خلیفتی و ان لم تفعل فاللہ خلیفتی علی المسلمین۔

یعنی تمھیں چاہیے کہ تارکِ دنیا ہو جاؤ۔ دنیا اور اربابِ دنیا کی طرف مائل نہ ہو جانا۔

---

۱۷۲ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۲۔ بحوالہ جامع العلوم۔

دیہات (پیش کیے جائیں تو) قبول نہ کرنا۔ بادشاہوں سے کوئی صلہ نہ لینا۔ اگر تمھارے پاس مسافر آئیں اور تمھارے جیب و دامن میں ان کی میزبانی کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو اس صورتِ حال کو اللہ کی نعمتوں سے ایک نعمت سمجھنا۔ اگر تم میرے اس حکم پر عمل کروگے اور میرا خیال ہے کہ کروگے تو خود کو میرے خلیفہ سمجھو، اگر نہیں کروگے تو مسلمانوں پر میرا خلیفہ ونگران اللہ ہے۔

قاضی محی الدین کاشانی نے وہی کچھ کیا جس کا شیخ نے حکم دیا تھا اور ان کے سامنے وہ سندِ قضا پھاڑ کر پھینک دی جو بادشاہ نے عطا کی تھی، اور سب طرف سے منقطع ہو کر اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر لیا۔ ساتھ ہی تدریس اور افادۂ عام کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ مسلسل فاقوں کی نوبت آنے لگی اور اہل و عیال یہ شدید تنگ دستی برداشت نہ کر سکے۔ اس کی اطلاع ان کے بعض دوستوں کی معرفت بادشاہِ ہند سلطان علاء الدین خلجی کو ہوئی تو اس نے ان کو ارضِ اودھ کے قاضی مقرر کر دیا اور یہ منصب قضا ان آباؤ اجداد سے ان ہی کے خاندان کے قبضے میں تھا۔ چنانچہ بادشاہ کی اس پیشکش کو قبول کرنے کی اجازت لینے کے لیے شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یہ منصب ان کی طلب و درخواست کے بغیر پیش کیا گیا ہے۔ شیخ کے مزاجِ عالی پر یہ چیز گراں گزری اور فرمایا۔ خواہشِ قضا نے تمھارے دل میں کروٹ لی ہے، ورنہ یہ ممکن نہیں کہ اس میں تیری طلب کو دخل نہ ہو اور یہ تمھیں مل جائے۔ یہ کہہ کر اجازت نامۂ خلافت واپس لے لیا۔ اب وہ اودھ کے قاضی تو مقرر ہو گئے مگر سخت قلبی پریشانی اور شدید قسم کی ذہنی تشویش میں پھنس گئے اور لمحہ بلمحہ دل میں یہ بات راسخ ہوتی گئی کہ جب تک یہ منصب ترک نہیں کیا جائے گا اور پہلی حالت واپس نہیں آئے گی، یہ تشویش و پریشانی رفع نہ ہوگی۔ پورا ایک سال حضرت شیخ بھی ان سے منغض رہے۔ پھر تجدید ارادت ہوئی۔ شیخ کو راضی کیا تو انھوں نے دوبارہ سندِ خلافت عطا کی اور قاضی کاشانی نے از سرِ نو پہلے کی طرح زہد و قناعت کی زندگی کو اپنایا۔ اُن

کی وفات ۷۱۹ھ کو شیخ کی زندگی میں ہوئی ۱۷۲؎

۱۴۲- مولانا معین الدین عمرانی دہلوی

علامہ شیخ معین الدین عمرانی دہلوی، سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان کے جلیل القدر عالم اور بہت بڑے فاضل تھے۔ قابلیت، وسعتِ مطالعہ اور علمی ہمہ گیری کے اعتبار سے ان کا شمار ہندوستان کے ان علمائے عظام میں ہوتا تھا جن کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاتے تھے۔ دار السلطنت دہلی میں تدریس کے اس درجہ ماہر تھے کہ یوں سمجھیے، بطورِ فنِ تدریس کے اس کا سلسلہ ان پر ختم تھا۔ مہارت اور وسعتِ نظر و بصر میں ہندوستان بھر میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ فقہ، اصول، کلام، منطق، معانی اور بیان میں یکساں عبور رکھتے تھے اور ہر فن کی جزئیات تک ان کے فہم و مطالعہ کی زد میں تھیں۔ تمام وقت درس اور افادۂ عام میں گزرتا۔ ان کا فیض اس درجہ پورے ملک کا احاطہ کیے ہوئے تھا کہ اس زمانے کا کوئی عالم ایسا نہ تھا جس نے کسی نہ کسی طریق سے ان سے استفادہ نہ کیا ہو۔

سلطان محمد شاہ تغلق ان کا انتہائی احترام کرتا اور انھیں لائق اعتماد گردانتا تھا۔ سبحۃ المرجان میں غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ محمد شاہ تغلق نے ان کو اس مقصد کے لیے شیراز بھیجا کہ وہاں کے مشہور عالم دین قاضی عضد الدین ایجی کو ہندوستان آنے پر آمادہ کریں۔ اس نے ان کے ہاتھ قاضی ممدوح کی خدمت میں متعدد تحائف و ہدایا بھی ارسال کیے۔ لیکن جب شیراز کے بادشاہ ابو اسحاق شیرازی کو اصل واقعہ کا علم ہوا اور پتا چلا کہ یہ قاضی عضد الدین کو ہندوستان لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں تو وہ خود قاضی عضد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور

۱۷۲؎ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳- اخبار الاخیار، ص ۹۰- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۱ و ۲۲۲- نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۳ و ۱۶۴-

ان کو ہندوستان جانے سے منع کیا۔ اس نے قاضی مذکور سے کہا کہ آپ ہندوستان نہ جائیے شیراز ہی میں تشریف رکھیے میں اس ملک کا تخت و تاج آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں بیوی کے سوا ہر چیز آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو تیار ہوں، بشرطیکہ آپ شیراز کی سکونت ترک نہ کریں۔ قاضی عضد الدین نے بادشاہ کی اس بے پناہ مروت و محبت سے متاثر ہو کر قصدِ دیارِ ہند کا ارادہ ترک کر کے شیراز ہی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ بادشاہ نے مولانا معین الدین عمرانی کی بھی بہت تکریم کی اور وہ چند روز شیراز میں قیام کرنے کے بعد دہلی واپس آ گئے۔

مولانا معین الدین عمرانی دہلوی کی اہم تصنیفات میں سے کنز الدقائق حسامی اور مفتاح العلوم پر تعلیقات و حواشی قابلِ ذکر ہیں [۱۷۴]۔ ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ تذکروں سے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ یہ سلطانِ ہند محمد شاہ تغلق کے عہد کے عالمِ دین تھے۔

۱۷۵۔ قاضی مغیث الدین بیانوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے متعدد علمائے عظام کے نام تذکروں میں مذکور ہیں، جن میں قاضی مغیث الدین بیانوی کا نام بہت معروف ہے۔ یہ بیانہ کے رہنے والے تھے۔ علم و عمل کے اعتبار سے ان کو اس دور میں منتہائے نظر سمجھا جاتا تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ حق گو، صداقت شعار، زیورِ صالحیت سے آراستہ اور پاک باز شخص تھے۔ علاء الدین خلجی کے نزدیک تین علمائے کرام کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ وہ تھے قاضی مغیث الدین بیانوی، مولانا ظہیر لنگ اور مولانا مشید کہرامی!۔ یہ حضرات بادشاہ سے اس درجہ قریب تھے کہ عموماً شاہی دسترخوان پر بھی موجود رہتے۔ بالخصوص قاضی مغیث الدین کو نہ صرف دربارِ شاہی

---

[۱۷۴] اخبار الاخیار، ص ۱۴۴۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۸، ۲۲۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۵۔

سے قریبی تعلق رکھتے تھے بلکہ خلوت و علیحدگی میں بھی بادشاہ کے ساتھ ہوتے تھے اور "در مجلس خلوت بنشستے[175]"

ایک روز علاء الدین خلجی نے خاص طور سے ان کو بلایا اور کہا میں آج آپ سے دینی نوعیت کے چند ضروری مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا صحیح صحیح جواب دیجیے۔ قاضی مغیث نے عرض کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ سلطان نے پوچھا، یہ خیال آپ کے دل میں کیوں پیدا ہوا؟ کہا، اس لیے کہ آپ مجھ سے دینی مسائل دریافت کریں گے، میں جواب میں حق بات کہوں گا، جو آپ کی خفگی اور ناراضی کا باعث ہوگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مجھے قتل کرا دیں گے۔

جواب میں سلطان علاء الدین خلجی نے کہا،

"من نخواہم کشت، ہرچہ از تو پرسم، پیش من راست بگوی[176]"

یعنی میں آپ کو قتل نہیں کروں گا، جو کچھ میں دریافت کروں، اس کا صحیح صحیح جواب دیں۔

اس کے بعد علاء الدین نے قاضی مغیث سے درج ذیل مسائل دریافت کیے۔

۱۔ خراج گزار و خراج دِہ را در شرع چگونہ ہندوی راگویند؟۔

۲۔ دزدے و اصابت و رشوت کارکناں و آنانکہ سیاقتِ قلم می کنند و از جمع می برند جائے در شریعت آمدہ است؟

۳۔ ایں مالے کہ من با چنداں خونا بہ دیدن در وقت ملکے از دیوگیر آوردہ ام، آں مال از آں من است و یا از بیت المال مسلماناں۔؟

۴۔ مرا و فرزندان مرا، در بیت المال چہ مقدارِ حق است؟

ان سوالات کا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ خراج گزار اور خراج دینے والے کو شرع میں ہندو کیوں کہتے ہیں؟

۲۔ کارکنانِ حکومت کے سرقہ، ناجائز قبضہ، رشوت لینے اور قلم کے ذریعے جمع حساب

---

[175] تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی، ص ۲۸۹۔ [176] ایضاً، ص ۲۹۰

میں کتر بیونت کرنے والوں کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے؟

۳- یہ سارا مال، جو اس قدر خون ریزی کے بعد میں اپنے زمانۂ امارت میں (تخت سلطنت پر متمکن ہونے سے پہلے بطور غنیمت) دیوگیر سے لایا ہوں - یہ میری ملکیت ہے یا مسلمانوں کے بیت المال کی؟

۴- میرا اور میرے اہل و عیال کا بیت المال میں کتنا حصّہ بنتا ہے؟-

یہ سوالات اپنی جگہ نہایت اہم ہیں- ذمیوں کے حقوق، ذمی کی تعریف، عمالِ حکومت کے کس طبقے پر حدودِ شرعی کا نفاذ کس صورت میں ہونا چاہیے، مالِ غنیمت پر سلطان کا حق کس وقت بنتا ہے، سلطان کا مشاہرہ، بیت المال کا انتظام اور اس میں سلطان اور اس کے اہل و عیال کے حقوق کا تناسب اور اس کی مقدار- وہ مسائل ہیں جو کسی مسلمان حکمران کی زندگی کے نہایت اہم مسائل قرار پاتے ہیں اور سلطان کا ان کے بارے میں شرعی نقطۂ نگاہ معلوم کرنا، یہ واضح کرتا ہے کہ سلطان کے دل میں اسلام کی محبت کس درجہ راسخ تھی اور وہ کتنا پکا اور صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور اپنی مملکت میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے اپنے مقدور کے مطابق کس درجہ کوشاں تھا-

قاضی مغیث الدین نے ان سوالات کا جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

پہلے سوال کا جواب یہ دیا کہ شرعی زبان میں ہندو کو خراج گزار کہا جاتا ہے- اگر کوئی محصل اس سے خراج میں چاندی طلب کرے تو اسے چاہیے کہ انتہائی نرمی اور تواضع کے ساتھ بلا تامل سونا پیش کر دے- اگر محصل اس کے منہ میں تھوکے تو وہ بغیر کراہت اور تنفر کے اپنا منہ کھول دے، تاکہ محصل اس کے اندر تھوک دے، اور اس کو یہ بھی چاہیے کہ محصل کے سامنے ادب سے پیش آئے- اس کے ساتھ انتہائی نرمی اور تواضع کا سلوک کرے اور محصل کے اس کے منہ میں تھوکنے سے مراد یہ ہے کہ ذمی اپنی کامل اطاعت کا ثبوت بہم پہنچائے کیوں کہ دینِ اسلام کا احترام اور دینِ باطل کی تذلیل ضروری ہے- حاملانِ دینِ باطل کی ذلت و خواری کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے

کہ : عَنْ یَّدٍ وَّ ھُمْ صٰغِرُوْنَ ؎ بالخصوص ہندوؤں کو ذلیل رکھنا دینِ اسلام کے لوازم میں سے ہے، اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوؤں کو قتل کرنے اور ان سے مالِ غنیمت لینے اور ان کو غلام بنانے کا حکم دیا ہے۔ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا پھر اُن کو قتل کیا جائے اور غلام بنالیا جائے اور ان کے مال و دولت پر بطورِ غنیمت قبضہ کر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ جن کے ہم پیرو ہیں، وہ ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ائمۂ مذاہب کے نزدیک ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں۔ ان کے نزدیک ہندوؤں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اما القتل و اما الاسلام۔ یعنی یا تو انھیں قتل کر دیا جائے یا وہ اسلام قبول کر لیں۔

قاضی مغیث الدین کا جواب چونکہ اُن کی اجتہادی بصیرت کی کمی، ہندوستان کے مخصوص حالات سے ناواقفیت، احکامِ فقہ پر پوری گرفت نہ ہونے اور واقعات و حقائق سے عدمِ اعتنا پر دلالت کرتا ہے، اس لیے یہ سُن کر سلطان علاء الدین

؎ یہ سورہ توبہ کی آیت ۲۹ کے آخری الفاظ ہیں۔ یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں ہے اور پوری آیت یہ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

یعنی اہلِ کتاب میں سے وہ لوگ جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جن کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔ ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ تمھارے ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

خلجی ہنس پڑا اور اس نے کہا۔

"یہ باتیں جو آپ نے بیان کی ہیں، مَیں ان کو بالکل نہیں جانتا، لیکن مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ مقدم گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، بہترین لباس پہنتے ہیں، فارسی کمان استعمال کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ جنگ آزما ہوتے ہیں اور شکار کھیلتے ہیں، مگر جہاں تک مختلف قسم کے ٹیکسوں کی ادائیگی کا تعلق ہے، خراج، جزیہ، کری وچرائی وغیرہ محصولات کا ایک جیتل بھی ادا نہیں کرتے۔ اور اپنا حقِ خدمت باشندگانِ دیہات سے الگ وصول کرتے ہیں۔ وہ اپنی مجلسیں آراستہ کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور ان میں سے بعض کے نخوت وغرور اور کبر ورعونت کا تو یہ عالم ہے کہ نہ خود دیوانِ حکومت میں آتے ہیں اور نہ بلانے پر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ محصولات وصول کرنے والوں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں دیگر ممالک کو مفتوح کرنے کے ارادے تو رکھتا ہوں اور ان کو اپنے زیرِ نگیں کر کے ان میں اپنے قوانینِ نظم ونسق جاری کرنے کا خواہاں ہوں، لیکن دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ خود میری اپنی ۱۰۰ کوس کی اقلیم جو میرے زیرِ نگین ہے، اس میں میری اطاعت گزاری کا حق حسبِ انداز سے ادا ہونا چاہیے نہیں ادا ہو رہا ہے۔ تو اس صورت میں دوسرے ممالک میں جا کر، مَیں اپنی اطاعت وہاں کے باشندوں سے کیونکر کرا سکوں گا۔ چنانچہ مَیں نے ایسے انتظامات کیے ہیں اور اس قسم کے قوانین کی تنفیذ کی ہے اور رعایا کو اس طریق سے اپنا فرماں بردار بنایا ہے کہ اگر میرا حکم ہو تو سب چوہوں کی طرح بلوں میں گھس جائیں۔ اور اب آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ شریعت کا بھی یہی حکم ہے کہ ہندو کو مکمل طور پر اور پوری طرح فرماں بردار بنایا جائے۔"

اس کے بعد علاء الدین نے کہا:۔

"اے مولانا مغیث! آپ عالم تو ضرور ہیں مگر تجربہ آپ کو بالکل نہیں ہے۔ مَیں اگرچہ ناخواندہ ہوں لیکن تجربہ بہت رکھتا ہوں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ہندو

کبھی بھی مسلمان کے مطیع اور فرماں بردار نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کو بے نوا اور بے حیثیت نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے حکم جاری کر دیا ہے کہ آئندہ رعیت کے پاس زراعت اور دودھ دہی وغیرہ صرف اتنی مقدار میں رہنا چاہیے جو کہ ان کی سال بھر کی ضرورت کے لیے کفایت کر سکے، ان کو ذخیرہ جمع کرنے کا ہرگز موقع نہ دیا جائے۔"

سلطان کے دوسرے سوال، یعنی رشوت خور عمالِ حکومت کی سزاؤں کے متعلق قاضی مغیث الدین نے جواب دیا:

"ملازمینِ حکومت، کارکنانِ سلطنت اور دفاترِ مملکت میں کام کرنے والوں کی رشوت و سرقہ کے بارے میں کتبِ فقہ اور احکامِ شرع میں کوئی واضح فیصلہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن اگر وہ عمالِ حکومت، جن کو نا کافی معاوضہ ملتا ہے، بیت المال کے خزانے سے، جہاں رعایا کا خراج جمع ہوتا ہے، کوئی چیز چوری کر لیں یا رشوت لیں یا خراج سے وصول ہونے والی رقم میں سے کوئی چیز ادھر اُدھر کر لیں تو حکمران (اولوالامر) جس طرح مصلحت دیکھے اور جو مناسب سمجھے، ان کو سزا دے سکتا ہے۔ خواہ یہ سزا جرمانے کی شکل میں ہو، خواہ قید کی صورت میں، ہو یا کسی اور انداز میں۔ لیکن یہ بہر حال صحیح بات ہے کہ اس چوری کے لیے جو بیت المال کے روپے میں کی گئی ہو، قطعِ ید کی سزا نہیں دی جا سکتی۔"

"یہاں یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ رشوت و سرقہ کے سدّباب کے لیے ملازمین کی تنخواہوں میں مناسب اضافہ بھی ضروری ہے۔"

اس پر سلطان نے کہا میں نے اصحاب الدیوان (دفتری کارکنوں) کو حکم دیا ہے کہ عاملوں، متصرفوں اور دوسرے کارکنوں کی وصول یابی کے حساب میں کوئی رقم اُن کے پاس اگر باقی ہے تو ایذا رسانی اور سزا کے ذریعے اُن سے وصول کی جائے۔ میری اطلاع یہ ہے کہ ان اقدامات کی وجہ سے چوری، رشوت اور خیانت وغیرہ جرائم میں اب بہت کمی پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے اب یہ بھی حکم دیا ہے کہ کارکنوں، عہدہ داروں اور ملازموں کو اتنی تنخواہیں اور مواجب دیے جائیں کہ جس سے وہ باعزت اور باوقار

زندگی بسر کر سکیں۔ اگر اس کے باوجود وہ سرکاری مال میں سرقہ و خیانت کے مرتکب ہوں اور رشوت لیں، تو پھر "بزخم چوب" اور مار پیٹ سے سرقہ و خیانت کا مال ان سے وصول کیا جائے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں، ملازموں اور عاملوں پر اب کتنی سختی کی جاتی ہے۔

تیسرا سوال سلطان علاء الدین کا یہ تھا کہ جو مال وہ دیوگیر سے اس درجہ خون ریزی کے بعد لایا ہے اور اس وقت لایا ہے، جب وہ تختِ حکومت پر متمکن نہیں ہوا تھا اور محض ایک ملک یا والی تھا، وہ مال اس کی ذاتی ملکیت قرار پائے گا یا مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہوگا؟

قاضی مغیث الدین نے اس کے جواب میں کہا۔ میرے لیے بادشاہ کے سامنے سچ بات کہنے کے علاوہ، دوسرا راستہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جو مال آپ دیوگیر سے لائے ہیں وہ سارا مال لشکرِ اسلام کی طاقت کے ذریعے لائے ہیں، اور ہر وہ مال جو لشکرِ اسلام کی طاقت کے ذریعے حاصل کیا جائے، وہ مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔ اگر آپ تنہا کہیں سے مال لاتے اور اس کا حصول شرعی لحاظ سے درست و مباح ہوتا تو وہ یقیناً آپ کی ملکیت قرار پاتا۔

یہ جواب سُن کر علاء الدین خلجی کو قاضی مغیث الدین پر سخت غصہ آیا اور کہا یہ آپ کیا بات کہہ رہے ہیں؟ کچھ دماغ ٹھکانے ہے؟ اور معلوم ہے آپ کی زبان سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں؟ غور سے سنیے! وہ مال جو میں اپنی اور اپنے ذاتی نوکروں کی جان کی بازی لگا کر، اپنے زمانۂ حکمرانی میں نہیں بلکہ اپنے دورِ ملکی میں اُن ہندوؤں سے لایا ہوں، جن کے نام و نشان سے بھی دہلی کے لوگ واقف نہ تھے، اور جو مال میں نے خزانۂ شاہی میں داخل نہیں کیا ہے بلکہ اپنے ذاتی تصرف میں لایا ہوں، وہ مال بیت المال کی ملکیت کیوں کر ہو سکتا ہے؟

قاضی مغیث الدین نے جواب میں کہا۔ آپ نے مجھ سے شریعت کا مسئلہ دریافت کیا ہے۔ اگر میں اس کا جواب وہی کچھ نہ دوں، جو میں نے کتابوں میں دیکھا اور پڑھا ہے اور آپ امتحان کے طور پر کسی دوسرے عالم و فقیہ سے وہی بات دریافت کریں جو مجھ سے دریافت کی ہے

اور وہ اس سے مختلف جواب دے، جو میں نے دیا ہے اور آپ اس سے اس نتیجے پر پہنچیں کہ میں نے بادشاہ کی خوشنودیٔ مزاج کے لیے جھوٹ بیان کیا ہے تو آپ کا میرے متعلق کیا خیال ہو گا؟ اور پھر اس کے بعد آپ مجھ سے کوئی شرعی مسئلہ کیسے دریافت کریں گے؟۔

چوتھا مسئلہ سلطان علاء الدین خلجی نے، قاضی مغیث الدین سے یہ پوچھا تھا کہ میرا اور میرے اہل و عیال کا بیت المال میں کتنا حصہ ہے؟۔

بادشاہ کی زبان سے یہ سوال سُن کر قاضی مغیث الدین نے کہا، اب میری موت کا وقت آگیا ہے۔ سلطان نے پوچھا۔ کیوں؟ موت کا وقت کیسے آگیا ہے؟ کہا اس لیے کہ جو مسئلہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے، اگر میں اس کا جواب صحیح صحیح دوں گا تو آپ کو غصہ آئے گا اور آپ مجھ کو قتل کرا دیں گے، اور اگر خلافِ حق بات کہوں گا تو کل قیامت کے دن مجھے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ سلطان نے کہا۔ جو شرع کا حکم ہے، وہی بتایئے، میں آپ کو قتل نہیں کروں گا۔ "ہرچہ حکم شرع است بگو، من ترا نخواہم کشت۔"

اس اطمینان اور یقین دہانی کے بعد قاضی مغیث الدین نے جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

اگر آپ خلفائے راشدین کا اتباع کرنا چاہتے ہیں اور اس بات کے خواہاں ہیں کہ عقبیٰ میں آپ کو بلند درجات ملیں تو جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کے لیے دو سو چونتیس تنکے فی کس مقرر کر دیے گئے ہیں، اسی حساب سے رقم آپ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لیے لے لیں۔ اور اگر میانہ روی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتنی رقم میں، جو لشکر کے ہر فرد کو دی جاتی ہے، بادشاہی کی شان و عزت قائم نہیں رہ سکے گی، تو پھر بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لیے اتنی ہی رقم لے لیں، جو دربار سے منسلک بڑے بڑے امرا، مثلاً ملک قیران، ملک قیربیگ، ملک نائب وکیل اور ملک خاص حاجب کو دیتے ہیں۔ اور اگر آپ علمائے دنیا کی روایتی اجازت و رخصت کے مطابق بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات وصول کرنا چاہتے ہیں تو پھر اتنی رقم لے لیں جو اُس رقم سے زیادہ ہو

جو دوسرے بزرگانِ درگاہ کو دی جاتی ہے، تاکہ اس اضافے کی وجہ سے دوسروں پر آپ کی انفرادیت قائم رہے اور شانِ بادشاہت بھی مجروح نہ ہو۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ جو میں نے عرض کی ہیں، آپ زیادہ رقم لیں گے اور لاکھوں اور کروڑوں روپے، سونے کے برتن اور دیگر مرصع اشیا، اپنے حرم کو دے دیں گے تو قیامت کے روز اس کی باز پرس ہوگی۔

قاضی مغیث کا جواب سن کر سلطان برہم ہو گیا اور کہنے لگا تو میری تلوار سے نہیں ڈرتا، اور کہتا ہے کہ یہ سب کچھ جو میرے حرم پر خرچ ہوتا ہے، خلافِ شرعِ محمدی ہے۔

قاضی مغیث نے کہا، میں آپ کی تلوار سے ڈرتا ہوں اور میرا کفن، جو میری دستار ہی کا بنے گا، اپنے ساتھ لایا ہوں۔ لیکن اگر آپ مجھ سے شرعی مسئلہ دریافت کریں گے تو وہی جواب دوں گا جو میں جانتا ہوں۔ اگر مجھ سے مصلحتِ ملکی کے متعلق سوال کریں گے تو میں کہوں گا کہ حرم پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس میں ہزار گنا مزید اضافہ کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے بادشاہ کی عزت لوگوں کے دلوں میں بڑھتی ہے اور بادشاہ کے وقار و عزت کا بڑھنا مصلحتِ ملکی کے لحاظ سے ضروری ہے۔

مذکورہ بالا چاروں سوالات کے جواب دینے کے بعد علاء الدین نے قاضی مغیث سے کہا، اس طرح تو آپ میرے تمام احکام کو غیر مشروع قرار دے دیں گے۔ دیکھیے! میں نے یہ احکام جاری کیے ہیں، اور اس پر عمل کرتا ہوں:

۱۔ جو سوار جنگ میں حاضر نہیں ہوتا، اس سے گزشتہ تین سال کی تنخواہ بطور جرمانہ وصول کرتا ہوں۔

۲۔ شراب پینے والوں اور شراب فروخت کرنے والوں کو کنوئیں والے قید خانوں ــــ "چاہِ زنداں" ــــ میں ڈلوا دیتا ہوں۔

۳۔ جو شخص کسی دوسرے کی بیوی کی آبرو ریزی کرے، اس کا عضوِ تناسل کٹوا دیتا ہوں اور اس عورت کو قتل کرا دیتا ہوں۔

۴ - بغاوت کرنے والے، اچھے ہوں یا برے، امیر ہوں یا غریب، سب کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مفلس بنا دیتا اور تباہ کر دیتا ہوں۔

۵ - حکومت کے محصولات و واجبات لوگوں سے لات اور لکڑی مار کر وصول کرتا ہوں اور جب تک کم سے کم اور تھوڑی سے تھوڑی مقدار کے واجبات بھی وصول نہ ہو جائیں متعلقہ اشخاص کو قید و بند اور زنجیروں میں جکڑے رکھتا ہوں، اور اس سلسلے میں ملکی قیدیوں کو قیدِ دوام کی سزا دیتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ کیا تم یہ کہو گے کہ یہ میرے سب احکام اور تمام قوانین غیر شرعی اور نامشروع ہیں؟

بادشاہ کی یہ بات سن کر قاضی مغیث اپنی جگہ سے اُٹھے، پائیں میں جا کر جوتے پاؤں سے اُتارے، پیشانی زمین پر رکھی اور بلند آواز سے کہا کہ شاہِ جہاں، مجھ غریب کو زندہ رہنے دیں یا اسی وقت قتل کر دینے کا حکم صادر کر دیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ بادشاہ کی یہ سب باتیں اور اس کے یہ تمام احکام و قوانین، غیر شرعی اور خلافِ کتاب و سنت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور ائمۂ حدیث و فقہ کی روایات میں کہیں منقول نہیں کہ احکام نافذ کرنے کے لیے بادشاہ جو جی چاہے، کرے۔

قاضی مغیث الدین کی زبان سے بادشاہ نے یہ الفاظ اچھی طرح سنے، مگر ان سے کچھ نہیں کہا۔ جوتے پہنے اور حرم میں چلا گیا، اور ادھر قاضی مغیث نے اپنے گھر کی راہ لی۔ دوسرے روز قاضی مغیث نے اسی طرح غسل کیا جس طرح کہ میّت کو غسل دیا جاتا ہے۔ لوگوں میں صدقہ تقسیم کیا اور اہلِ خانہ کو الوداعی سلام کہا اور شاہی محل میں آ گئے۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضری دی اور اس کو سلام کیا۔ بادشاہ نے قاضی مغیث کو اپنے پاس بلایا، بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اپنا خلعتِ خاص اُتار کر انھیں دیا اور ایک ہزار تنکہ بھی عنایت کیا۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے قاضی مغیث سے جو الفاظ کہے، وہ لائقِ مطالعہ ہیں۔ ذیل میں تاریخ فیروز شاہی سے، اس کے وہ

فارسی الفاظ درج کیے جاتے ہیں، جو قاضی ضیاء الدین برنی نے نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد ان الفاظ کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

قاضی مغیث! من اگرچہ علمے و کتابے نخواندہ ام، اما از چندیں پشت مسلمان و مسلمان زادہ ام، و از برائے آں کہ بلغاکے نشود کہ در بلغاک چندیں ہزار کشتہ می شود، بہر چیزے کہ در آں صلاح ملک و صلاح ایشاں باشد، بر خلق امر می کنم و مردماں دہ دیدگی و بے اتفاقی می کنند، و فرمانِ مرا بجائے نمی آرند۔ مرا ضرورت می شود کہ چیزہا درشت درباب ایشاں حکم کنم کہ ایشاں بداں فرماں برداری کنند، و نمی دانم کہ آں حکم ہا مشروع است، و یا نامشروع۔ و من در ہر چہ صلاحِ ملک خود می بینم، و مصلحتِ وقت مرا دراں مشاہدہ می شود حکم می کنم، و نمی دانم کہ خدائے تعالیٰ فردائے قیامت بر من چہ خواہد کرد۔

فاما، اے مولانا مغیث! من یک چیز در مناجاتِ خود، با خدائے تعالیٰ می گویم کہ بارخدائے تو می دانی کہ اگر کسے با زنِ دیگر سفاح می کند، مرا در ملکِ من زیاں نمی دارد، و اگر کسے شراب می خورد، ہم مرا زیانے نیست، و اگر دزدی می کند، جائے از میراثِ پدرِ من نمی برد کہ مرا درد آید، و اگر مالی می ستانند و در نامردی نمی رود، و از نارفتن دہ، بست نفر، کار نامردی نمی ماند، و درباب ایں چہار طائفہ آنچہ حکمِ پیغمبران است، آں بکنم۔

ترجمہ: قاضی مغیث! میں نے اگرچہ علم حاصل نہیں کیا ہے اور کوئی کتاب نہیں پڑھی ہے، تاہم کتنی پشتوں سے مسلمان ہوں اور مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا ہوں، اور اس غرض سے کہ فساد نہ ہو، کیونکہ فساد میں ہزاروں آدمی مارے جاتے ہیں، جس چیز میں ملک کی بہتری دیکھتا ہوں، لوگوں کو اس کا حکم دیتا ہوں، لوگ بے پروائی اور بے توجہی سے کام لیتے ہیں اور میرا حکم بجا نہیں لاتے (ایسی صورت میں) میرے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے متعلق سخت احکام جاری کروں کہ ان کی تعمیل کریں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ احکام جائز ہیں یا نہیں۔ میں تو جن چیزوں میں ملک کی بھلائی دیکھتا ہوں اور وقت کے مطابق پاتا ہوں، ان کا حکم دیتا ہوں، میں

نہیں جانتا کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔

لیکن اے مولانا مغیث! میں ایک بات اپنی دعا اور مناجات میں اللہ تعالیٰ سے کہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے بدکاری کرتا ہے تو اس سے میرے ملک میں کوئی نقصان نہیں ہوتا، اگر کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو میرا اس سے کچھ نہیں بگڑتا، اگر کوئی چوری کرتا ہے تو میرے باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں لیتا، جس کی مجھے تکلیف ہو، اگر کوئی خزانے کا مال لے جاتا ہے اور (سرکاری کاغذات میں) اس کا اندراج نہیں کرتا، یا دفتر میں حاضر نہیں ہوتا، تو بس بیس آدمیوں کے حاضر نہ ہونے سے دفتری کام نہیں رکتا، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود، ان چاروں قسم کے لوگوں کے متعلق، میں وہی اقدام کرتا ہوں جو پیغمبروں کا حکم ہے۔

اس کے بعد علاء الدین نے قاضی مغیث الدین سے جو کچھ کہا، وہ بھی ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجیے کہ وہ اپنی جہالت و ناواقفیت کا کن الفاظ میں اعتراف کرتا ہے اور ملک و ملت کی خیر خواہی کا کتنا جذبہ اپنے دل میں رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"اس زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو ایک سے لاکھ تک، بلکہ پانچ سو لاکھ اور سو ہزار لاکھ تک، سوائے باتیں بنانے اور مونچھوں پر تاؤ دینے کے کچھ نہیں کرتے۔ ان کو نہ دنیا کی فکر ہے، نہ آخرت کی۔ میں جاہل شخص ہوں اور پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ سوائے الحمد، قل ھو اللہ، دعائے قنوت اور التحیات کے کوئی دوسری چیز نہیں جانتا۔ میں نے اپنی مملکت میں حکم جاری کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی رکھتے ہوئے کسی دوسرے کی عورت سے بدکاری کرے تو اس کو خصی کر دیا جائے۔ اس سخت حکم کے باوجود کتنے ہی آدمی میرے محل کے سامنے لائے جاتے ہیں، جنھوں نے دوسروں کی عورتوں سے بدکاری کا ارتکاب کیا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو تنخواہ (مواجب) وصول کرتے ہیں اور حاضری میں نہیں آتے۔ ان سے تین سال کی تنخواہ جرمانے کے طور پر وصول کی جاتی ہے، لیکن کوئی ایسا موقع نہیں ہوتا، جبکہ

سو یا دو سو آدمی جرمانہ ادا نہ کرتے ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ چاندی لے لیتے ہیں اور جاتے نہیں ہیں، قید میں پڑے زندگی گزار دیتے ہیں۔"

اب عاملوں، ملازموں اور منشیوں کی جو کہ سرکاری کاغذات میں رقوم کا اندراج کرتے ہیں، چوری کے متعلق بھی سنیے۔ ان کا یہ حال ہے کہ شاید اس شہر میں دس ہزار منشیوں کو میں نے فقیر بنا دیا ہے اور ان کے جسموں میں کیڑے ڈال دیے ہیں، پھر بھی یہ لوگ چوری سے باز نہیں آتے اور اس کثرت سے چوری کرتے ہیں کہ اگر آپ کو ان کی چوری کے طریقوں کی پوری تفصیل کا پتا چل جائے تو آپ کہیں گے کہ چوری اور منشی گیری (یعنی نویسندگی) جڑواں بہنیں ہیں۔ شراب پینے اور بیچنے والے کتنے ہی لوگوں کو کنوؤں میں قید کر کے میں نے مار ڈالا ہے اور مار رہا ہوں، کنوؤں میں قید ہو کر یہ لوگ کون سی شراب پیتے اور فروخت کرتے ہیں۔ خدا کی مخلوق کے لیے کوئی بھی شخص کافی نہیں ثابت ہوا ہے۔ میں کس طرح کافی ہو سکتا ہوں۔"[۱۷۸]

اس گفتگو میں، جو ملکی معاملات کے چار نہایت اہم اور بنیادی امور سے متعلق سلطان علاء الدین خلجی اور قاضی مغیث الدین بیانوی کے درمیان ہوئی، بعض مقامات پر قاضی مغیث کا موقف صحیح نہیں ہے اور بعض مقامات پر بادشاہ کی رائے اور طرزِ عمل احکامِ شرع سے ہٹے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود قابلِ غور بات یہ ہے کہ خالص دورِ ملوکیت اور ہنگامِ مطلق العنانی میں، بعض وہ علماء و فقہا بھی جو بادشاہ سے قریبی ربط رکھتے تھے، کس درجہ حق گو اور صحیح البیان تھے۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ بھی کتنی صاف گوئی اور وضاحت سے اپنی علمی بے مائیگی اور ملک میں جاری کردہ احکام سے متعلق تمام پہلوؤں کی بے تکلفی سے صراحت کر دیتے تھے۔ اس موقع پر جہاں

۱۷۸؎ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۲۸۹ تا ۲۹۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۶ تا ۱۶۹۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۹۔

علما کا اندازِ حق گوئی لائقِ تحسین ہے، وہاں اس کے جواب میں بادشاہوں کی وضاحت بھی قابلِ تعریف ہے۔

۱۴۶- شیخ منتخب الدین ہانسوی

عالم، فقیہ شیخ منتخب الدین بن ناصر الدین نعمانی ہانسوی ۵۰۷ھ میں پنجاب کے ایک شہر ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ پھر عازمِ دہلی ہوئے اور کبار علمائے دہلی سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد شیخ نظام الدین اولیا کی صحبت اختیار کی، ان سے طریقت و تصوف کی تعلیم حاصل کی اور طویل عرصہ تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی اور کبار مشائخ چشتیہ میں سے گردانے گئے۔ مرتبہ کمال کو پہنچے تو حضرت شیخ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا اور دکن جانے کی اجازت دی۔ سفرِ دکن میں اور بھی بہت سے اصحابِ طریقت، ساتھ تھے۔ دولت آباد کے قریب پہنچے تو وہاں رک گئے اور پہاڑ کی ایک غار میں چلے گئے، جہاں کوئی عمارت نہ تھی، صرف ایک مسجد تھی، جس کو لوگ چودہ سو اولیائے کرام کی طرف منسوب کرتے تھے۔

شیخ منتخب الدین رحمہ اللہ، زاہد و متوکل اور عابد و متقی تھے۔ علاقہ دکن کے بے شمار غیر مسلم، ان کے اثرِ تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ انھوں نے ۷ ربیع الاول ۷۰۹ھ کو وفات پائی۔[۱۷۹]

(ن)

۱۴۷- مولانا ناصر الدین خوارزمی

شیخ ناصر الدین خوارزمی بہت بڑے عالم و فاضل اور کبار فقہائے ہند

---

۱۷۹ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۱

میں سے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے۔ سلطان نے ان کو صدر جہاں کا لقب دیا تھا۔[۱۸۰]

۱۴۸۔ مولانا نجم الدین انتشار دہلوی

عالم کبیر شیخ نجم الدین دہلوی انتشار کے لقب سے مشہور تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے زمانۂ حکومت تک دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر فائز رہے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے اخذ علم کیا۔ فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے ماہر و فاضل علما میں سے تھے۔ ہر زمانے کے ملوک و امرا ان کی تکریم کرتے۔ حصولِ برکت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور احترام و قبولیت کا جذبہ لے کر ان کے پاس آتے تھے۔[۱۸۱]

۱۴۹۔ مولانا نجم الدین سمرقندی

عالم اجل، امام و شیخ، علامہ نجم الدین حنفی سمرقندی کا شمار دیارِ ہند کے کبار اساتذہ میں ہوتا تھا۔ اپنے زمانے میں کثرتِ درس اور افادۂ عام میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں قصرِ بالا بند سیری میں درس دیتے تھے اور یہ قصر فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کرایا تھا۔ جو مضبوطی و خوب صورتی میں بے نظیر تھا۔ مولانا نجم الدین سمرقندی اس قصر میں فقہ و اصول وغیرہ علوم کا درس دیتے تھے اور سلطان ان کی بے حد تکریم کرتا، اور ہدایا و تحائف سے نوازتا تھا۔[۱۸۲]

---

[۱۸۰] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۲

[۱۸۱] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۴۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۲

[۱۸۲] نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۳

۱۵۰- مولانا نصیر الدین صابونی

عہد علاء الدین خلجی کے علمائے کرام میں مولانا نصیر الدین صابونی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے نامور علما میں سے تھے۔ سلطان مذکور کے عہد حکومت میں، دار السلطنت دہلی میں ان کا سلسلۂ تدریس جاری تھا۔ ان کے حلقۂ درس سے متعدد حضرات نے استفادہ کیا۔[۱۸۳]

۱۵۱- مولانا نصیر الدین کرٹری

شیخ علامہ نصیر الدین کرٹری، عہد علاء الدین خلجی کے جلیل القدر علمائے ہند اور فقیہ المثال فقہائے ملک میں سے تھے اور دار السلطنت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اپنے دور کے اس عظیم و معروف فقیہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور علما کی بہت بڑی جماعت حصول علم کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئی۔[۱۸۴]

۱۵۲- مولانا نظام الدین کلاہی

سلطان علاء الدین خلجی کے دور حکومت کی کثیر جماعت علما میں مولانا نظام الدین کلاہی بھی شامل تھے۔ یہ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے معروف عالم تھے۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر دار السلطنت دہلی میں مسند تدریس پر متعین ہو گئے تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ بہت سے علما و طلبا نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔[۱۸۵]

---

۱۸۳ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۴۳۔

۱۸۴ ایضاً: نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۴۔

۱۸۵ ایضاً۔

۱۵۳- شیخ نورالدین ہانسوی

شیخ نورالدین بن قطب الدین بن برہان الدین بن جمال الدین خطیب ہانسوی فقہی مسلک کی رو سے حنفی تھے۔ ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو فقہ کی کتابیں اپنے والدِ ماجد شیخ قطب الدین ہانسوی سے پڑھیں۔ شیخ قطب الدین بہت نیک اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے اور علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی اور تصوف و طریقت کے بھی ماہر تھے۔ شیخ نورالدین میں ذوقِ تصوف نے کروٹ لی تو اپنے والد ماجد سے وابستہ ہو گئے ان سے تعلیم طریقت حاصل کی اور طویل عرصہ تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے۔ حتیٰ کہ علم و معرفت میں اپنے تمام ابنائے عصر سے فوقیت لے گئے اور والدِ مکرم کے بعد مسندِ مشیخت پر فائز ہوئے۔

شیخ نورالدین کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخیار میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے والد شیخ قطب الدین کو ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے اپنے دربار میں بلایا۔ شیخ نورالدین بھی جو اس زمانے میں بچے تھے، باپ کے پیچھے دربار میں چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو ملوک و امرا کو دیکھ کر گھبرا گئے اور سخت پریشان ہوئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر شیخ قطب الدین نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا۔ گھبراتے کیوں ہو؟ العظمة والكبرياء لله۔ شیخ نورالدین فرماتے ہیں: یہ الفاظ سن کر اسی وقت میرے ہوش بحال ہو گئے اور گھبراہٹ ختم ہو گئی۔

بہت بڑے زاہد، کم گو، نفور عن الدنیا اور قانع علی الیسیر تھے۔ کبھی کوئی منصب شاہی قبول نہیں کیا۔ ہانسی میں وفات پائی، اور وہیں دفن کیے گئے۔[۱۸۶]

۱۸۶؎ اخبار الاخیار ص ۸۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۶

و

۱۵۴- مولانا وجیہ الدین رازی

عالم کبیر علامہ شیخ وجیہ الدین رازی نے ہندوستان کے دو عظیم حکمرانوں یعنی جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کا زمانہ پایا۔ دہلی کے ائمۂ مجتہدین میں سے تھے اور اپنے دور کے جلیل القدر فقیہ تھے۔ ان کا سلسلۂ اسنادِ فقہ یہ ہے کہ انھوں نے شیخ ابوالقاسم تنوخی سے علمِ فقہ حاصل کیا، تنوخی نے حمید الدین ضریر سے، ضریر نے شمس الائمہ کردری سے اور کردری نے صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین سے اخذِ علم کیا۔

خود شیخ وجیہ الدین رازی سے سراج الدین ابوحفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی، فقہ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے [۱۸۷]

۱۵۵- مولانا وجیہ الدین پائلی

شیخ وجیہ الدین پائلی عہدِ علاء الدین خلجی کے عالم دین تھے۔ ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام پائل تھا اور یہ گاؤں مشرقی پنجاب کے مشہور شہر سر ہند سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ شیخ ممدوح اپنے دور کے نامور اور ممتاز فقیہ تھے۔ فقہ، اصولِ فقہ اور علوم عربیہ میں ماہر مانے جاتے تھے۔ لوگ ان کے فضل وکمال کے بہت معترف تھے۔ ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ شیریں بیان اور وسیع المطالعہ شخص تھے۔ دہلی کے کبار اساتذہ میں سے تھے۔ انداز کلام نہایت دل نشین تھا۔ جب علمی مسائل میں زبان کو حرکت دیتے تو ہر بات دوسری بات سے زیادہ وزنی اور جچی تلی معلوم

---

[۱۸۷] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۵۳ — الفوائد البہیہ — تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۸۸ — نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۷۶

ہوتی۔ کتب درسیہ پر استحضار کا یہ عالم تھا کہ تمام کتابیں بغیر دیکھے اور مطالعہ کے زبانی پڑھاتے۔ صرف پڑھانے پر ہی اکتفا نہ کرتے، اس کی بہترین تشریح بھی فرماتے۔ ان کا پیرایۂ اظہار دل میں اترتا چلا جاتا۔ علم و فضل کی فراوانیوں کے ساتھ ساتھ نہایت سادہ مزاج اور زاہد و قانع بزرگ تھے۔ کھانے پینے میں کسی تکلف کے قائل نہ تھے۔ طریقت و تصوف کے بھی دل دادہ تھے۔ اس علم کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید و عقیدت مند تھے[۱۸۸]

۱۵۶۔ مولانا وجیہ الدین بیانوی

شیخ وجیہ الدین بیانوی مشہور عالم و فقیہ تھے اور علم و فضل میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے۔ ابن بطوطہ اپنی سیاحت ہند کے سلسلے میں وارد ہند ہوا تو اس کی ان سے امیر عز الدین بتانی کے پاس چندیری میں ملاقات ہوئی۔ یہ امیر عز الدین بتانی کے مصاحب تھے اور وہ ان کی بہت تعظیم کرتا تھا[۱۸۹]

ی

۱۵۷۔ مولانا یعقوب بن مولانا خواجگی

شیخ یعقوب بن خواجگی علوی، پٹنی، گجراتی نہایت صالح اور خطۂ ہند کے عظیم فقیہ تھے۔ تصوف و طریقت اور فضل و صلاح میں بھی بلند پایہ بزرگ تھے۔ علم طریقت شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی سے حاصل کیا۔ عالم بیداری میں صاحب وجد و حال تھے۔ علاقہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے مشہور مقام نہروالہ کے ممتاز بزرگ شیخ رجب سے بھی استفادہ کیا۔

---

[۱۸۸] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ اخبار الاخیار ص ۹۹۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۵۰، ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۷۶، ۱۷۷

[۱۸۹] رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲، ص ۱۶۷۔

شیخ یعقوب پٹنی، خراسان کے ملوک و حکمران خاندان کے فرد تھے، جنھوں نے ہندوستان آکر نہروالہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ قاضی کمال الدین ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے فصوص الحکم کا درس لیا۔ ۷۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۹۰]

۱۵۸۔ شیخ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی

شیخ علامہ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا تھا۔ ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ مشہد سے واردِ ہند ہوئے اور ملتان میں سکونت اختیار کی۔ شیخ یوسف ملتان ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ شیخ قطب الدین رازی شارح شمسیہ سے جو مولانا جلال الدین رومی کے شاگرد تھے، اخذِ علم کیا۔ تکمیلِ علم کے بعد دارالسلطنت دہلی گئے جو اس زمانے میں مرکزِ علم و فقہ تھا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ تختِ ہند پر سلطان فیروز شاہ تغلق دادِ حکمرانی دیتا تھا۔ اس سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ ان کے پایۂ علمی اور تحقیق و تدقیق سے بہت متاثر ہوا اور مدرسہ فیروزیہ کی صدر مدرسی پیش کی۔ یہ مدرسہ اس نے حوضِ خاص پر تعمیر کیا تھا اور اس میں بڑے بڑے قابل اور لائق اساتذہ فرائضِ تدریس انجام دینے پر مامور تھے۔

شیخ یوسف، جہاں ماہرِ تدریس تھے، وہاں صاحبِ تصنیفات بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک کتاب ان کے نام کی مناسبت سے یوسفی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب امام بیضاوی کی لب الالباب فی علم الاعراب کی بسیط و مفصل شرح ہے۔ ایک کتاب کا نام توجیہ الکلام ہے، جو نسفی کی منار الاصول کی شرح ہے۔ اس جلیل القدر عالم دین نے ۷۹۰ ہجری

---

[۱۹۰] ۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۸۔ بحر الافکار، احمدی و گلزار ابرار۔

میں وفات پائی۔[191]

۱۵۹- شیخ یوسف چندیروی

شیخ یوسف چندیری کے باشندے تھے، اس لیے چندیروی کہلاتے ۔ لقب وجیہ الدین تھا۔ نہایت نیک اور اپنے وقت کے عظیم فقیہ تھے، علم و فضل کے علاوہ ماہر تصوف بھی تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے، تعلیم طریقت ان ہی سے حاصل کی تھی۔ ایک عرصہ تک ان سے منسلک و وابستہ رہے۔ پھر انھوں نے چندیری تشریف لے جانے کی اجازت دی اور وہاں مستقل طور سے مقیم ہو گئے۔ بہت بڑے شیخ، متورع، عفیف اور متدین بزرگ تھے صاحب کشف و کرامات بھی تھے۔ ۷۲۹ھ میں شہر چندیری میں وفات پائی۔[192]

۱۶۰- شیخ یوسف چشتی دہلوی

شیخ یوسف چشتی دہلوی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادبیات عربی کے ماہر تھے۔ نہایت پاک باز بزرگ تھے۔ طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مرید تھے۔ مسائل فقہ سے متعلق ان کی ایک کتاب بھی ہے جس کا نام تحفۃ النصائح ہے۔ یہ کتاب عربی نظم میں ہے۔ مسائل فقہ کو بصورت نظم بیان کرنا ان کے کمال فقاہت پر دال ہے۔ ۷۷۴ھ میں فوت ہوئے۔[193]

---

[191] اخبار الاخیار، ص ۱۵۰- تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۶- نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۹۔

[192] اخبار الاخیار، ص ۹۸- نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۹- بحوالہ سیر الاولیا و خزینۃ الاصفیا۔

[193] تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۶- نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۹- بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

مراجع و مصادر

اس کتاب کی تصنیف میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

۱- آبِ کوثر - ڈاکٹر شیخ محمد اکرام - مرحوم

۲- آئینِ اکبری - ابوالفضل

۳- ابجد العلوم - نواب صدیق حسن خاںؒ

۴- اتحاف النبلا - نواب صدیق حسن خاںؒ

۵- احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم - مقدسی - مطبوعہ برلِن -

۶- اخبار الاخیار - شیخ عبدالحق محدث دہلوی -

۷- استیعاب فی معرفۃ الاصحاب - ابن عبدالبر نمری قرطبی

۸- اسلام میں غلامی کی حقیقت - مولانا احمد سعید اکبرآبادی، ایم - اے

۹- الاصابہ فی تمییز الصحابہ - حافظ ابن حجر عسقلانی

۱۰- امام الکلام - مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی

۱۱- امام ابن تیمیہ - محمد یوسف کوکن عمری

۱۲- الانساب - سمعانی ۱۳- البدایۃ والنہایۃ - حافظ ابن کثیر

۱۴- البدر الطالع - امام شوکانی

۱۵- بزمِ صوفیہ - سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۱۶- بزمِ مملوکیہ - سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۱۷- التاج المکلل - نواب صدیق حسن خان

۱۸- تاج المآثر - صدرالدین حسن نظامی

۱۹- تاریخ الکامل - ابن کثیر ۲۰- تاریخ بغداد - خطیب بغدادی

۲۱- تاریخ الکبیر - امام بخاری ۲۲- تاریخ فرشتہ - محمد قاسم

۲۳- تاریخ سندھ - سید ابوظفر ندوی ۲۴- تاریخ فیروز شاہی - قاضی ضیاءالدین برنی

۲۵ - تاریخ فیروز شاہی - شمس سراج عفیف
۲۶ - تاریخ مبارک شاہی - یحییٰ بن احمد سرہندی
۲۷ - تاریخ فخرالدین مبارک شاہ - فخر مدبر
۲۸ - تاریخ یمینی - ابوالنصر محمد بن عبدالجبار عتبی
۲۹ - تحقیق الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام - مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری
۳۰ - تحقیقاتِ چشتی - مولوی نور احمد چشتی
۳۱ - تذکرہ علمائے ہند - مولوی رحمان علی
۳۲ - تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) محمد ایوب قادری
۳۳ - تذکرۃ الحفاظ - حافظ ذہبی
۳۴ - ترجمان القرآن جلد ثانی - مولانا ابوالکلام آزاد
۳۵ - تہذیب التہذیب - حافظ ابن حجر عسقلانی ۳۶ - کتاب الجرح والتعدیل
۳۷ - جمہرۃ انساب العرب - حافظ ابن حزم
۳۸ - چچ نامہ - محمد بن علی بن حامد بن ابوبکر
۳۹ - حدائق الحنفیہ - مولوی فقیر محمد جہلمی
۴۰ - خلاصۃ التواریخ - لالہ سجان رائے ۴۱ - خزینۃ الاصفیا - مفتی غلام سرور
۴۲ - خزائن الفتوح - امیر خسرو
۴۳ - خیر المجالس - ملفوظات شیخ نصیرالدین چراغ دہلی
۴۴ - الدرر الکامنہ - حافظ ابن حجر عسقلانی
۴۵ - ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون - اسماعیل پاشا
۴۶ - رجال السند والہند - قاضی اطہر مبارکپوری
۴۷ - رحلۃ ابن بطوطہ محمد ابن بطوطہ
۴۸ - سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات - خلیق احمد نظامی
۴۹ - سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان - غلام علی آزاد بلگرامی

۵۰ - سفینۃ الاولیا
۵۱ - سیر الاولیا - سید محمد مبارک کرمانی
۵۲ - سیر العارفین - مولانا جمالی
۵۳ - سیر الاقطاب
۵۴ - طبقات اکبری - نظام الدین احمد بخشی
۵۵ - طبقات ابن سعد
۵۶ - طبقات الشافعیہ - تاج الدین سبکی
۵۷ - طبقات ناصری - منہاج الدین عثمان جوزجانی
۵۸ - طبرانی کبیر و اوسط
۵۹ - عجائب الہند - بزرگ بن شہریار - مع فرانسیسی ترجمہ - طبع بریل
۶۰ - العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین - قاضی اطہر مبارک پوری
۶۱ - فتوح البلدان - بلاذری
۶۲ - فوائد الفواد - ملفوظات شیخ نظام الدین اولیا
۶۳ - الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ
۶۴ - فتوح السلاطین - عصامی
۶۵ - الفہرست - ابن ندیم
۶۶ - الفہرست - اردو ترجمہ: محمد اسحٰق بھٹی
۶۷ - کتاب الکنیٰ والاسماء
۶۸ - کشف الظنون - حاجی خلیفہ
۶۹ - کشف المحجوب - شیخ علی ہجویری
۷۰ - لباب الالباب - نور الدین عوفی
۷۱ - لسان المیزان - حافظ ابن حجر عسقلانی
۷۲ - مآثر الکرام - غلام علی آزاد بلگرامی
۷۳ - مآثر رحیمی - عبد الباقی نہاوندی
۷۴ - مروج الذہب - مسعودی مع فرانسیسی ترجمہ مطبوعہ پیرس
۷۵ - مشکوٰۃ المصابیح
۷۶ - معجم البلدان - یاقوت حموی
۷۷ - محبوب الوطن تذکرہ سلاطین بہمنیہ دکن - مولوی ابو تراب محمد عبد الجبار خاں
۷۸ - منتخب التواریخ - مُلا عبد القادر بدایونی
۷۹ - میزان الاعتدال فی نقد الرجال - حافظ ذہبی -
۸۰ - مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق - ابو المعالی عبد الملک جوینی
۸۱ - مجمع الزوائد ومنبع الفوائد - حافظ نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی
۸۲ - مفتاح السعادۃ - طاش کبریٰ زادہ
۸۳ - مقالات سلیمان ندوی جلد دوم
۸۴ - نزہۃ الخواطر - مولانا سید عبد الحی حسنی لکھنوی
۸۵ - نقوش لاہور نمبر - فروری ۱۹۶۲
۸۶ - وفیات الاعیان - ابن خلکان
۸۷ - تاریخ طبری
۸۸ - اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

فہرست مطبوعات

مقامِ انسانیت از مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

عقائد و اعمال از مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

اسلام کی بنیادی حقیقتیں از رفقائے ادارہ

مجمع البحرین (شیعہ سنی متفق علیہ احادیث) از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

روحِ اسلام اردو ترجمہ "سپرٹ آف اسلام" (سیّد امیر علی) از محمد ہادی حسین

اساسیات اسلام از مولانا محمد حنیف ندوی

کلامِ حکیم (مجموعۂ کلام ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم) مرتّبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینے میں از ابو الامان امرتسری

گورو گرنتھ صاحب اور اسلام از ابو الامان امرتسری

اسلام اور مذاہبِ عالم از مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

پیغمبرِ انسانیت از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

حیاتِ محمد از محمد حسین ہیکل - اردو ترجمہ از ابو یحییٰ امام خاں

تاریخ دولتِ فاطمیہ از مولانا رئیس احمد جعفری

زیر دستوں کی آقائی اردو ترجمہ "الوعد الحق" (طٰہٰ حسین) از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

مآثر لاہور از سید ہاشمی فرید آبادی

اسلام کا نظریۂ تاریخ از مولانا مظہر الدین صدیقی

مسلمانوں کے عقاید و افکار اردو ترجمہ "مقالات الاسلامیین" (امام اشعری) از مولانا محمد حنیف ندوی

حصّہ اوّل ، حصّہ دوم

تصوراتِ عرب قبل از اسلام از مولانا عبید اللہ قدسی

الفہرست اردو ترجمہ "کتاب الفہرست" (ابن الندیم وراق) از مولانا محمد اسحاق بھٹی

الفخری اردو ترجمہ از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج از شاہد حسین رزاقی

اسلام اور رواداری از مولانا رئیس احمد جعفری - جلد دوم

اسلام اور عدل و احسان از مولانا رئیس احمد جعفری

مسلم ثقافت ہندوستان میں از مولانا عبد المجید سالک

تہذیب و تمدّن اسلامی از مولانا رشید اختر ندوی حصّہ اوّل حصّہ دوم حصّہ سوم

فقہائے ہند جلد اول از مولانا محمد اسحاق بھٹی

اسلام میں حیثیتِ نسواں از مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

عقلیات ابنِ تیمیہ از مولانا محمد حنیف ندوی

سر سیّد اور اصلاحِ معاشرہ از شاہد حسین رزاقی

افکار ابنِ خلدون از مولانا محمد حنیف ندوی

مشاہیر اسلام از خواجہ عباد اللہ اختر

بیدل از خواجہ عباد اللہ اختر

مقالاتِ حکیم مجموعہ مضامین ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم ۔ مرتبہ شاہد حسین رزاقی ۔ حصّہ اوّل اسلامیات

حصّہ دوم اقبالیات حصّہ سوم متفرقات

موسیقی کی شرعی حیثیت از سیّد نصیر شاہ و رفیع اللہ

تعلیماتِ غزالی از مولانا محمد حنیف ندوی

افکارِ غزالی از مولانا محمد حنیف ندوی

سرگذشت غزالی اردو ترجمہ "المنقذ من الضلال" (امام غزالی) از مولانا محمد حنیف ندوی

حکمتِ رومی از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

تشبیہاتِ رومی از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

ملفوظاتِ رومی اردو ترجمہ "فیہ ما فیہ" از عبد الرشید تبسّم

اقبال کا نظریۂ اخلاق از پروفیسر سعید احمد رفیق

تہافۃ الفلاسفہ از مولانا محمد حنیف ندوی

انڈونیشیا از شاہد حسین رزاقی

اسلام اور تعمیر شخصیت از میاں عبد الرشید

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق از بشیر احمد ڈار

اسلام کا نظریۂ اخلاق از مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

اسلام میں حریت، مساوات، اخوت از خواجہ عباد اللہ اختر

اسلام اور حقوقِ انسانی از خواجہ عباد اللہ اختر

سیاستِ شرعیہ از مولانا رئیس احمد جعفری

تاریخ جمہوریت از شاہد حسین رزاقی

مسلمانوں کے سیاسی افکار از پروفیسر رشید احمد

اسلامی جمہوریت از مولانا رئیس احمد جعفری

ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی چند مطبوعات

''تہافت الفلاسفہ'' ترجمہ ، تلخیص و تفہیم مولانا محمد حنیف ندوی

غزالی کی مشہور کتاب ''تہافت الفلاسفہ'' اور ابن رشد کے جواب ''تہافت التہافہ'' کو اسلامی عقاید و افکار میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے ۔ اس کتاب کی تلخیص و تفہیم میں مولانا ندوی نے نہ صرف غزالی کے اس تنقیدی شاہکار کو شگفتہ اور رواں دواں اُردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش ہے ، بلکہ اپنے طویل اور شاندار مقدمے میں دونوں کے افکار و خیالات پر جچا تلا محاکمہ بھی سپرد قلم کیا ہے ، جس میں علامہ طوسی اور خواجہ زادہ کے تاریخی محاکموں سے استفادہ کے علاوہ مولانا نے موجودہ فلسفے کے رجحانات کو سامنے رکھ کر اپنی آرا کا بھی اظہار کیا ہے ۔

''انڈونیشیا'' (نیا ایڈیشن) مصنف شاہد حسین رزاقی

یہ کتاب انڈونیشیا کا مکمل خاکہ ہے جس کے مختلف ابواب میں تاریخی تسلسل کے ساتھ اس ملک کے حالات و واقعات نہایت خوبی سے قلم بند کیے گئے ہیں اور تمام اہم مسائل و تحریکات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔ کتاب کے شروع میں مختلف جزائر اور پورے ملک کے سرسری تعارف کے بعد عہد قدیم اور ہندوؤں ، بدھوں اور مسلمانوں کی سلطنتوں کا مختصر حال بیان کیا ہے جو پس منظر کے طور پر کام دیتا ہے ۔

''مسلمانوں کے سیاسی افکار'' (نیا ایڈیشن) مصنف پروفیسر رشید احمد

اسلامی سیاسیات کی تاریخ پر اُردو میں یہ پہلی جامع کتاب ہے ۔ اس میں بارہ مشہور ترین مسلمان سیاسی مفکروں کے افکار کا خلاصہ اور ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے ۔ یہ کتاب بی ۔ اے کے نصاب میں داخل ہے ۔